سرطان

نگہت سیما

پیش لفظ

جادو، ٹونے، تعویز، گنڈے کا کاروبار ہمارے معاشرے میں سرطان کی طرح پھیل رہا ہے۔ جگہ جگہ ''محبوب آپ کے قدموں میں'' ''امتحان میں کامیابی'' ''بانڈوں کے نمبر'' وغیرہ کے اشتہار دکھائی دیتے ہیں۔ اخبارات میں پورے کا پورا صفحہ ان جادو کرنے والوں کے دعوؤں سے بھرا ہوتا ہے۔ یہ ترغیب ایسی ہے کہ اس کے جال سے کمزور ایمان والوں کا بچنا مشکل ہے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ ہمارا ایمان کمزور ہے اور عقیدہ کچا۔ ہم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو ہم اللہ سے رجوع کرنے کے بجائے ان جادوگروں کی طرف بھاگتے ہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ جادو کرنے والا اور کروانے والے دونوں ہی اسلام کے دائرے سے خارج ہو جاتے ہیں۔ میں نے اس ناول میں مختلف کرداروں کے ذریعے یہی بتانے کی کوشش کی ہے میری خواہش ہے کہ ایک اسلامی ملک میں اس کا سدباب حکومتی سطح پر ہونا چاہیے اور اس طرح کے اشتہارات پر اور کاروبار پر پابندی لگنی چاہیے کیونکہ نہ صرف یہ کہ شرعاً اور مذہباً یہ گناہ ہے بلکہ یہ جادو ٹونا گھروں کو اجاڑ رہا ہے اور معاشرے کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔۔۔۔ شاید کسی دل میں میری بات اتر جائے اور لوگ اس جال سے نکل آئیں۔

یہ ناول خواتین ڈائجسٹ میں چھپا اور ناصر اقبال مجاہد صاحب نے اسے کتابی شکل میں چھاپنے کا اہتمام کیا جس کے لیے میں ان کی ممنون ہوں۔

نگہت سیما

چکوال

''بابا' بابا جی! کیا بات ہے۔ آپ اتنے بے چین' اتنے مضطرب کیوں ہیں۔ بہت دنوں سے میں آپ کو یونہی دیکھ رہا ہوں۔''

عبدالرحمٰن جو بہت دیر سے بابا عبداللہ کو چھوٹے سے کمرے میں ادھر ادھر چکر لگاتے دیکھ رہا تھا' بالآخر پوچھ بیٹھا۔

عبداللہ نے ذرا رک کر ایک غصیلی نظر اس پر ڈالی اور پھر پہلے جیسی تیزی سے ادھر سے ادھر چکر لگانے لگے۔

''بابا جی! بتائیں تو سہی، آخر بات کیا ہے؟'' عبدالرحمٰن نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر پوچھا۔

''کیا بات ہے؟'' انہوں نے مڑ کر خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔ ''تو نہیں جانتا کیا بات ہے۔ تجھے دکھائی نہیں دیتا، سنائی نہیں دیتا۔ اندھا ہے کیا آنکھیں بند کر رکھی ہیں تو نے بھی دوسروں کی طرح!''

وہ کمرے کے وسط میں کھڑے اسے گھور رہے تھے' آنکھیں لال سرخ ہو رہی تھیں۔

''میں تو بہت کچھ دیکھتا' بہت کچھ سنتا ہوں بابا جی! لیکن اب مجھے بھلا کیا پتا کہ

کون سی بات آپ کو پریشان کر رہی ہے۔''

عبدالرحمٰن کے سوا پورے گھر میں کسی کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ بابا عبداللہ سے بحث کرے۔

''تو بہت کچھ دیکھتا ہے' بہت کچھ سنتا ہے؟'' عبدالرحمٰن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر زندہ کیسے ہے مر کیوں نہیں گیا۔''

''بابا.....!'' عبدالرحمٰن نے کچھ کہنے کیلئے لب کھولے۔

''شہر میں رہتا ہے نا تو.....جا.....جا وہیں جا کر رہ۔ یہاں کیا کرنے آیا ہے۔ جا تو بھی جا کر ناچنا شروع کر دے۔ سب ناچ رہے ہیں تو بھی ناچ.....ڈگ۔۔۔۔۔۔ڈگڈگی بج رہی ہے اور ناچ رہے ہیں سب' ناچتا کیوں نہیں ناچ' ناچ۔''

ان کی آواز بلند اور آنکھیں انگارہ ہو گئیں۔

''سب ناچ رہے ہیں۔ تو بھی ناچ۔ عبداللہ بھی ناچے گا۔'' وہ ہاتھ بلند کر کے کمرے کے وسط میں گول گول گھومنے لگے اور ان کے حلق سے نکلتی آواز بتدریج بلند ہوتی گئی۔

☆ ☆ ☆

''خسرو ابھی تک نہیں آیا۔''

آمنہ نے کوئی ساتویں بار باہر کا دروازہ کھول کر دور تک جھانکا۔

''کیا خبر ماموں کے پاس جا کر بیٹھ گیا ہو۔''

ایک لمحہ کو انہوں نے سوچا لیکن پھر اپنی ہی بات کی تردید کر دی۔

''نہیں' اگر اسے ماموں کے پاس جانا ہو تو بتا کر جاتا ہے۔ جانتا ہے ماں کی طبیعت کو۔ ذرا دیر ہو جائے تو دل ہولنے لگتا ہے۔''

وہ انیکسی میں رہتی تھیں۔ اس خوبصورت بنگلے کے دونوں اطراف لان تھا۔ جس میں گھنے درخت اور بے شمار اقسام کے پھول تھے۔ پچھلے لان کو عبور کر کے دائیں طرف

انیکسی تھی۔ جس قدر خوبصورت اور اسٹائلش یہ بنگلہ تھا۔ اتنی ہی خوبصورت انیکسی بھی تھی۔ کونے میں نیم دائرے کی شکل میں۔ بائیں طرف سرونٹ کوارٹر تھے۔ مین گیٹ کے علاوہ پچھلی طرف بھی ایک چھوٹا گیٹ تھا اور خسرو عموماً اسی گیٹ سے آتا تھا۔ ٹی وی لاؤنج میں سے اور کچن میں سے بھی ایک' ایک دروازہ پچھلے لان کی طرف کھلتا تھا۔ کچن سے باہر سامنے کی طرف لانڈری تھی۔

''پتا نہیں' اتنی دیر کیوں کر دی۔''

آمنہ باہر لان تک آ گئیں۔ سوچا کہ اندر جا کر خسرو کو فون کر لیں۔ کیا خبر کوئی کیس آ گیا ہو یا کوئی اور مسئلہ ہو۔ یا پھر ہو سکتا ہے۔ خسرو نے فون کر دیا ہو اور کسی کو مجھے بتانا یاد نہ رہا ہو۔

وہ لان عبور کر کے کچن کی طرف مڑیں اور ابھی دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ پچھلا گیٹ کھلا اور خسرو اپنی بائیک دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا۔ پچھلے گیٹ کی ایک چابی خسرو کے پاس ہی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ شاذ و نادر ہی اس گیٹ کو استعمال کیا جاتا تھا۔ بائیک ایک طرف دیوار کے ساتھ کھڑی کر کے اس نے گیٹ بند کیا اور آمنہ کی طرف دیکھا۔

''امی جان! آپ اندر جا رہی ہیں کیا؟''

''نہیں۔ بس تمہارا ہی پتا کرنے جا رہی تھی۔ بہت دیر لگا دی تم نے۔''

وہ واپس پلٹ آئیں۔ خسرو نے کیپ اتار کر ہاتھ میں پکڑ لی۔

''آپ پریشان نہ ہوا کریں پلیز..... میری جاب ایسی ہے کہ دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔''

ایک ہاتھ میں کیپ پکڑے اور ایک بازو ان کی کمر کے گرد حمائل کرتا ہوا انہیں ساتھ لے کر وہ انیکسی میں داخل ہوا اور نیم دائرے کی صورت کے صحن کو عبور کرتا وہ چھوٹے سے ٹی وی لاؤنج میں آ گیا۔

''آپ کو جان لینا چاہئے کہ آپ کا بیٹا خسرو اب انسپکٹر خسرو ہے۔''

آمنہ کی طرف دیکھ کر وہ مسکرایا۔

''جانتی ہوں لیکن بیٹا فون تو کر دیتے۔''

''کیا تو تھا، کسی نے بتایا نہیں؟'' اس کے مسکراتے ہونٹ یکدم بھنچ گئے۔

''فون ممانی جان نے اٹھایا تھا لیکن انہوں نے آپ کو بتانا غیر ضروری سمجھا ہو گا۔ خیر.....'' اس نے کیپ اچھال کر صوفے پر پھینکی۔

''اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا ایک دو روز میں موبائل لے دوں گا آپ کو۔ ان دونوں بہت مصروف رہا ایک سلسلے میں' ورنہ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ اپنے اور آپ کیلئے سیل فون لے لوں۔''

وہ نیچے کارپٹ پر ہی ہاتھوں کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

''خسرو..... بیٹا! اپنے بیڈ پر جا کر لیٹو بلکہ پہلے چینج کر لو۔ میں جب تک کھانا لگاتی ہوں پھر آرام کرنا۔''

آمنہ نے ایک محبت بھری نظر اس پر ڈالی۔

''بہت تھک گیا ہوں' کچھ دیر لیٹنے دیں پھر چینج کرتا ہوں''۔ وہ یونہی لیٹا رہا۔

''تمہارے ابو بھی یونہی آفس سے آ کر کارپٹ پر لیٹ جاتے تھے۔''

کسی یاد نے آمنہ کے چہرے پر سایہ سا پھیلایا۔ انہوں نے جھک کر صوفے سے کشن اٹھایا۔

''لو یہ رکھ لو سر کے نیچے۔''

خسرو نے کشن پکڑ کر سائڈ میں رکھ لیا۔ آمنہ کچن میں چلی گئیں۔ رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ سالن تو بنا ہوا تھا بس پھلکے بنانے تھے۔ انہوں نے آٹا فریج سے نکالا اور کھلے دروازے سے جھانک کر خسرو کو دیکھا جو آنکھیں بند کیے سر کے نیچے کشن رکھے لیٹا ہوا تھا۔

''کہیں سو تو نہیں گیا؟''

انہوں نے سوچا اور جلدی جلدی روٹی بیلنے لگیں لیکن وہ سویا نہیں تھا۔

اس کا دھیان آج کے واقعے کی طرف تھا۔ اتنی شقی القلبی، اتنا ظلم۔

چند دن ہوئے قریبی گاؤں میں ایک معصوم بچے کا کسی نے گلا کاٹ کر کھیتوں میں پھینک دیا تھا۔ بچے کی عمر تقریباً چھ سال تھی اور خسرو اس بچے کے قتل کی تفتیش کر رہا تھا۔ اسی تفتیش کے سلسلے میں وہ گاؤں میں گیا ہوا تھا۔ بچے کے والدین کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی بچے کا باپ چھوٹا سا زمیندار تھا۔ ایک بیٹی اور ایک بیٹا۔ بیٹی دس سال کی تھی اور چار سال بعد یہ بیٹا پیدا ہوا تھا وہ بھی بڑی منتوں مرادوں سے۔

''ہمارا کوئی دشمن نہیں تھا۔'' باپ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''پھر بھی کسی پر شک ہو آپ کو۔''

''نہیں ہم کیا کہیں سرکار! ہمارا تو پورے گاؤں میں کوئی دشمن نہیں۔''

وہ گاؤں کے کئی لوگوں سے ملا کسی سے کوئی کلیو نہیں ملا۔ سب نے کم و بیش یہی بتایا کہ محمد اشرف بڑا شریف بندہ ہے۔ کسی کے ساتھ دشمنی نہیں۔

وہ حوالدار حنیف سے باتیں کرتے ہوئے گاؤں سے باہر اپنی جیپ کی طرف جا رہا تھا کہ ایک نوجوان لڑکے نے اسے روک لیا۔

''ہاں ہاں کہو' کیا بات ہے؟''

''سر! اگر میرا نام نہ آئے تو میں کچھ بتا دوں۔'' اس نے حوالدار حنیف کی طرف دیکھا۔

''حنیف! تم جیپ میں جا کر بیٹھو' میں ابھی آتا ہوں۔''

''ہاں اب کہو' گھبراؤ نہیں۔''

''وہ سر! میں وہ کاکا..... اپنے شریف چاچا کا پتر وہ' اسے میں نے دیکھا تھا اسلم کے ساتھ جاتے ہوئے۔''

''یہ اسلم کون ہے؟''

''پتا نہیں جی۔ ادھر ہمارے گاؤں کا نہیں ہے۔''

''تم کیسے جانتے ہو اسے؟''

خسرو کو جیسے کچھ امید چلی تھی کہ شاید کچھ سراغ مل جائے۔

وہ ادھر نیچے ندی کے اس طرف جوگی سائیں رہتے ہیں بڑے اللہ والے نیک بندے ہیں۔ ان کے آستانے پر ملا تھا مجھے۔ وہ جی' ہمارے ڈنگروں میں بیماری پھیل گئی تھی تو میں جوگی سائیں سے تعویذ لینے گیا تھا تو یہ لڑکا ملا تھا مجھے ادھر۔'' اب وہ قدرے بے تکلفی

سے بات کر رہا تھا۔

''اور وہ تمہارے ڈنگر پھر ٹھیک ہو گئے؟''

خسرو نے ماحول میں مزید بے تکلفی پیدا کرنے کیلئے پوچھا۔

''ہاں جی۔ بس ایک گائے اور اس کا بچھڑا مر گیا۔''

''تو کیا کہہ رہے تھے تم؟''

''وہ جی ادھر ہی ملا تھا مجھے آستانے پر۔ وہ بھی تعویذ لینے آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ بے روزگاری سے تنگ ہے۔ کسی نے اسے ادھر کا بتایا ہے تو دعا کروانے اور تعویذ لینے آیا ہے۔ وہ ادھر دو تین بار ملا مجھے' سلام دعا ہو گئی تھی اس سے۔ ساتھ والے بڑے گاؤں میں رہتا ہے جس صبح کاکے کی لاش ملی ہے۔ اس سے ایک دن پہلے شام کے وقت میں نے اسے ادھر دیکھا تھا' کاکا تھا اس کے ساتھ۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ میں جلدی میں تھا۔ آواز نہیں دی۔ اس نے بھی مجھے نہیں دیکھا۔ اس وقت میں نے یہی سمجھا کہ یونہی کاکا راہ چلتے مل گیا ہے اس سے' تو وہ یونہی باتیں کر رہا ہے۔ کاکا تو تھا ہی بڑا خوبصورت بچہ۔ راہ چلتے لوگ پیار کرتے تھے اسے' میں نے یہی سوچا کہ اسلم' سائیں کے آستانے پر جا رہا ہے۔ پریشان بھی تو بہت تھا بیچارا۔ بس کاکا مل گیا راہ میں، پھر کاکا کو کسی نے مار دیا تو بس، یہاں تو کوئی دشمن نہیں تھا اس کا' پھر اسلم کو بھی کیا دشمنی تھی اس سے' بڑا مسکین سا ہے وہ تو' پھر بھی میں نے سوچا بتا دوں۔ آخری بار تو وہ اسلم کے ساتھ ہی تھا۔''

''بہت اچھا کیا تم نے۔ کیا نام ہے تمہارا؟''

''فرزند علی!''

''ہاں فرزند علی! کیا اسلم نے تمہیں کبھی اپنا ٹھکانہ بتایا؟''

''ہاں جی۔ بڑے گاؤں میں اس نے بتایا تھا کہ میرا گھر ٹاہلی کے پاس ہے۔ سڑک سے اتر کر سیدھا جائیں تو۔''

''ٹھیک ہے مجھے ذرا سمجھا دو۔'' کیا خبر اسے کچھ علم ہو کہ کاکے کو کس نے مارا ہے۔''

''ہاں جی' کیا پتا اس نے دیکھا ہو کچھ' وہ تو جی بڑا مسکین سا ہے وہ تو کاکے کو نہیں

مار سکتا۔''

فرزند علی نے بہت اچھی طرح سے اسلم کا پتا خسرو کو سمجھایا۔ خسرو اس کا شکریہ ادا کر کے جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

''چلیں واپس؟'' حوالدار حنیف نے پوچھا۔

''نہیں۔ میرا خیال ہے سائیں بابا سے مل لیں۔''

''کوئی بزرگ ہیں کیا؟'' حنیف پرجوش ہو گیا۔

''یہاں اس گاؤں میں رہتے ہیں۔''

''بس قریب ہی ہیں۔''

''تو پھر چلیں۔ حاضری دے آئیں۔''

''ہوں.....'' خسرو نے سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ جانتا تھا کہ حنیف کی اولاد نہیں ہے اور ڈاکٹرز کے خیال میں دونوں نارمل تھے بس اللہ کی طرف سے ہی دیر تھی۔ سو دونوں ہی اکثر جہاں کسی بزرگ کے متعلق سنتے' وہاں دعا کرانے کیلئے پہنچ جاتے۔

''چلو.....'' خسرو نے اثبات میں سر ہلا دیا اور حنیف کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں ندی کے دوسری طرف جوگی سائیں کے آستانے پر پہنچ گئے۔ دو چیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ خسرو کی نظروں نے ایک چیلے کو وہاں سے کھسکتے دیکھ لیا تھا۔

''آؤ۔ آؤ جی بادشاہو۔ خیر ہووے۔'' ایک دو چیلوں نے کھڑے ہو کر خسرو کو خوش آمدید کہا۔ خسرو پولیس یونیفارم میں تھا اور گہری نظروں سے ان کا جائزہ لے رہا تھا۔

''کیسے آنا ہوا بادشاہو؟'' ایک قدرے مہذب شخص نے پوچھا۔

''یونہی آستانے کی شہرت سن کر دعا کرانے آئے ہیں۔'' خسرو کے بجائے حوالدار حنیف نے جواب دیا۔

''ترقی مرتی چاہئے۔''

زمین پر بیٹھے چیلوں میں سے ایک نے پوچھا۔

''سائیں جی سے ملاقات ہوسکتی ہے؟'' خسرو نے اس کے سوال نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں جی چلیں۔'' قدرے مہذب شخص نے انہیں ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔

صحن کچا تھا۔ چند چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر کھیس پڑے تھے لیکن سائیں جی کا کمرہ مکمل فرنشڈ تھا۔ قالین خاصا قیمتی تھا۔ ایک طرف گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے سائیں جی بیٹھے تھے۔ غالباً چیلے نے خسرو کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ تب ہی آنکھیں بند کیے مراقبے کی سی کیفیت میں آگے پیچھے جھوم رہے تھے۔ خسرو نے ایک طائرانہ نظر کمرے پر ڈالی۔ چند ایک فلور کشن زمین پر پڑے تھے اور دائیں طرف ایک دروازہ تھا جو تھوڑا کھلا ہوا تھا۔ غالباً سائیں جی کا بیڈ روم تھا۔ سامنے فل سائز ٹی وی کی جھلک خسرو نے دیکھی۔ یہ شخص اللہ والا تو ہرگز نہیں تھا۔ خسرو نے سوچا۔ حوالدار محمد حنیف دوزانو ہو کر بیٹھ چکا تھا۔

''سائیں جی! دس سال ہو گئے شادی کو اولاد نہیں ہے۔ کوئی دم درود کوئی تعویذ۔''

سائیں جی نے آنکھیں کھولیں۔ سرخ آنکھیں خسرو کی طرف اٹھیں۔ خسرو نے یکدم جھرجھری سی لی۔ مونچھیں چٹ صاف' داڑھی کے بال بے ترتیب۔ خسرو نے دل میں کراہیت سی محسوس کی۔

''ادھر نکے گاؤں آئے تھے' ایک معصوم بچے کو کسی نے مار ڈالا ہے اس کی تفتیش کیلئے۔ آپ کے متعلق سنا تو یہ حوالدار محمد حنیف ادھر آنے کو مچل اٹھا۔''

خسرو نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹالی تھیں۔

سائیں جی نے ذرا سی گردن جھکا کر حنیف کو دیکھا۔ جس کی نظریں عقیدت سے جھکی ہوئی تھیں سائیں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔

''ادھر کہاں چلا آیا۔ ڈاکٹروں کے پاس جا۔''

''بہت گیا ہوں سائیں جی! ڈاکٹروں کے پاس۔''

''پھر آنا کسی وقت' تعویذ دوں گا۔ عمل بتاؤں گا اولاد کیلئے۔''

''اور جناب کوئی چا' پانی؟'' اس کی نظریں پھر خسرو کی طرف اٹھیں۔

''نہیں سائیں جی! چلتے ہیں بس۔''

خسرو کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ پتا نہیں کیا بات تھی' اندر داخل ہوتے ہی کسی نامعلوم سے احساس نے اسے گھیر لیا تھا۔

''مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا' بلکہ پہلے اس شخص کے بتائے ہوئے پتے پر جا کر اسلم نامی لڑکے سے ملنا چاہیے تھا۔ خسرو نے تاسف سے سوچا تھا۔''

''حوالدار کیلئے دعا کیجئے گا سائیں جی!''

''ضرور .....ضرور..... ہماری مدد کی ضرورت پڑے تو بتانا انسپکٹر۔ حاضر ہیں ہم۔''

''جی بہتر۔'' خسرو نے حوالدار کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''سائیں جی! پھر کب حاضری دوں؟'' حوالدار محمد حنیف پوری طرح عقیدت میں ڈوبا ہوا تھا۔

''صبح دس بجے سے تین بجے تک ہم خلق خدا کی خدمت کرتے ہیں باقی کا وقت ہمارا اپنا ہوتا ہے۔''

''جی بہتر سائیں جی!''

وہ باہر نکلے تو ایک چیلے نے خسرو کے کان میں سرگوشی کی۔

''جو کئی سائیں کے پاس مؤکل ہیں۔ جنات بھی ہیں۔ آپ کا مسئلہ چند منٹوں میں حل کر دیں گے۔ بڑے بڑے افسر آتے ہیں ادھر۔''

خسرو سر ہلاتے ہوئے صحن کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ یہاں سے نکل کر وہ بڑے گاؤں کی طرف چل پڑا۔

بڑا گاؤں' نکے گاؤں سے نزدیک ہی تھا۔ غالباً آبادی اور رقبے کی بنا پر اس کا نام بڑا گاؤں پڑ گیا تھا۔ اسلم کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچے تو گھر کو تالا لگا ہوا تھا۔ ادھر ادھر سے پتا کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو مہینہ بھر پہلے سے نوکری کی تلاش میں شہر گیا ہوا ہے۔ گو شام گہری ہو گئی تھی لیکن خسرو ایک بار پھر جوگی سائیں کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ چیلے اسے دوبارہ دیکھ کر چونکے ہو گئے۔

''میں ایک شخص کے متعلق پتا کرنے آیا ہوں اسلم نام ہے اس کا' اکثر

یہاں آتا ہے۔''

''یہاں تو بہت سے لوگ آتے ہیں جناب۔اب ہمیں کیا خبر کہ کون' کون ہے۔''

قدرے تیز نظر آنے والے شخص نے کہا۔وہ پہلے کی طرح صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھے تھے۔خسرو انہیں نظر انداز کر کے سائیں جی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا' جبکہ حوالدار محمد حنیف وہیں کھڑا ہو گیا تھا۔

سائیں جی چائے نوش فرما رہے تھے۔اسے دیکھ کر یکدم چونکے۔

''جوگی سائیں! آپ نے کہا تھا کہ ضرورت پڑے تو آ جانا۔''

''ہاں' ہاں!'' انہوں نے چائے والا تھال ایک طرف سرکا دیا۔تھال میں چائے دانی اور کپ کے علاوہ ایک پلیٹ میں لڈو پڑے تھے۔

''مجھے ایک شخص کے متعلق پتا کرنا ہے سائیں جی! اس کا نام اسلم ہے اور وہ نوکری نہ ملنے سے پریشان تھا ادھر دعا وغیرہ کیلئے آتا رہا ہے۔''

''یہاں تو بہت لوگ آتے ہیں انسپکٹر! مخلوق خدا کی خدمت کیلئے بیٹھے ہیں یہاں۔کوشش کرتے ہیں کہ ہر سوالی جو یہاں آتا ہے اس کیلئے کچھ کر سکیں' اب ہمیں کیا خبر اسلم نامی شخص ان غرض مندوں میں سے کون تھا۔ہم نام پتا تو نہیں پوچھتے بابا' ویسے اس نے کیا کیا ہے؟''

''دراصل سائیں جی! میں جس بچے کے قتل کی تفتیش کر رہا ہوں' وہ اس رات اسلم کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔''

خسرو نے واضح طور پر اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے محسوس کیے۔

''آپ یاد کریں شاید یاد آ جائے اور اس نے اپنا کوئی پتا ٹھکانہ بتایا ہو۔''

خسرو کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

''یہاں آنے والے پتا ٹھکانہ نہیں بتاتے انسپکٹر صاحب!'' جوگی سائیں کے لہجے میں بیزاری تھی۔

''مجھے یاد نہیں بالکل کہ اس نام کا کوئی شخص یہاں آیا ہو' پھر یہاں تو دن رات میلا لگا رہتا ہے کس کس کو بندہ یاد رکھے۔''

خسرو اٹھ کھڑا ہوا۔

''اگر کبھی اس نام کا بندہ آئے تو.....'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ بتائیے گا لیکن پھر اسے فضول سمجھ کر اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔باہر صحن میں وہ لوگ اسی طرح چارپائیوں پر بیٹھے تھے شاید وہ مستقل یہیں رہتے تھے۔

حنیف اسے آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ جوگی سائیں بہت بڑے عامل ہیں۔جادو کا توڑ کرتے ہیں۔ان کا خلیفہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ ضرور کسی نے ہم میاں بیوی پر جادو کر رکھا ہے۔سخت قسم کا تب ہی تو اولاد نہیں ہو رہی۔جوگی سائیں کے پاس اس علم کا توڑ ہے میرا خیال ہے کہ کسی روز گھر سے بیوی کو لے کر ادھر آؤں۔'' خسرو نے ایک تاسف بھری نظر اس پر ڈالی۔

''محمد حنیف! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟''

حنیف نے سر جھکا لیا تو اس نے بے حد دکھ سے سوچا۔

''یہ ہم مسلمان ہیں جن کا اعتماد اور اعتقاد اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ ہم خدا سے مانگنے کے بجائے عاملوں کے پاس بھاگتے ہیں۔''

''خسرو بیٹا! پریشان ہو کیا؟''

آمنہ نے کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھی۔

''نہیں تو' بس تھک گیا ہوں آج۔'' خسرو مسکرایا۔

''تھانے میں تو ہر طرح کے کیسز آتے رہتے تھے چوری' ڈاکہ' قتل.....وہ ماں کو ننھے بچے کے قتل سے متعلق بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا شروع میں جب وہ اس تھانے میں تعینات ہو کر آیا تو بچپن کی عادت کے مطابق ہر بات آمنہ کو بتایا کرتا تھا اور آمنہ ایسے واقعات سن کر پریشان ہو جایا کرتی تھیں۔

''آپ نے کھانا کھا لیا؟'' خسرو نے پوچھا۔

''نہیں۔'' آمنہ بھی کارپٹ پر بیٹھ گئیں۔

''پلیز امی! آپ کو پتا ہے نہ میری جاب ایسی ہے کہ دیر سویر ہو جاتی ہے۔آپ پلیز کھانا کھا لیا کریں۔اچھا بتائیں' پکایا کیا ہے؟''

''کوفتے ہیں اور ساتھ میں ماش کی دال بھی ہے۔صبح بنائی تھی۔'' انہوں نے خسرو کو مسکرا کر دیکھا۔

''گڈ! میں فریش ہو کے آتا ہوں۔'' وہ کپڑے تبدیل کر کے آیا اور قمیض کی آستینیں موڑتے ہوئے بیٹھ گیا۔آمنہ نے دل ہی دل میں نظر کی دعا پڑھ کر اس پر پھونکی۔

''تمہارے ماموں صبح تمہارا پوچھ رہے تھے۔بہت دن ہو گئے شاید تمہیں ان کی طرف چکر لگائے۔کل اتوار ہے نا' چلے جانا ماموں سے ملنے۔''

آمنہ نے ڈھونگے کا ڈھکن اتارتے ہوئے کہا۔

''جی اچھا!'' ماموں سے ملنے کو اس کا بھی جی چاہتا تھا لیکن ممانی کے رویے کی وجہ سے وہ اس طرف جانے سے گریز کرتا تھا۔ان کا رویہ انتہائی کھردرا سا ہوتا تھا اور انداز گفتگو طنزیہ۔

☆ ☆ ☆

خسرو کے والد ایس پی تھے۔خسرو صرف دو سال کا تھا جب سندھ میں ڈاکوؤں سے مقابلے کے دوران گولی لگنے سے وہ شدید زخمی ہو گئے اور ہاسپٹل پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ددھیال میں صرف دادی تھیں' پھوپھی شادی شدہ تھیں۔یعنی دو ہی بہن بھائی تھی۔دادا کا انتقال ہو گیا تھا۔

دادی جب تک زندہ رہیں' وہ دادی کے ساتھ اپنے گھر میں ہی رہے۔ماموں ملنے آتے رہتے تھے۔ممانی تب بھی کم ہی آتی تھیں۔معاشی مسائل اتنے نہیں تھے۔پھر بھی ماموں جب بھی آتے کچھ نہ کچھ لے آتے تھے۔اس کے ماموں سید ابرار علی شاہ بہت بڑے بزنس مین تھے' لیکن پھر بھی اکلوتی بہن کیلئے وقت نکال لیتے تھے۔انہیں اپنی چھوٹی بہن سے بہت محبت تھی۔

خسرو سات سال کا تھا۔جب دادی کا انتقال ہوا تو سید ابرار علی شاہ بہن کو اپنے ساتھ لے آئے۔

بھابی نے نند کی آمد کو کچھ زیادہ پسند نہ کیا تھا۔آمنہ نے ان کے رویے اور بیگانگی کو محسوس کر کے چاہا کہ واپس اپنے گھر چلی جائیں' لیکن ابرار شاہ نہیں چاہتے تھے کہ جوان

بہن اتنے چھوٹے بچے کے ساتھ اکیلی رہے' سو بہن کے اصرار پر انہوں نے انیکسی میں ٹھہرا دیا۔

خسرو کی پھپھو نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ بھائی کی محافظت میں ہی رہیں۔اکیلی عورت کے ساتھ سو مسائل ہوتے ہیں اور باتیں بنانے والوں کی زبان کوئی نہیں روک سکتا۔آمنہ کیلئے نند کا مشورہ ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔نند صرف نند نہ تھی' بلکہ آمنہ کی شادی سے پہلے سے ہی دونوں میں دوستی کا گہرا رشتہ تھا۔

سید ظہیر حسین' آمنہ کی والدہ کی خالہ زاد بہن کے بیٹے تھے۔کبھی کبھار آنا جانا تھا۔آمنہ اور عفت میں تو اسکول کے زمانے کی دوستی تھی۔دونوں نے ایک ہی اسکول میں پڑھا تھا' ایک ہی کالج میں داخلہ لیا' ایک ہی جیسے مضامین رکھے تھے سو دونوں کا آنا جانا لگا رہتا۔وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے جبکہ آمنہ کے والد کا بزنس تب بھی بہت پھیلا ہوا تھا۔اس لیے جب سید ظہیر حسین کا رشتہ آیا تو ابرار شاہ کو تھوڑا تردد ہوا۔دونوں گھروں کے اسٹیٹس میں فرق تھا لیکن سید ظہیر حسین سی ایس ایس کا امتحان پاس کر کے کچھ عرصہ قبل ہی ایس پی تعینات ہوئے تھے اور بہت قابل پولیس افسر تھے۔مقابلے کے امتحان میں بھی پہلی پوزیشن لی تھی۔آئندہ ترقی کے امکانات بھی تھے۔

''آمنہ اپنا اسٹیٹس خود سنبھالے گی۔'' ماں نے سمجھایا۔

''اپنے ہیں' دیکھے بھالے شریف لوگ ہیں اور آج کل کے دور میں ایسا رشتہ ملنا مشکل ہے۔ایسا نہ ہو کہ بہتر کی تلاش میں آمنہ عمر بھر میکے کی دہلیز پر ہی بیٹھی رہ جائے۔''

''لیکن تھوڑا انتظار تو کیا جا سکتا ہے' کیا خبر کوئی اور اچھا رشتہ مل جائے۔''

سید ابرار علی شاہ چاہتے تھے کہ ان کی لاڈلی بہن کو کہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔

اور یوں آمنہ' سید ظہیر حسین کے گھر دلہن بن کر آ گئیں۔یہاں انہیں اتنا پیار ملا کہ انہیں کبھی کوئی کمی محسوس نہ ہوئی اور کوئی کمی تھی بھی نہیں۔سید ظہیر حسین بہت نفیس مزاج کے بے حد ایماندار آفیسر تھے۔

لیکن شادی کے صرف چار سال بعد آمنہ بیوہ ہو گئیں۔والدہ کا انتقال خسرو کی

پیدائش کے سال بھر بعد ہی ہو گیا تھا۔ میکے میں صرف بھائی کا ہی آسرا تھا اور بھائی نے سر پر ہاتھ رکھا اور بہت اصرار کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں' لیکن آمنہ بیمار ساس کو چھوڑ کر آنا نہ چاہتی تھیں۔ جوان بیٹے کی اچانک موت نے انہیں چارپائی پر ڈال دیا تھا۔

خسرو نے بہترین اسکولوں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن بچپن سے ہی اس کے ذہن میں تھا کہ وہ اپنے والد کی طرح پولیس آفیسر بنے گا۔ وہ بہت جلد اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہتا تھا۔ کیونکہ ممانی کا رویہ اسے تکلیف دیتا تھا۔ اس لیے اس نے بی ایس سی کرتے ہی پولیس میں اپلائی کر دیا اور سلیکٹ ہوتے ہی ٹریننگ پر چلا گیا۔ سید ابرار حسین شاہ کو اس کا یہ اقدام پسند نہیں آیا تھا۔

''میری خواہش تھی کہ تم میرے ساتھ بزنس میں شریک ہوتے اور ایم بی اے میں ایڈمشن لیتے اور اگر پولیس میں جانا ہی تھا تو سی ایس ایس کرتے اور اپنے والد کی طرح ڈائریکٹ آفیسر بنتے۔''

''کیا سوچنے لگے بیٹا؟'' آمنہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

''کچھ نہیں' یونہی۔'' وہ چونکا اور سر جھکا کر کھانا کھانے لگا۔

''مامی کے رویے کا برا مت مانا کرو ان کا مزاج ہی ایسا ہے۔''

''جی بہتر۔''

''بیٹا! کسی دن پھپھو کی طرف چلے جانا بلکہ یوں کرنا مجھے بھی ساتھ لے جانا عفت اور بچوں سے ملے بہت دن ہو گئے۔''

''کل ہی چلیں گے۔''

''پھپھو اور ان کے گھر کا تصور کرتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ ان کے گھر کا ماحول بہت دوستانہ تھا۔ عفت پھپھو اور ان کے میاں دونوں ہی بہت محبت کرنے والے لوگ تھے۔ حامد شاہ ایک ڈگری کالج میں فزکس پڑھاتے تھے ان کے چار بچے تھے۔ بڑا بیٹا اسعد تھا جو جرنلزم میں ماسٹرز کرنے کے بعد ایک اخبار سے منسلک تھا۔ گو وہ اس جاب سے مطمئن نہیں تھا۔ اس کے علاوہ کبھی کبھار ریڈیو اور ٹی وی کیلئے بھی کچھ لکھ دیتا تھا۔ اس سے چھوٹی عمارہ تھی جو فزکس میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ اس کو بھی اپنے ابو کی طرح

ٹیچنگ کرنا تھی۔ وہ اپنے والد سے بہت متاثر تھی۔ اس سے چھوٹا اذمیر تھا جو انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا اور سب سے چھوٹی ماریہ تھی جو فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی اور اسے ڈاکٹر بننے کا بے حد شوق تھا۔ خسرو اس گھر میں کبھی اجنبیت محسوس نہیں کرتا تھا۔ چاروں بہن بھائیوں کے ساتھ اس کی خوب دوستی تھی اور وہ چاروں بھی اس سے بے حد محبت کرتے تھے۔

''لیکن جانے سے پہلے ماموں سے ضرور مل لینا۔'' آمنہ نے پھر تاکید کی۔

''ٹھیک ہے امی! لیکن میں ایک بات سوچ رہا ہوں کہ ہم اپنے گھر کیوں نہ چلے جائیں۔ اب تو ہم اکیلے رہ سکتے ہیں نا۔'' خسرو نے آمنہ کی طرف دیکھا۔

''میں تمہارے احساسات سمجھتی ہوں خسرو! خود میں نے بھی ان چند ماہ میں جب سے تم یہاں تعینات ہوئے ہو' ایک دو بار سوچا کہ ہم اپنے گھر چلے جائیں لیکن بیٹا! ابھی تم یہاں ہو کل کو وہ تمہارا ٹرانسفر کہیں اور کر دیں۔ پھر تمہاری جاب ایسی ہے کہ بعض اوقات تم بہت دیر سے گھر آتے ہو کیا سارا دن میں اکیلی گھر پر رہوں گی؟''

''ہاں یہ تو ہے۔'' خسرو نے پانی کا گلاس اٹھایا۔

''لیکن ایک حل ہے اس کا۔'' آمنہ مسکرائیں۔

''تمہاری شادی کر دی جائے۔''

''اوہ نو امی!'' خسرو نے بے ساختہ کہا۔

''ابھی نہیں۔ ابھی ہرگز نہیں۔ فی الحال میں بالکل شادی افورڈ نہیں کر سکتا میں اپنی پوری توجہ جاب کی طرف ہی رکھنا چاہتا ہوں' پھر میں سوچ رہا ہوں شام کی کلاسز میں ایڈمشن لے کر ماسٹرز کر لوں کسی بھی سبجیکٹ میں' جہاں آسانی سے ایڈمشن مل جائے۔ میرے ایک دو دوست پنجاب یونیورسٹی سے ایم بی اے وغیرہ کر رہے ہیں۔''

''تو ٹھیک ہے جب تمہارا شادی کا ارادہ بنا ہم اپنے گھر شفٹ ہو جائیں گے۔ اللہ کا شکر ہے کرایہ داروں نے بہت اچھا رکھا ہوا ہے۔ اچھے شریف لوگ ہیں۔ جب تک خالی کر دیں گے۔'' آمنہ نے برتن اٹھا کر ٹرے میں رکھے اور خسرو کی طرف دیکھا۔ ان کے لبوں پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔

''دودھ پیو گے؟''

''نہیں امی! دودھ پینے کو جی نہیں چاہ رہا لیکن اگر آپ زیادہ تھکی ہوئی نہیں ہیں تو ایک کپ چائے بنا دیں۔'' خسرو بھی کھڑا ہو گیا۔

''مجھے پتا تھا۔ تم چائے پیو گے اس لئے میں پانی رکھ آئی تھی۔''

''تھینک یو۔'' وہ مسکرایا اور اپنے کمرے میں آ کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ٹی وی آن کیا اور ایک بار پھر وہ معصوم بچے کے قاتل کے متعلق سوچنے لگا۔

''کون..... کون ہو گا ایسا شقی القلب' کیسا خوبصورت بچہ تھا۔ جب زندگی اس کی آنکھوں میں ہنستی ہو گی تو کیسا لگتا ہو گا وہ' اور کیسے کوئی ایک ہنستے کھیلتے بچے کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ بظاہر کوئی جواز نہیں تھا۔ نہ ان لوگوں کی کسی سے دشمنی تھی نہ ہی کوئی اور مسئلہ سامنے آیا تھا۔

کیا اسلم ہی اس کا قاتل ہے لیکن کیوں؟ اس نے کیوں قتل کیا اس کا۔ بچے کے والدین اسلم کو نہیں جانتے۔ بڑے گاؤں کا رہنے والا اسلم جو نکے گاؤں سے باہر جوگی سائیں کے ٹھکانے پر جانے کیلئے نکے گاؤں سے گزرتا تھا۔ وہ بچے کو کیسے جانتا تھا۔ اس نوجوان نے بچے کو آخری بار اسلم کے ساتھ دیکھا تھا اور وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کہیں جا رہے تھے اس کا مطلب ہے کہ بچہ اچھی طرح اسلم سے واقف تھا۔

خسرو نے ابھی پوسٹ مارٹم رپورٹ نہیں دیکھی تھی۔ وہ دل ہی دل میں ایک لائحہ عمل ترتیب دینے لگا۔

☆ ☆ ☆

تیرے حسن کی ہے جو دلکشی
تیرے لب کے جو یہ گلاب ہیں
میرے خواب ہیں۔۔۔۔۔

''واہ..... کیا بات ہے' یہ اسعد بھائی شاعری کب سے کرنے لگے۔ آپی آپ نے سنا؟''

اژمیر کچھ کاغذات اٹھائے اسعد کے کمرے سے باہر نکلا اور کچن کی طرف جاتی

عمارہ کو روکا۔

''کیا؟'' عمارہ نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔

''بہت زبردست شاعری کی ہے بھائی نے' سنیں تو۔

تیرے حسن کی ہے جو دلکشی
تیرے لب کے جو یہ گلاب ہیں
میرے خواب ہیں میری زندگی
میری زندگی میں سراب ہیں
میرے ساتھ ہیں جو یہ واہے''

عمارہ کے ہونٹوں پر دلکش سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''یہ بھائی کی نظم نہیں' شوکت کاشمیری کی ہے اور اژمی! کئی بار بھائی نے تمہیں منع کیا ہے ان کے پیپرز نہ چھیڑا کرو' رکھ آؤ جہاں سے اٹھائے ہیں ناراض ہوں گے۔''

''خیر..... بھائی کی نہ سہی شوکت کاشمیری کی ہی سہی۔''

عمارہ نے اس کی دلکش آنکھوں میں شرارت کے رنگ بکھرتے دیکھے۔

''لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بھائی نے یہ نظم یہاں لکھی ہے۔ تو کس کیلئے ان کے آفس میں ان کے علاوہ میں نے تین لڑکیاں دیکھی تھیں۔ اب یہ لبوں کے گلاب اور بھائی کے خواب کس کے ہیں ذرا غور کرنا پڑے گا۔

ایک تو تھیں وہ سائڈ والے ٹیبل کے پیچھے بیٹھی گول مٹول سی چھوٹے سے قد کی اور اس نے تیز سرخ لپ اسٹک لگا رکھی تھی وہ تو بھائی کا خواب ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ اسے دیکھ کر تو جھوم جھوم کر گانے کو جی چاہتا ہے۔

ایک تھی لڑکی گول مٹول
پیٹ تھا اس کا جیسے ڈھول
باپ تھا اس کا اک حلوائی
کھاتی تھی وہ دودھ ملائی''

عمارہ کے ہونٹوں پر بکھری مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''تمہاری بات ختم ہوگئی ہو اژمی تو میں کچن میں جاؤں۔''

''ابھی کہاں.....ابھی تو شروع ہوئی ہے اور وہ دوسری لڑکی جو دائیں طرف بیٹھی تھی۔ بوائے کٹ بال۔ غرور سے تنی گردن' آنکھیں خوبصورت تھیں اس کی لیکن ہونٹ ہرگز گلاب نہ تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی بھڑ نے ہونٹوں پر کاٹ لیا ہو۔''

''اژمی.....!'' عمارہ نے ایک تنبیہی نظر اس پر ڈالی۔

''ایسا نہیں کہتے۔''

''میں مذاق نہیں اڑا رہا کسی کا آپی!'' اژمیر نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''میں تو صرف اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ کون سی لڑکی بھائی کا خواب ہو سکتی ہے۔ وہ تیسری لڑکی جو بھائی کی ٹیبل پر جھکی ان سے کچھ بات کر رہی تھی بہت خوبصورتی سے سیٹ کیے ہوئے بال تھے۔ اب پتا نہیں وہ کیا اسٹائل یا کٹ تھا لیکن اس کے چہرے پر خوب سوٹ کر رہا تھا۔ رنگ گندمی تھا۔ ہونٹ بھی گلاب کہے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ گلابی لپ اسٹک لگا رکھی تھی اس کا فیس کٹ بھی اچھا تھا اور۔۔۔۔قد تو زبردست تھا۔ آنکھیں گو چھوٹی تھیں لیکن بلا کی چمک تھی ان میں۔ اور نام بھی ان کا کچھ نیا نیا سا تھا۔ یعنی پہلے کبھی نہیں سنا ایسا نام' قانتا صابر عربی نام ہے شاید' کیا خیال ہے چلیں گی میرے ساتھ اپنی ہونے والی بھابی دیکھنے کیلئے؟''

''تم بھی بس اژمی بات کہاں سے کہاں لے جاتے ہو۔ یہ نظم کل کے اخبار میں چھپی تھی۔ مجھے بھی اچھی لگی تھی۔ میں نے بھی اپنی ڈائری میں نوٹ کر لی تھی۔ بس وقت ہی نہیں ملا۔ بھائی کو بھی اچھی لگی ہوگی۔'' عمارہ فزکس پڑھ رہی تھی لیکن اسے اردو ادب سے بہت دلچسپی تھی۔ گو انگریزی ادب بھی اس کے زیر مطالعہ رہتا تھا۔ گھر کا ماحول ہی ایسا تھا۔ سب ہی ادبی ذوق رکھتے تھے اور اپنی اپنی پڑھائی سے فارغ ہو کر کچھ وقت مطالعے کو ضرور دیتے تھے۔ حامد شاہ خود بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اسی طرح عفت بھی تھیں۔

''لیکن ڈیر سسٹر عمارہ شاہ..... بھائی کو آخر یہ نظم اچھی لگی ہی کیوں؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ ان کے آفس میں تین لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔''

''ان کے آفس میں تو تین لڑکیاں ہیں' تمہارے ساتھ تو درجنوں لڑکیاں پڑھتی ہیں پھر تمہارے خواب۔''

''ہائے آپی! یہ کس دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے آپ نے۔''

اژمیر دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہیں برآمدے میں بچھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میرے ساتھ پڑھنے والی لڑکیاں سب کی سب ٹھس ہیں' پتھر ہیں۔ ان میں کوئی حس ہی نہیں۔ ہر وقت کتابوں میں گھسی رہتی ہیں۔ لڑکیاں ٹیچر بنیں' ڈاکٹر بنیں ٹھیک لیکن یہ انجینئر بننے کا مشورہ کس نے دیا ہے انہیں۔ سچی کسی لڑکی میں رومانس کے جراثیم نہیں ہیں۔ ہائے کیسی کیسی نازک ادا خوش شکل چاند چہرہ لڑکیاں انجینئرنگ میں آ کر ضائع ہو گئیں۔

اب پلازے تعمیر کرنا' مشین دیکھنا' سڑکیں بنانا لڑکیوں کے کام ہیں کیا؟''

''کیا بات ہے' آج بہت فارغ ہو۔'' عمارہ ہنسی۔

''ہاں کل سمسٹر کا آخری پیپر تھا۔ سو آج مکمل ریسٹ۔''

''ٹھیک ہے بھائی! تم ریسٹ کرو' ٹی وی دیکھو' گپ شپ لگاؤ لیکن تھوڑی دیر کیلئے مجھے کچن میں جانے دو۔ میں دوپہر کے کھانے کیلئے کچھ کر لوں۔''

''آج کا مینو بتایا جائے۔''

''پتا نہیں۔ امی جان سے پوچھتی ہوں' کیا پکے گا۔''

''یعنی آپ کو خبر نہیں کہ کیا پکے گا اور آپ پکانے جا رہی ہیں کچن میں۔'' اژمیر نے آنکھیں پھیلائیں۔

''پہلے میں کچن میں چائے کا پانی رکھوں گی پھر امی جان سے پوچھ کر آؤں گی۔''

''تو پھر میرے لیے بھی ایک کپ چائے بنا دینا۔''

عمارہ سر ہلاتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''یہ گڑیا کیا ناشتے کے بعد پھر سو گئی؟''

''جی نہیں' پڑھ رہی تھی میں۔''

کتاب ہاتھ میں اٹھائے مازیہ اپنے کمرے سے باہر آئی۔

''آج اتوار ہے۔'' اس کی طرف دیکھ کر اژمیر نے جتایا۔

''مجھے پتا ہے۔'' اس نے ٹی وی کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھا۔

''ریموٹ کہاں ہے؟''

''پتا نہیں۔'' اژمیر نے کندھے اچکائے۔

''مگر ایک نظم سنو۔'' اژمیر نے کہا۔

میں جو آرزو کے سفر میں ہوں
نہ نظر میں ہوں، نہ خبر میں ہوں
کٹے کس طرح یہ سفر میرا
میں ہوں منزلوں سے پرے کہیں
کسی دشت میں کسی روز میں
تیری راہ کی اڑی گرد میں
مجھے بخش دو وہ کرامتیں
جو ہیں منتظر میرے خواب کی۔

''یہ تم نے خود لکھی ہے اژمی!'' مازیہ نے اشتیاق سے اسے دیکھا۔

''تو اور کیا۔ پوری نظم تو سن لو۔''

''اژمی! یہ مجھے دے دو۔''

''لے لو۔'' اژمیر نے فراخدلی دکھائی۔

''میں اپنے کالج میگزین میں اپنے نام سے شائع کروا لوں گی۔ آج کل مس حنا میگزین کے لیے پوئمز وغیرہ اکٹھی کر رہی ہیں۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

''تو دے دوں نا مس حنا کو؟''

''ہاں، دے دو۔''

''اژمی! یہ سچ مچ تمہاری ہی ہے نا؟''

اس فراخدلانہ انداز پر مازیہ نے کچھ مشکوک ہو کر اسے دیکھا۔

''اور یہ کب لکھی تم نے، بوئی کو دکھائی؟''

''بتاتا ہوں، پہلے پوری نظم تو سن لو۔''

مجھے اپنے کل کی فکر کہاں
مجھے فکر ہے تیرے حال کی

''بڑی شاعری سنائی جا رہی ہے۔'' اسی وقت خسرو نے اندر ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھا۔

''ارے خسرو بھائی!'' مازیہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

''کیسی ہے ہماری گڑیا؟''

''اچھی ہوں۔''

''آپ اتنے دنوں بعد آئے۔''

''اتنے دنوں بعد تو نہیں۔ اس روز جب آیا تھا تو تب بھی تو تمہارے ہاتھ میں یہی کتاب تھی اور آج بھی۔ اس کا کیا مطلب ہے اژمی!'' اس نے اژمیر کی طرف دیکھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ چند گھنٹے پہلے تشریف لائے تھے۔''

کبھی کبھی دونوں مل کر مازیہ کو بہت زچ کرتے۔ حالانکہ وہ بچپن سے ہی دونوں کی لاڈلی تھی۔ اژمیر سے تو اس کی بہت دوستی تھی اور خسرو کو بچپن سے ہی وہ بہت پیاری لگتی تھی۔

''مامی نہیں آئیں؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''آئیں ہیں، پھپھو کے کمرے میں ہیں۔ میں ان سے مل کر ادھر آیا ہوں۔''

''بیٹھیں نا خسرو بھائی! میں مامی سے مل کر آتی ہوں۔'' خسرو وہیں صوفہ پر بیٹھ گیا۔

''اسعد گھر پر نہیں ہے کیا؟''

''بھائی گئے تو ہیں آفس لیکن جلدی آ جائیں گے۔ ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی۔''

''کیا ہوا اسے؟'' خسرو نے اژمیر کو دیکھا۔

''وائرس اٹیک لگتا ہے۔'' اژمیر شرارت کے موڈ میں تھا۔

''فلو وغیرہ؟''

''ان موسمی بیماریوں کے علاوہ اور بیماریوں کے بھی تو وائرس ہو سکتے ہیں۔ مثلاً محبت کا وائرس، کیبل کا وائرس، انڈیا کی نقالی کا وائرس۔''

''بائے داوے اسعد کو اس میں سے کون سا وائرس لاحق ہوا ہے۔'' خسرو مسکرایا۔

''میرے خیال میں محبت کا۔''

''اچھا!'' خسرو کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''اب دیکھیں، جب بندہ اس طرح کی نظمیں لکھنا شروع کر دے تو اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ.....''

اژمیر نے پیپر اس کی طرف بڑھائے۔

''فضول مت بولا کرو اژمی!'' عمارہ نے کچن سے جھانک کر کہا۔ کچن کا ایک دروازہ ٹی وی لاؤنج میں کھلتا تھا۔

''خسرو بھائی! آپ چائے لیں گے؟ میں اپنے لیے بنا رہی تھی۔''

خسرو نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ بارہ بجنے والے تھے۔

''میں اس وقت چائے پیتا تو نہیں لیکن تم اپنے لیے بنا رہی ہو تو پی لوں گا۔''

''دراصل سنڈے کو بھی ہمارے ہاں ناشتہ صبح سویرے ہی کیا جاتا ہے تو آج بھی ساڑھے سات سے پہلے چائے پی تھی تو اس وقت جی چاہ رہا تھا۔''

''حالانکہ عام طور پر لوگ سنڈے کو گیارہ سے پہلے نہیں اٹھتے۔'' خسرو نے کہا۔

''میں ماموں کی طرف گیا تھا آنے سے پہلے، مگر وہاں ابھی سب سو رہے تھے۔ بس ماموں جان لان میں اخبار پڑھ رہے تھے۔''

''ان کی کیا بات ہے، وہ تو بڑے لوگ ہیں۔'' اژمیر نے جواب دیا۔

''اور ہم ٹھہرے متوسط طبقے کے لوگ جلدی اٹھنے اور جلدی سونے والے۔''

''کون.....کون جلدی سوتا ہے؟'' مازیہ ممانی سے مل کر آ گئی تھی۔

''یہ.....'' اس نے اژمیر کی طرف اشارہ کیا۔

''پڑھنے کے بعد کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ جاتا ہے۔''

ابی جان اور امی جان تو سونے چلے جاتے ہیں اور یہ جاگتا رہتا ہے دو دو بجے تک۔ حالانکہ ابی جان منع کرتے ہیں اسے کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ کمپیوٹر استعمال کرنے۔''

''یہ تو غلط بات ہے اژمی یار! تمہیں زیادہ سے زیادہ بارہ بجے تک سو جانا چاہیے۔ تمہاری نیند پوری نہیں ہو گی تو تمہاری پڑھائی بھی متاثر ہو گی۔''

خسرو نے سمجھایا، تب ہی عمارہ چھوٹی سی ٹرے میں تین مگ چائے لے کر آ گئی۔

خسرو کو وہ ہمیشہ کی طرح سادہ، باوقار، پراعتماد لگی۔

''کیسا لگ رہا ہے پولیس ڈیپارٹمنٹ اور اپنی جاب؟''

''پتا نہیں۔ کچھ کہہ نہیں سکتا کیسا ہے۔ شروع میں کچھ بوریت ہوئی۔ اب بس چل رہا ہے، ٹھیک ہے سب۔''

''کیا تھانوں میں وہی ماحول ہے جو اکثر ٹی وی ڈراموں وغیرہ میں دکھاتے ہیں۔'' عمارہ کے لہجے میں تجسس تھا۔

''ہمارے ڈی ایس پی صاحب ٹیپکل پولیس مین ہیں۔ غصیلے، ناراض اور کسی قدر اکھڑ۔ البتہ ہمارے علاقے کے ایس پی صاحب کے متعلق پتا چلا ہے کہ بہت ایماندار، ذہین و دین دار انسان ہیں۔ میری تو اب تک صرف دو ہی ملاقاتیں ہوئی ہیں ان سے۔''

''آپ نے اب تک کتنے مجرم پکڑے؟'' مازیہ کی آنکھوں سے اشتیاق ظاہر ہو رہا تھا۔

''فی الحال تو ایک بھی نہیں۔''

''کیا کوئی جرم ہی نہیں ہوا؟''

''نہیں ہوتے ہیں۔ آج بھی دو بندوں نے ڈاکے کی رپورٹ لکھوائی، دو قتل کی وارداتیں ہوئیں۔ میں ایک چھوٹے بچے کے قتل کی تفتیش کر رہا ہوں۔''

''تو کچھ کلیو ملا؟''

''ہاں کچھ تو ملا ہے۔'' خسرو، مازیہ کی طرف متوجہ تھا۔ اسے مازیہ کا اس طرح

سوال کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ اس سمے وہ ننھی سی بچی لگ رہی تھی، جب وہ چھوٹی سی تھی تب بھی وہ یونہی سوال پوچھ پوچھ کر اسے زچ کر دیا کرتی تھی۔

''آپ نے ابن صفی کی' کرنل فریدی اور عمران کی کہانیاں پڑھی ہیں؟''

''ہاں۔''

''کرنل فریدی تو فوراً مجرم پکڑ لیتا ہے۔''

''مگر میں کرنل فریدی تو نہیں ہوں۔''

خسرو کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔ عمارہ اور اژمیر خاموشی سے چائے پیتے ہوئے دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔

''خسرو بھائی! میں نے بہت کہانیاں پڑھی ہیں ابن صفی کی' آپ مجھے سارے کیس کے متعلق بتائیں اور جو کلیو ملا وہ بھی' پھر میں آپ کو بتاتی ہوں کہ آپ کیسے مجرم کو پکڑیں۔'' اژمیر نے کپ نیچے رکھ کر بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

''گڑیا جی! آپ ایسا کریں' چھوڑیں ڈاکٹری اور بن جائیے جاسوسہ۔ آخر آپ نے اتنی کہانیاں پڑھ رکھی ہیں ابن صفی کی' آپ تو منٹوں میں مجرم پکڑ لیں گی۔''

اژمیر نے چٹکی بجائی۔

''تو اور کیا۔'' مازیہ نے روانی میں کہا اور پھر اژمیر پر نظر پڑی جو سر جھکائے ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پایا تو بے اختیار قہقہہ لبوں سے پھوٹ پڑا۔ خسرو اور عمارہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی' جب اسعد نے لاؤنج میں قدم رکھا۔ خسرو پر نظر پڑی تو بے اختیار ہاتھ پھیلائے اس کی طرف بڑھا۔

''کیسے ہو یار! اس بار بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی۔''

''تم ہی آ جاتے' میں تو مصروف تھا۔''

''ادھر بھی یہی حال ہے یار! کل بھی سوچا کہ کام ختم کر کے تمہاری طرف چلتا ہوں' لیکن پھر ایڈیٹر صاحب نے ایک تقریب کی رپورٹنگ کیلئے بھیج دیا۔ خیر کیا مامی بھی آئی ہیں؟''

''ہاں' امی پھپھو کے کمرے میں ہیں۔''

''اچھا تو میں ان سے مل کے آتا ہوں۔''

اسعد جانے کیلئے مڑا تو اس کی نظر مازیہ پر پڑی۔

''ارے یہ ہماری گڑیا کچھ روٹھی روٹھی سی لگ رہی ہے اژمیر! تم نے ہی کچھ کہا ہو گا اسے؟''

اسعد نے اژمیر کی طرف دیکھا۔

''نہیں بھائی! میں نے کچھ نہیں کہا۔ دراصل ہماری گڑیا کا خیال ہے کہ ابن صفی کے ناول پڑھ پڑھ کر یہ اتنی قابل ہو گئی ہیں کہ کسی بھی مجرم کو پکڑ سکتی ہیں تو میں نے بس ایک مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ خوامخواہ میڈیکل میں ایڈمیشن کیلئے اپنی انرجی ویسٹ کرنے کے بجائے یہ جاسوسہ بن جائیں۔''

''اژمی! تم تنگ مت کیا کرو گڑیا کو۔''

اسعد نے پیار سے مازیہ کو دیکھا اور محبت سے اس کا سر تھپتھپایا۔

''ہماری گڑیا ڈاکٹر بنے گی اور تم دیکھنا' بہت قابل ڈاکٹر ہو گی۔''

''ویسے بھائی فن جاسوسی میڈیکل میں بھی تو کام آ سکتی ہے نا' آخر ایک ڈاکٹر کو جاسوسی ہی تو کرنا ہوتی ہے پورے جسم کی' کہ مرض کہاں ہے' کس حصے میں ہے' کون سا ہے۔ ملیریا ہے یا ٹی بی۔''

عفت' آمنہ کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

''کیسے ہو اسعد بیٹا؟''

''ٹھیک ہوں' آپ کی طرف ہی آ رہا تھا۔''

اسعد نے سر جھکایا تو آمنہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔

''جیتے رہو۔''

''تم بیٹھو آمنہ! بچوں سے گپ شپ لگاؤ' میں ذرا کچن دیکھ لوں۔''

عفت نے کہا تو عمارہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ بیٹھیں امی جان! میں کر لوں گی سب۔''

''نہیں' میں بھی چلتی ہوں۔ تھوڑی بہت ہیلپ کر دوں گی۔ پہلے ہی کافی وقت

ہوگیا ہے۔خسرو جلدی جانے کو کہہ رہا تھا۔"

عمارہ نے پلٹ کر خسرو کو دیکھا' دونوں کی نظریں ملیں۔

"دراصل مجھے ایک کام سے جانا تھا۔ایک شخص سے ملنا ہے۔"

خسرو نے وضاحت کی۔اسے عمارہ کی آنکھیں گلہ کرتی محسوس ہوئی تھیں۔

"میں دو بجے کھانا لگادوں گی' آپ بے فکر رہیں امی! اور بیٹھیں مامی کے پاس۔"

اسعد بھی ماں کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

"اتنے دنوں بعد آئے تھے یار' تو رات تک رکتے گپ شپ لگاتے۔"

اسعد اور خسرو کے درمیان بہت انڈرسٹینڈنگ تھی۔دونوں کی عمروں میں صرف سات آٹھ ماہ کا فرق تھا۔دونوں کی بچپن سے ہی دوستی تھی۔

"آجاؤں گا یار! امی تو ادھر ہی ہیں۔انہیں لے کر تو جانا ہی ہے۔فارغ ہو کر ادھر ہی آؤں گا۔"

"لیکن جانا کہاں ہے؟"

اسعد نے بوٹوں کے تسمے کھولتے ہوئے دریافت کیا۔

اور خسرو اسے آہستہ آہستہ چھ سالہ بچے کے وحشیانہ قتل کے متعلق بتانے لگا۔

☆ ☆ ☆

"ضویا! یار یہ کون تھا؟"

عالیہ نے کشن کو گود میں موڑ توڑ کر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کون؟" کارپٹ پر اوندھی لیٹی ٹی وی دیکھتی ضویا نے مڑ کر عالیہ کو دیکھا۔

'ابھی جب میں تمہارے کمرے میں آرہی تھی تو وہ ٹی وی لاؤنج میں سے گزر کر غالباً تمہارے پپا کے کمرے کی طرف جارہا تھا۔پولیس کی وردی میں تھا۔"

"ہاں' وہ خسرو ہوگا' میری پھپھو کا بیٹا۔"

"واؤ!" عالیہ نے اس کے بازو پر چٹکی بھری۔

"بڑی ڈیشنگ پرسنالٹی ہے یار!"

"کیا..... خسرو کی پرسنالٹی؟"

ضویا کا سارا دھیان ٹی وی کی طرف تھا۔

"ہاں یار! بہت شاندار پرسنالٹی ہے تمہارے کزن کی اور پھر یونیفارم میں کیا زبردست لگ رہا تھا۔"

"بدتمیز' اتنی زبردست چیز تمہارے آس پاس موجود ہے اور تم نے دھیان نہیں دیا' جھوٹ۔میں یقین نہیں کرسکتی۔"

"میں بھلا جھوٹ کیوں بولوں گی؟" اس نے حیرت سے عالیہ کو دیکھا۔

"اچھا بتاؤ' یہ ادھر ہی رہتے ہیں تمہارے گھر میں؟"

"ہاں' انیکسی میں رہتے ہیں۔پھپھو اور یہ..... میرا مطلب ہے خسرو۔ادھر تو کم ہی آتے ہیں۔آج شاید پپا سے ملنے آئے ہوں۔"

"دھیان سے دیکھنا ضویا! شاہ رخ کی کیا بات ہے۔"

شاہ رخ' ضویا کا پسندیدہ تھا۔وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

پروگرام ختم ہو چکا تھا اور اب ٹی وی پر اشتہارات آرہے تھے' اس نے چینل تبدیل کردیا۔

عالیہ کے ڈیڈی کا ابوظہبی اور دوبئی میں بہت بڑا بزنس تھا اور وہ چند ماہ پہلے ہی پاکستان آئی تھی اور اپنی نانی کے پاس رہ رہی تھی۔یہاں اس نے تھرڈ ائیر میں کینٹر ڈ کالج میں ایڈمیشن لیا تھا اور ان چند ماہ میں دونوں میں گہری دوستی ہوگئی تھی۔عالیہ پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔اس کے ڈیڈی نے اسے گاڑی لے دی تھی۔جہاں دل چاہتا' گھومتی پھرتی تھی' گھر میں اس کا دل نہیں لگتا تھا سو وہ اکثر شامیں ضویا کے ساتھ ہی گزارتی تھی۔نانی نے کبھی اس کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔وہ خود ایک سوشل ورکر تھیں لہٰذا گھر پر کم ہی ہوتیں۔اتنے بڑے گھر میں صرف ملازم تھے۔عالیہ کے ماموں وغیرہ بھی ملک سے باہر ہی رہتے تھے۔

"اچھا سچ سچ بتا' کیا واقعی تم نے کبھی دھیان سے نہیں دیکھا خسرو کو۔"

"ہاں کبھی غور نہیں کیا۔" ضویا نے لاپروائی سے دائیں ہاتھ سے کندھوں اور پیشانی پر آجانے والے بالوں کو پیچھے کیا۔

عالیہ نے ٹائٹس اور شارٹ شرٹ پہنی ہوئی تھی گلے میں چھوٹا سا اسکارف تھا۔ وہ بے تحاشا گوری رنگت والی قدرے فربہی مائل لڑکی تھی۔ بالوں کا اسٹائل خوبصورت تھا۔ اس کے گول چہرے پر یہ اسٹائل بہت اچھا لگتا تھا۔

''بات چیت تو ہوتی ہوگی خسرو سے؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''کوئی خاص نہیں۔ دراصل مما پسند نہیں کرتیں کہ ہم..... میرا مطلب ہے میں اور ابو خسرو سے زیادہ گھلیں ملیں۔'' ضویا نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

گو اس میں تھوڑا سا غرور تھا اور وہ اپنے آپ میں مگن رہتی تھی لیکن ایک خوبی اس میں تھی کہ وہ صاف گو تھی۔

''البتہ زین کی بہت دوستی ہے خسرو اور پھپھو سے۔''

''سید ابرار شاہ کے تین بچے تھے سب سے بڑی ضویا شاہ تھی پھر رابیل اور پھر سب سے چھوٹا زین جو جماعت دہم کا طالب علم تھا لیکن بلا کا ذہین تھا۔ رابیل فرسٹ ائیر میں تھی جبکہ ضویا تھرڈ ائیر میں۔ دو ماہ بعد اس کے امتحانات ہونے والے تھے رابیل خاصی محنتی تھی جبکہ ضویا کو پڑھائی سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ لیکن اپنی ذہانت کے بل بوتے پر اچھے نمبر لے لیتی تھی۔ گھر میں اس کا زیادہ تر وقت کیبل دیکھتے ہوئے گزرتا تھا۔ انگلش موویز دیکھنے کا اسے کریز تھا۔

''یار! کبھی مجھے ملواؤ اپنے کزن سے۔'' عالیہ نے بائیں آنکھ کا کونا دبایا۔

''اچھا کبھی تمہاری موجودگی میں یہاں آئے تو تمہارا تعارف کروادوں گی۔'' اسکے انداز میں لاپروائی تھی۔

''سچی ضویا! تم بہت بھولی ہو اور معصوم۔ اتنا اسمارٹ میرا کزن ہوتا تو اب تک اسے اپنی محبت میں مبتلا کر چکی ہوتی۔''

''تو اس کا فائدہ؟'' ضویا نے سوالیہ نظروں سے عالیہ کو دیکھا۔

''یار تم بھی بدھو ہو۔ محبت میں بھلا فائدہ نقصان کہاں سے آ گیا۔''

عالیہ کی بات پر وہ قدرے حیران ہوئی اور لمحہ بھر کو اس نے خسرو کے متعلق سوچا۔

عالیہ کہہ تو صحیح رہی تھی۔ خسرو واقعی کسی ہیرو سے کم نہ تھا۔ سنجیدہ اور سوبر سا۔ ابھی

پچھلے دنوں ٹی وی پر اس نے ایک ڈرامہ دیکھا تھا جس کا ہیرو پولیس مین تھا۔

''ہیلو ٹو!'' رابیل نے کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔

''ہائے کیوٹ گرل!'' عالیہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''کیا ہو رہا تھا؟''

''کچھ خاص نہیں۔'' رابیل اندر چلی آئی۔

''فزکس کے نوٹس بنا رہی تھی۔''

''رابی بہت پڑھاکو ہے۔ دراصل اسے ڈاکٹر بننے کا کریز ہے۔ حالانکہ مما نے منع بھی کیا ہے اسے اتنی محنت کرنے سے۔ کیا ضرورت ہے ڈاکٹر بننے کی۔ پہلے ہی ملک میں بے روزگار ڈاکٹروں کی کافی تعداد دھکے کھا رہی ہے۔''

''میں پیسے کمانے کیلئے تو ڈاکٹر نہیں بن رہی۔''

رابیل بھی وہیں کارپٹ پر پڑے فلور کشن پر بیٹھ گئی۔

''تو کیا خدمت خلق کرنے کیلئے ڈاکٹر بنو گی؟'' عالیہ ہنسی۔

''ویسے ہر ڈاکٹر یہی کہتا ہے کہ ڈاکٹر بن کر ملک و قوم کی خدمت کرے گا' لیکن ڈاکٹر بننے کے بعد ملک و قوم تو نہ جانے کس کونے کھدرے میں گم ہو جاتے ہیں اور وہ خدمت تو کرتا ہے لیکن صرف اپنی۔ غریبوں کو لوٹ کر' خوب تگڑی تگڑی فیسیں وصول کر کے۔''

''لیکن میں ایسا نہیں کروں گی؟'' عالیہ نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''پپا کہہ رہے تھے' اگر میں ڈاکٹر بن گئی تو وہ مجھے کلینک بنا دیں گے۔ اپنے کلینک میں ایسے مریضوں کا جو غربت کی وجہ سے اپنا علاج نہیں کروا سکتے' میں مفت علاج کروں گی۔''

''جیتی رہو۔'' عالیہ کا انداز بزرگانہ تھا' ضویا ہنس دی تو عالیہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''اور اب خبریں سنیں۔'' غالباً کوئی پاکستانی چینل تھا۔

''مجھے خبروں سے کوئی دلچسپی نہیں۔''

اس نے مختلف چینلز چیک کیے۔

''یار! بور ہو گئے ہیں اب یہ سارے چینلز دیکھ دیکھ کے' اب تو کچھ اور ہونا چاہئے۔ کچھ نئی ڈسکوری' کچھ مختلف سا۔''

''عالی! تمہیں چین نہیں ہے؟'' ضویا کی سنہری آنکھوں میں حیرت سی تھی۔

''کیا نیا دریافت کرنا ہے؟''

''کچھ بھی' قسم سے ضوئی! میں بور ہوگئی ہوں ٹی وی اور موویز دیکھ دیکھ کر۔ کل تو میرا جی چاہ رہا تھا کہ اٹھا کر ٹی وی پھینک دوں۔ اتنا بور گزرا میرا سیٹرڈے اور سنڈے لیکن آج کا دن بور نہیں گزارنا۔ چلو تیار ہو جاؤ۔ لمبی ڈرائیو کریں گے' رابیل! تم بھی چلو بہت مزا آئے گا۔''

''نہیں بھئی' مجھے تو پڑھنا ہے۔ کل ٹیسٹ ہے میرا۔'' رابیل نے انکار کر دیا۔

''تم تو چلو گی نا ضوئی!''

''مما سے پوچھ لوں۔''

ضویا کھڑی ہوگئی۔ خوبصورت متناسب جسم' دلکش نقوش' بے حد پرکشش آنکھیں جن میں عجب سنہرا پن سا تھا۔ اس پر پلکوں کی لمبی جھالروں نے ان آنکھوں کو اور بھی دلکش بنا دیا تھا۔

''رابی! یہ جو تمہاری بہن ہے نا۔ سچی بہت خوب صورت ہے۔ لیکن اپنے حسن اور خوبصورتی سے بے نیاز و بے خبر ہے۔ سچی میں اگر لڑکا ہوتی تو اس پر عاشق ہو جاتی۔''

''ضویا کے جانے کے بعد عالیہ نے تبصرہ کیا۔

''مجھے تو لگتا ہے جیسے آپ اب بھی آپی پر عاشق ہیں۔'' رابیل کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''ہاں لیکن اب ذرا عشق کی نوعیت مختلف ہے۔ اب تو.....'' بات نامکمل چھوڑ کر وہ ہنس دی۔

''عالی آپی! آپ کو اپنے مما پپا یاد نہیں آتے یہاں کیسے اکیلے نانو کے پاس رہتی

ہیں؟'' رابیل نے پوچھا۔

''مجبوری ہے گڑیا!'' عالیہ نے اداس ہونے کی کوشش کی۔

''یہ جو میرے مام پاپ ہیں نا۔ اٹھا کر مجھے یہاں بھیج دیا کہ اب باقی تعلیم پاکستان میں نانو کے پاس رہ کر حاصل کرو۔ ان کا بس چلتا نا تو وہ آج سے چھ سال پہلے ہی مجھے بھیج دیتے وہ تو میں نے واویلا مچایا اور میرے دونوں بھائیوں نے میرا ساتھ دیا۔ ویسے آپس کی بات ہے میں نے چھوٹو کے کان میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر مما پپا نے مجھے نانو کے پاس بھیجا تو میں سلیپنگ پلز کھالوں گی تو بس پھر چھوٹو نے اتنا رولا ڈالا تھا کہ مام مجبور ہو گئیں' لیکن اب بقول ان کے میں خاصی سمجھدار ہو چکی ہوں لہٰذا نانو کے پاس رہ کر تعلیم مکمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

''آپ بھی عالی آپی!'' رابیل ہنسنے لگی۔

''بچپن میں تو مام یا چھوٹو' سب بلیک میل ہو جاتے تھے لیکن یار اب سب چالاک ہو گئے ہیں۔'' وہ مزے سے چیونگم چباتے ہوئے بتا رہی تھی۔

''فہد آپ سے چھوٹے ہیں یا بڑے؟'' رابیل نے پوچھا۔

''چھوٹا ہے دو سال' لیکن پورا افلاطون ہے۔ اب پپا اسے امریکہ بھیج رہے ہیں پڑھنے کیلئے۔ جانے سے پہلے مجھ سے اور نانو سے ملنے آئے گا تمہیں ملواؤں گی۔ سچی بہت ہینڈسم ہے میرا بھائی۔''

اس نے بائیں آنکھ کا کونا دبایا تو رابیل جھینپ گئی۔

عالیہ ایسی ہی تھی بولڈ اور بے تکلف سی۔ تب ہی ضویا اندر آئی۔

''کیا ہوا' مما نے اجازت دے دی؟''

''ہاں' تم رابیل سے گپ شپ لگاؤ میں چینج کر لوں۔''

''رہنے دو یار! ٹھیک تو لگ رہی ہو۔'' عالیہ کھڑی ہوگئی۔

بلیو جینز پر ریڈ کشمیری کڑھائی والی شارٹ شرٹ میں وہ بہت اسمارٹ لگ رہی تھی۔

''لیکن میں جینز تو صرف گھر پر ہی پہنتی ہوں' باہر نہیں جاتی۔''

''کیوں؟'' عالیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

''باہر پہن کر جانے میں کیا حرج ہے ہے کم ان یار۔''

''اچھا برش تو کرنے دو۔''

''ضویا نے ہاتھ چھڑا کر بالوں میں برش کیا اور بیڈ پر سے بلیک اسکارف اٹھا کر گلے میں لٹکایا اور عالیہ کے ساتھ باہر نکلی تو عالیہ نے اس کا ہاتھ دبایا۔

''تمہارا کزن!''

خسرو ابرار شاہ کے بیڈروم سے نکل کر ٹی وی لاؤنج کی طرف آ رہا تھا۔ غیر ارادی طور پر ضویا نے عالیہ کے پیچھے ہونے کی کوشش کی۔

''السلام علیکم خسرو بھائی!''

رابیل بھی اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکلی تھی۔

''وعلیکم السلام!''

خسرو نے سر اٹھایا تو رابیل پر سے ہوتی ہوئی اس کی نگاہ ضویا اور عالیہ پر پڑی۔ عالیہ بڑی بے باکی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں پھر وہ رابیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''کیسی ہو رابیل چندا؟''

''فائن بھائی! آپ کیا تھانے سے سیدھے ادھر آ رہے ہیں؟''

''ہاں' کل بھی ماموں جان سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی گھر آیا تھا سوچا پہلے ماموں جان سے ملتا چلوں ابھی پھر واپس جانا ہے تو واپسی جانے کب ہو۔''

''آپ بہت دیر سے آتے ہیں روز۔''

''ہمیشہ نہیں۔'' وہ مسکرایا۔

''آپ مازیہ کی طرف کب جائیں گے مجھے بھی ساتھ لے چلیے گا۔''

''میں اور امی جان کل گئے تھے ادھر مجھے کیا خبر تھی کہ تمہیں جانا ہو گا۔ بہر حال دو تین روز تک چکر لگاؤں گا ادھر۔''

اس نے کن انکھیوں سے ضویا کی طرف دیکھا اس سادگی میں بھی وہ بلا کی دلکش لگ رہی تھی اور عالیہ کے ساتھ کھڑی جیسے بہت دھیان سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''آپ کیسی ہیں؟'' اس نے ضویا کو اپنی طرف دیکھتے پا کر پوچھا اور ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی۔

''فائن!'' ضویا نے بہت غور سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے سوچا۔

''ویسے عالیہ کہتی سچ ہے۔ خسرو کی پرسنالٹی ہے بہت شاندار۔''

''او کے رابی! پھر امی تمہیں بتا دیں گی جب جانا ہوا۔''

اس نے جانے کیلئے قدم اٹھایا تو عالیہ نے ہولے سے ضویا کا ہاتھ پھر دبایا۔

''اوہ ہاں.....'' ضویا چونکی۔

''یہ میری فرینڈ ہے عالیہ۔''

''اچھا!'' خسرو نے ایک اچٹتی ہوئی نظر اس پر ڈالی اور زین کی طرف متوجہ ہو گیا جو اپنی کٹ اٹھائے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔

''ارے خسرو بھائی آپ۔'' وہ ایک دم اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔

''بڑے دنوں بعد قدم رنجہ فرمایا۔''

خسرو کو ہنسی آ گئی۔ ''بڑی بلند پایہ اردو بولنے لگے ہو۔''

''بس جی ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' زین کی سیاہ آنکھوں میں شرارت تھی۔

''آج کل جب لوگ اردو کی مٹی پلید کر رہے ہیں تو ہم نے سوچا ذرا اردو کو بلندی بخشیں۔''

''اچھا' کدھر کے ارادے ہیں؟''

''کرکٹ کھیلنے جا رہا ہوں بھائی! آج زبردست میچ ہے۔''

''تمہارے سر سے یہ کرکٹ کا خناس نہیں نکلے گا زین؟''

بیگم ابرار اچانک ہی کچن سے نکلی تھیں۔

انہیں زین کے کرکٹ کھیلنے سے سخت چڑ تھی' لیکن زین ان کے احتجاج کی کم ہی پرواہ کرتا تھا۔ خسرو نے انہیں سلام کر کے کھسک جانے میں ہی عافیت جانی۔ انہوں نے سر

کے خفیف اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر زین کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''زین! میں نے تمہیں منع کیا تھا نا کہ یہ فضول خرافات ہیں۔''

''خسرو بھائی! نائٹ میچ دیکھنے آیئے گا۔ ہمارے اسکول کے بڑے گراؤنڈ میں۔''

اس نے ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے اونچی آواز میں خسرو سے کہا۔ خسرو نے مڑ کر اسے دیکھا' مسکرایا اور لاؤنج کا پچھلے لان کی طرف والا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

''یہ تمہارا کزن کچھ مغرور سا ہے۔'' عالیہ نے ضویا کے کان میں سرگوشی کی۔

''نہیں..... میرے خیال میں مغرور تو نہیں ہے۔ رابی تو اس کی بڑی تعریف کرتی ہے۔''

ضویا نے تردید کی۔ وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی لاؤنج سے باہر نکل گئیں مسز ابرار' زین سے الجھ رہی تھیں۔ دراصل انہیں زین پر نہیں خسرو پر غصہ تھا۔ یقیناً خسرو ماموں سے کچھ مانگنے آیا ہوگا۔ تب ہی تو چپکے سے آیا اور سیدھا ان کے بیڈروم میں چلا گیا پتا نہیں کیوں انہیں ہمیشہ یہ گمان رہتا تھا کہ ابرار شاہ ضرور ان سے چھپ کر بہن اور بھانجے کو نوازتے رہتے ہیں۔

عالیہ مسلسل خسرو پر تبصرہ کرتی ہوئی پورچ میں آ گئی تھی۔

''اب خسرو کے علاوہ کسی اور ٹاپک پر بات کرو۔'' ضویا چڑ گئی۔

''اوکے۔'' عالیہ مسکرائی اور دوسری طرف سے آ کر ڈرائینگ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

''عبداللہ کو دیکھا ہے تم نے؟''

عبدالرحمٰن کو حاجی محمد سعید کی بیٹھک کے دروازے پر کھڑے دیکھ کر خدیجہ بیگم تیر کی طرح عبدالرحمٰن کی طرف بڑھیں۔

''کیوں کیا ہوا کہاں ہیں بابا؟''

عبدالرحمٰن گلی میں آ گیا ''پتا نہیں پتر! سارا گاؤں چھان مارا۔ رات کے کس پہر

جانے کہاں نکل گیا۔ میں صبح اٹھی تو گھر کا دروازہ کھلا تھا۔''

''اچھا اماں! آپ گھر جائیں میں دیکھتا ہوں۔''

عبدالرحمٰن نے حاجی محمد سعید کی بیٹھک میں پڑا بیگ اٹھا کر خدیجہ بیگم کو دیا۔

''یہ لے کر جائیں گھر' میں آتا ہوں بابا کو لے کر۔''

''تو ابھی تھکا ہوا آیا ہے شہر سے۔''

''پیدل تو نہیں آیا اماں! گاڑی میں آیا ہوں۔ آپ چلو۔'' خدیجہ بیگم نے بیگ اٹھا لیا۔

''پتا نہیں کیا ہو گیا ہے عبداللہ کو۔ ساری ساری رات رونے کی آوازیں آتی ہیں اس کے کمرے سے پتر! تو آیا ہے نا تو شہر لے جا کر کسی ڈاکٹر کو دکھا دے۔''

عبدالرحمٰن سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گیا اور گاؤں کی اونچی نیچی گلیوں میں سے گزرتا ہوا وہ قبرستان کی طرف بڑھنے لگا۔ راستے میں ملنے والے لوگوں سے وہ اپنے بابا کے بارے میں پوچھتا بھی جاتا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ قبرستان کے پچھواڑے چھوٹی سی مسجد میں ہوں گے۔ یہ مسجد تقریباً ویران ہی رہتی تھی۔ ایک چھوٹا سا کمرہ' چھوٹا سا صحن' چند سیڑھیوں کی بلندی پر مسجد تھی اوپر ایک مینار مسجد کی علامت کے طور پر۔ عبدالرحمٰن کا خیال تھا کہ جب اس گاؤں کی بنیاد رکھی گئی ہوگی تو شاید یہ مسجد عارضی طور پر بنائی گئی ہو۔ بعد میں گاؤں کے اندر کشادہ اور وسیع دو مساجد بن گئی تھیں تو اس عرصہ تک ایک مولوی صاحب یہاں رہتے تھے اور بچوں کو پڑھاتے تھے لیکن اب کافی عرصہ سے یہ ویران پڑی تھی۔

اس نے دو ایک بار بابا عبداللہ کو یہاں مسجد کے صحن میں دیکھا تھا سو وہ اندازے سے ادھر آیا تھا اور اس کا اندازہ صحیح تھا۔ بابا عبداللہ آنکھیں موندے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

''بابا۔''

عبدالرحمٰن نے قریب جا کر پکارا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ لال سرخ آنکھیں شدت گریہ سے سوجی ہوئی تھیں۔

''اماں پریشان ہو رہی ہیں۔ صبح سے ڈھونڈ رہی ہیں آپ کو۔''

عبدالرحمٰن نے ان کا ہاتھ پکڑا۔

''چلیں گھر۔''

''یہ تیری ماں.....''

''انہوں نے اسے گھورا اور کھڑے ہو گئے۔

''بابا! اماں کہہ رہی تھیں آپ کو شہر لے جا کر ڈاکٹر کو دکھا دوں۔ چلیں گے آپ میرے ساتھ شہر؟'' ان کا ہاتھ پکڑے ان کے ساتھ چلتے ہوئے عبدالرحمٰن نے پوچھا تو بابا عبداللہ نے غصے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''تو۔'' انہوں نے شہادت کی انگلی اس کی طرف اٹھائی اور رک کر خونیں نظروں سے اسے دیکھا اور پھر انگلی نیچے کر لی۔

''اپنی ماں کو لے کر جا شہر۔''

''بابا! ماں تو ٹھیک ہیں۔ وہ کہہ رہی تھیں آپ رات بھر روتے ہیں بیمار ہیں۔''

''میں' میں بیمار نہیں ہوں۔ بیمار تم ہو۔ وہ ہے اور سب ہیں بیمار۔ گندے' غلیظ میں تو ان کی بیماری پر روتا ہوں سنا تو نے' سنا.....!''

انہوں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

''میں روتا ہوں' روتا ہوں' زور زور سے روتا ہوں کہ یہ بیمار مریض جو اچھے ہو جائیں تو' تیری ماں۔''

''ٹھیک ہے بابا! آپ بیمار نہیں ہو' لیکن شہر چلیں گے نا۔'' عبدالرحمٰن نے پھر ان کا ہاتھ پکڑا۔

''نہیں' نہیں' ہزار بار نہیں۔'' انہوں نے ہاتھ چھڑایا اور بھاگنے لگے۔

''نہیں' نہیں نہیں جاؤں گا۔''

اونچی نیچی کہیں تنگ' کہیں کشادہ گلیوں میں اور نہیں نہیں کی تکرار کرتے ہوئے وہ گھر کی طرف بھاگے جا رہے تھے اور عبدالرحمٰن انہیں آوازیں دیتا ان کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

خسرو نے کروٹ بدلتے ہوئے تکیہ سر کے نیچے سے نکال کر دائیں طرف رکھا اور کچھ دیر بعد پھر اٹھا کر نیچے رکھا۔ لیکن کہیں کسی پل چین نہیں تھا اور نیند تھی کہ آنکھوں سے کوسوں دور تھی حالانکہ وہ جتنا تھکا ہوا تھا اسے فوراً نیند آ جانی چاہئے تھی لیکن دل و دماغ جیسے سارے واقعات کو بار بار دہرا رہے تھے۔ سب کچھ کس قدر اذیت ناک اور تکلیف دہ تھا۔ بالآخر وہ اسلم کو گرفتار کر لینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تین دن سے وہ مسلسل اسے تلاش کر رہا تھا۔ اور اس نے بڑے گاؤں کے کتنے ہی چکر لگا ڈالے تھے اور محمد حنیف وہاں مسلسل ڈیوٹی دیتا رہا تھا۔

اور یہ محض اتفاق تھا کہ جب وہ اپنے گھر کا تالا کھول رہا تھا تو حنیف کے ساتھ خود خسرو بھی سامنے دودھ والے کی دوکان پر بیٹھے تھے۔ خسرو نے یہ جاننے کے بعد کہ وہ ہی اسلم ہے' حنیف کو اشارہ کیا۔ حنیف نے پیچھے سے جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ گھبرا کر مڑا تھا اور تالا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کے چہرے پر اچانک سراسیمگی سی چھا گئی تھی۔

''کون ہو تم؟''

''میں محمد حنیف ہوں۔ تم اسلم ہو نا؟''

''ہاں' لیکن تم کون ہو؟''

''چل جائے گا پتا' ذرا میرے ساتھ تھانے تو چلو پتر!''

محمد حنیف نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تو اسلم کی آنکھوں میں ایک لمحہ کو خوف نظر آیا' اور دوسرے ہی لمحے اس نے دوڑ لگائی لیکن محمد حنیف نے اسے دوڑ کر دبوچ لیا اور گردن سے پکڑتے ہوئے جیپ کی طرف لے چلا تو خسرو بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''اپنے انسپکٹر صاحب جی! اسلم نے کیا کیا ہے۔ یہ تو بڑا شریف بچہ ہے' سیدھا سادا معصوم سا۔''

دودھ والے نے پوچھا تو خسرو نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''چوہدری جی! کبھی کبھی یہ سیدھے سادے معصوم لوگ ہی بڑے مجرم بن جاتے ہیں۔''

''پر جی اسلم تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ بہت بیبا بچہ ہے جی۔''

''بھئی اگر اسلم مجرم نہیں ہے تو ابھی واپس آ جائے گا۔ پوچھ گچھ کر کے بھیج دیں گے''۔ خسرو بھی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

''اسلم! تم نکے گاؤں جاتے رہتے ہو؟'' تھانے پہنچ کر خسرو نے پوچھا۔

''نہ جی نہ میں تو کبھی نہیں گیا ادھر۔ میرا تو کوئی بھی نہیں ہے ادھر۔''

''ملک شریف کو جانتے ہو؟''

''نہیں جی بالکل نہیں۔'' اس نے تیزی سے سر ہلایا۔ خسرو کی نظریں اسی پر تھیں۔ وہ واقعی ملک شریف کو نہیں جانتا تھا۔

''کاکے کو تو جانتے ہو نا!''

''کون کاکا؟'' اس نے تھوک نگلا۔ خسرو نے دیکھا اس کا رنگ بدلا تھا۔

''اچھا بیٹھ جاؤ۔''

''بچے کیسے لگتے ہیں تمہیں؟''

''اچھے..... بہت اچھے لگتے ہیں۔''

''کاکا بھی بہت پیارا بچہ تھا۔ نکے گاؤں میں رہتا تھا نام تو اس کا خرم سلطان تھا' لیکن سب کاکا کہتے تھے اسے۔ بہت پیارا تھا' ہے نا؟''

''جی..... جی بہت پیارا۔'' وہ ایک دم گڑبڑا کر بولا۔

''تو پھر تم نے اسے کیوں مار ڈالا؟'' خسرو تیزی سے بولا۔

''نہ..... نہ میں' میں نے نہیں مارا۔''

وہ چیخنے لگا تو خسرو نے محمد حنیف کو اشارہ کیا کہ وہ اسے لے جا کر اصل بات اگلوائے اور اسلم نے تو تھوڑی دیر میں ہی سب کچھ اگل دیا۔

جو کہانی اس نے سنائی تھی وہ بہت دردناک تھی۔ خسرو کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کی عمر کوئی اٹھائیس انتیس سال ہوگئی تھی۔ وہ گریجویٹ تھا اور پچھلے نو سالوں سے وہ کسی اچھی نوکری کی تلاش میں تھا۔ عارضی نوکریاں ملتی رہیں۔ لیکن کوئی پائیدار اور اچھی

جاب نہیں ملی تھی۔ گریجویشن کے بعد اس نے ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ بھی سیکھ لی تھی' لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ بیوہ ماں نے اسے محنت مزدوری کر کے پڑھایا تھا اور وہ ماں کو کوئی سکھ نہیں دے پا رہا تھا۔

ماں بے چاری اب بھی محنت کر رہی تھی۔ اخبار میں دیکھتے ہوئے کئی بار اس کی نظر ایسے اشتہارات پر بھی پڑی کہ شرطیہ ہر کام ہو جائے گا۔ نوکری، شادی، محبوب کا حصول، ہر جائز کام کے پورا ہونے کی شرط اور گارنٹی۔

یہ اشتہارات باقاعدگی کے ساتھ اخبارات میں چھپتے رہتے تھے۔ وہ اپنے ایک دوست کی دکان پر بیٹھ کر اکثر اخبارات میں سے ''ضرورت ہے'' کے اشتہارات دیکھتا تو ایسے اشتہارات پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر رہ جاتا تھا۔

دوست کی کتابوں کی دکان تھی۔ وہ وہاں اس کی دکان پر محض اخبارات پڑھنے کی خاطر ہی باقاعدگی سے جاتا تھا۔ ان دنوں وہ بے کار تھا۔ ایک دکان پہ دو تین ماہ سیلز مین کی نوکری کرنے کے بعد وہ فارغ تھا۔ چھٹی پر جانے والا سیلز مین واپس آ گیا تھا اور اب وہ پھر سے ضرورت ہے کے کالم دیکھنے لگا تھا۔ اس روز ماں کی طبیعت خراب تھی۔ وہ گھر سے بہت دلگرفتہ سا ہو کر دکان پر آیا تھا اور اخبار اٹھاتے ہی اس کی نگاہ جس اشتہار پر پڑی اس نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔

جوگی سائیں۔

مشہور و معروف عامل' پندرہ سال آسام کے جنگلوں میں رہ کر چلے کاٹے ہیں۔

آپ کے ہر دکھ کا علاج جوگی سائیں کے پاس۔

آپ بے روزگاری کے ہاتھوں تنگ ہیں' شادی میں رکاوٹ ہے' کاروبار میں نقصان ہو رہا ہے تو جوگی سائیں کے پاس آیئے۔ شرطیہ کامیابی۔

جو ایڈریس لکھا وہ بھی اس کے گاؤں کے قریب تھا۔

ماں بیمار تھی' نوکری مل نہیں رہی تھی' وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر جوگی سائیں کے پاس پہنچ گیا۔ جوگی سائیں نے اسے کچھ تعویذ دیے اور کچھ چھوٹے چھوٹے عمل کرنے کو بتائے لیکن جب کوئی فائدہ نہ ہوا تو جوگی سائیں نے کہا کہ اس پر بہت سخت عمل کیا گیا ہے

اوراس کے سارے راستے بند ہیں۔ کسی دشمن نے سخت جادو کر رکھا ہے کالا جادو۔

''لیکن میرا تو کوئی دشمن نہیں ہے۔'' اسلم کو جوگی سائیں پر حیرت ہوئی۔

''مورکھ! تجھے کیا پتا' تیرے کتنے دشمن ہیں۔''

''تو پھر اس کا توڑ کیا ہوگا بابا جی؟''

''دیکھتے ہیں۔ ابھی تو جا' یہ تعویز لے جا۔ ہفتے بعد آنا۔ بہت سخت عمل کرنا پڑے گا تو پتا چلے گا۔ اس دوران اسلم کی والدہ وفات پا گئیں تو وہ ہفتے تک نہ جا سکا۔ جب دوبارہ گیا تو جوگی سائیں نے کہا۔

''تو نے دیر کر دی۔ اتنی مشکل سے تو اسے قابو میں کیا تھا۔ اس بلا کو جسے تیرے پیچھے لگا دیا گیا تھا۔''

''تو اب کچھ نہیں ہو سکتا سائیں جی؟'' وہ از حد مایوس ہو گیا تھا۔

''ایک حل ہے لیکن تجھ سے نہ ہو سکے گا۔''

''کیا؟ بتائیں تو جوگی سائیں۔''

اس نے اصرار کیا تو جوگی سائیں نے اس سے کہا کہ ایک چھ سالہ بچے کا خون اور مختلف خوشبویات وغیرہ خریدنے کیلئے تین ہزار روپے۔''

''تین ہزار روپے کا انتظام تو کسی نہ کسی طرح کر ہی لوں گا بابا سائیں! لیکن یہ بچے کا خون.....''

''یہ بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا۔'' بابا نے حتمی بات کر کے اسے اٹھا دیا لیکن جوگی بابا کی باتیں جیسے اس کے ذہن میں بیٹھ گئی تھیں۔

کئی دن تک وہ یونہی بے مقصد ادھر ادھر سرگرداں رہا۔ تب تنگ آ کر وہ ایک بار پھر جوگی سائیں سے ملنے کیلئے گھر سے نکلا تو نکے گاؤں میں اسے کا کا نظر آ گیا اس سے پہلے بھی جوگی سائیں کی طرف جاتے ہوئے نکے گاؤں میں کا کا اسے کنچے کھیلتا نظر آیا تھا۔ بچے اسے اچھے لگتے تھے اور کبھی کبھار وہ رک کر کا کا سے باتیں کر لیتا تھا اور ایک بار اس نے کا کے سے کہا تھا کہ اس کے پاس بہت سارے کنچے ہیں اور وہ کسی روز اسے لا کر دے گا اور اس روز وہ اسے اکیلا جاتا مل گیا۔

''میرے لیے کنچے لائے ہو؟''

''اوہ..... ہاں' آؤ تمہیں دوں۔''

اور شیطان نے اسے سب کچھ بھلا دیا۔ یوں نوکری تلاشتے تلاشتے اب وہ جیل پہنچ گیا تھا۔

خسرو نے اس کا بیان لینے کے فوراً بعد جوگی سائیں کے ٹھکانے پر چھاپہ مارا تھا لیکن شاید تھانے کے اندر بھی جوگی سائیں کے کچھ مخبر تھے۔ کہ جب خسرو وہاں پہنچا تو وہ جگہ خالی ہو چکی تھی۔ سامان کی تلاشی میں جانوروں کی ہڈیوں اور کھوپڑیوں کے علاوہ ایک مورتی بھی ملی تھی۔

''یہ شخص ضرور ہندو ہوگا۔'' محمد حنیف کا خیال تھا۔

خسرو کا دل مالش کرنے لگا تھا۔ وہ فوراً ہی باہر نکل آیا اور پھر اس نے کئی جگہوں پر چھاپے مارے' لیکن جوگی سائیں کو جانے زمین نگل گئی تھی یا آسمان کھا گیا۔ خسرو اس کی تلاش میں پچھلے تین دن سے خوار ہو رہا تھا اور رہ رہ کر معصوم بچے کی شکل آنکھوں میں پھر جاتی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے بھی قاتل کے بیان کی تصدیق ہو گئی تھی۔ بچے کا گلا کاٹ کر خون نکال لیا گیا تھا۔

''یہ ایک اسلامی ملک کا حال ہے۔''

اس نے دلگرفتگی سے سوچا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

نیند تو جیسے روٹھ ہی گئی تھی۔ اس نے بیڈ پر سائڈ لیمپ جلایا اور وہیں سائیڈ ٹیبل پر پڑا اخبار اٹھا لیا۔ یہ کسی اخبار کا سنڈے ایڈیشن تھا۔

اس نے ہاتھ میں اٹھائے اخبار کو کھولا تا کہ ذہن بٹ سکے۔ بعض اوقات سنڈے ایڈیشن میں بہت اچھے تبصرے اور مضامین پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔ لیکن جوں ہی اس نے صفحہ کھولا نظر اشتہار پر پڑی۔

کالے جادو کا توڑ' کالے علم کے ماہر مرزا اقتدار بیگ۔

جنہوں نے بنگال کے جنگلات میں رہ کر جادو سیکھا۔ سعودی شہزادوں نے سرٹیفکیٹ عطا کیے۔ یقین نہ آئے تو ایک لاکھ کی شرط۔

''او مائی گاڈ!

یہ ایک اسلامی ملک کا حال ہے؟ اور یہ ہم مسلمان ہیں؟ ہمارا ایمان اور اعتقاد اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ ہم اللہ سے مانگنے کے بجائے عاملوں کے پاس بھاگتے ہیں۔

اس کے دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ وہ بچہ جس کے لبوں نے ابھی ہنسنا سیکھا تھا۔ جس کی آنکھیں ابھی حیرانی سے دنیا کو تکتی تھیں' جس کو اپنے والدین کے خوابوں کی تعبیر بننا تھا وہ بلاقصور مارا گیا تھا اور وہ جس کے سامنے دنیا پھیلی تھی اور اس دنیا کی رنگینیوں اور خوشیوں میں اس کو اپنا حصہ لینا تھا اسے شاید پھانسی ہو جائے گی یا عمر قید۔

اخبار ایک طرف رکھ کر خسرو سوچنے لگا تھا اور اگر اسلم کو خبر ہوتی کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے تو شاید وہ ایسا نہ کرتا۔ اگر وہ جانتا ہوتا کہ اسلام نے اس کی ممانعت کی ہے تو شاید وہ جوگی سائیں کی بات کا یقین نہ کرتا اور اگر اس کا یقین پختہ ہوتا' عقیدہ مضبوط ہوتا تو کیا اللہ اس کی فریاد نہ سنتا؟ اور اس کے اندر سے کہیں سے آواز آئی۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں کی فریادیں سنتا ہے اور وہ ماں سے زیادہ مہربان اور شفیق ہے۔ لیکن لوگوں کو اس کا شعور نہیں ہے۔

اور یہ شعور کون دے سکتا ہے۔ اہل قلم۔

''اسعد۔'' اس کے ذہن میں فوراً ہی اسعد کا خیال آیا تھا۔

اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ لمحوں میں اس نے سب کچھ سوچ لیا تھا۔ اس نے تصور میں دیکھا کہ دیواریں اور اخبارات ان اشتہارات سے پاک ہیں اس حقیقت سے بے خبر کہ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ اس نے تصور کر لیا تھا۔

اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی اور لائٹ آف کر کے وہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

''خسرو بھائی آپ!'' عمارہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں' میں کیا.....؟'' خسرو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری تب ہی کاغذات اور اخبارات کا انبار اٹھائے اسعد اپنے کمرے سے نکلا۔ عمارہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''لیجیے' اسعد بھائی بالآخر مع اپنے سامان کے کمرے سے برآمد ہو گئے۔''

''سوری یار! کچھ دیر ہو گئی۔ تمہارے مطلوبہ اخبارات تلاش کرتے ہوئے لیکن بالآخر مل ہی گئے۔''

اسعد نے اخبارات کا پلندہ خسرو کے سامنے پڑی سینٹر ٹیبل پر پھینکا اور خود بھی اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

''پتا نہیں عمارہ کیا کہنے والی تھی۔'' خسرو نے سوچا۔

اس نے عمارہ کو کھڑے ہوتے اور پھر جاتے دیکھا۔

اور لمحہ بھر پہلے کچھ کہتی عمارہ کا چہرہ اس کے تصور میں آ گیا۔ گندمی رنگ رخساروں پر ہلکا گلابی پن اور آنکھوں میں حیا کے رنگ لیے پتا نہیں وہ کیا کہنے والی تھی۔

''عمارہ کس قدر باوقار' باشعور اور سمجھدار ہے۔ ایسی لڑکیاں آج کل کے دور میں کم ہی ہیں۔''

اس کے تصور میں ضویا اور پھر اس کی فرینڈ عالیہ آ گئی اور اس کی پیشانی پر ناگوار سی شکنیں پڑ گئیں۔

''اور یہ ضویا.....!'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

''پتا نہیں امی جان اس کی اتنی تعریف کیوں کرتی ہیں۔ کس قدر مغرور اور نک چڑھی سی ہے۔''

''اتنا غرور تو اس کا حق ہے؟'' ایک بار عمارہ نے کہا تھا۔

''وہ اس قدر حسین و دلکش ہے اور پھر اتنی دولت مند تو یہ سب کچھ اس کی شخصیت پر جچتا بھی ہے۔''

اور اسے عمارہ کو اس کا دفاع کرتا دیکھ کر حیرت ہوئی تھی حالانکہ عمارہ بہت کم اس سے ملی تھی۔ چند ایک خاندانی تقاریب میں محض سرسری سی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ عمر میں بھی عمارہ سے دو سال چھوٹی تھی اور دونوں نے الگ الگ کالجز میں پڑھا تھا پھر جب کبھی عمارہ وغیرہ ان سے ملنے آتے بھی تو انیکسی میں سے ہو کر چلے جاتے تھے۔ ہاں مازیہ اور رابیل

چونکہ فرینڈ تھیں اس لیے وہ تو آتے ہی رابیل سے ملنے بھاگ جاتی تھی اور ممانی کی کسی بھی بات کی کوئی پروا نہیں کرتی تھی اور مازیہ اکثر رابیل اور ضویا دونوں کی تعریف کیا کرتی تھی۔

''ضوئی آپی بھی بہت اچھی ہیں۔ بہت دوستی ہے میری ان کے ساتھ بھی۔''

اور اسے حیرت ہوتی تھی کہ کیا ضویا بھی کسی کے ساتھ دوستی کر سکتی ہے؟ کسی ایسی لڑکی کے ساتھ جس کا اسٹیٹس اس کے اسٹیٹس سے میل نہ کھاتا ہو۔ بچپن سے وہ ضویا کو دیکھتا چلا آ رہا تھا۔ رابیل اور زین کے برعکس وہ بہت کم اس سے مخاطب ہوتی تھی۔ بچپن میں بھی جب ہر احساس سے بے نیاز وہ اسے اپنے ساتھ کھیلنے کی دعوت دیتا تھا تو وہ نخوت سے انکار کر دیتی تھی لیکن عمارہ بچپن سے ہی اس کی دوست تھی۔

اسعد' عمارہ اور وہ تینوں جیسے ایک دوسرے کے دل کی ہر بات سمجھتے تھے عمارہ بہت خیال رکھنے والی تھی۔ بچپن سے ہی کبھی وہ اداس ہوتا تو وہ خاموشی سے اس کے پاس آ کر بیٹھ جاتی اور ہولے ہولے باتیں کرتی ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں اور بڑی خوبصورتی سے اسے اس کیفیت سے باہر لے آتی اور آج بھی وہ ایسی ہی تھی اتنی ہی محبت کرنے والی اور خیال رکھنے والی۔

آج بھی جب وہ پریشان ہوتا تو اپنی ہر پریشانی عمارہ اور اسعد سے ضرور شیئر کرتا۔ آج سنڈے تھا۔ وہ صبح ناشتے کے بعد ہی پھپھو کی طرف چلا آیا تھا۔

خسرو کو دیکھتے ہی عمارہ کی آنکھوں میں چمک اتر آئی۔

''ارے خسرو بھائی! آپ!''

وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی' خسرو بھی وہیں بیٹھ گیا تھا۔

''کیسی ہو عمارہ؟''

''اچھی ہوں اور آپ!'' عمارہ نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائی تھیں۔

''میں بھی اچھا ہوں۔''

''لیکن آپ مجھے اچھے نہیں لگ رہے۔''

عمارہ نے جیسے ایک ہی نظر میں اس کا حال جان لیا تھا۔

''کوئی پریشانی ہے کیا؟''

''کچھ خاص نہیں' لیکن عمارہ! تھوڑا سا اپ سیٹ ہوں۔'' اس نے اسلم کی گرفتاری اور اقرار جرم کی تفصیل سنائی۔ عمارہ کو بھی از حد دکھ ہوا۔

''میں چاہتا ہوں کہ اسعد اپنے قلم سے لوگوں میں یہ احساس اجاگر کرے کہ خدا سے قریب اور کوئی نہیں اپنی آرزوئیں خدا سے کہی جائیں یہ جادو ٹونہ یہ سب کفر ہے۔''

''ہاں! اسعد بھائی ایسا کر سکتے ہیں۔''

پھر اسعد بھی ان کی گفتگو میں شامل ہو گیا تھا اور اس نے اسے اسلام آباد میں ہونے والے ایک ایسے ہی واقعے کے متعلق بتایا تھا جب ایک نوجوان نے کسی ایسے ہی کالا جادو کرنے والے کے کہنے پر ایک معصوم بچے کو قتل کر ڈالا تھا' کیونکہ وہ اسے قتل کے عوض کروڑ روپے کے انعامی بانڈ کا نمبر بتانے والا تھا اور یہ کوئی دو ماہ پہلے کی بات تھی۔

''اس خبر کی تفصیل چاہیے مجھے' میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ بچے کا خون طلب کرنے والا کہیں یہی جوگی سائیں تو نہیں۔''

خسرو نے کہا تو اسعد اخبارات تلاش کرنے اپنے کمرے میں چلا گیا تب عمارہ کی طرف دیکھتے ہوئے خسرو اس سے اس کی پڑھائی اور یونیورسٹی کے متعلق باتیں کرنے لگا اور باتوں میں ہمیشہ کی طرح وہ عمارہ کی سنجیدگی اور مدلل گفتگو سے متاثر ہو کر بے اختیار کہہ بیٹھا۔

''عمارہ! تم بہت خاص ہو بہت اسپیشل ہو' ریئلی۔''

اور عمارہ کے گندمی رخساروں پر ہلکی سرخی دوڑ گئی تھی۔

''پتا نہیں وہ کیا کہنے والی تھی۔'' خسرو نے کوئی پانچویں بار سوچا۔ عینک لگائے اخبارات کا مطالعہ کرتے اسعد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کیا سوچ رہے ہو خسرو؟''

''ہاں' کچھ نہیں۔'' اس نے چونک کر اسعد کی طرف دیکھا۔

''کیا اخبار ملا؟''

''ہاں' یہ ایک اخبار ملا تو ہے لیکن اس میں اتنی تفصیل نہیں ہے۔ تاہم مجھے یاد ہے کہ اس نوجوان سے جس شخص نے معصوم بچے کا خون لانے کو کہا تھا وہ کوئی ڈیوڈ مسیح نام کا

شخص تھا۔اس نے اس سے کہا تھا کہ وہ ایسا عمل کرے گا جس سے اس کا ایک کروڑ کا انعام نکل آئے گا۔"

اسعد نے تفصیل بتائی تو خسرو کے دل میں ایک درد کی لہر سی اٹھی اور اس نے بے حد تاسف سے کہا۔

"اسعد.....! یہ سب' یہ سب روکا نہیں جا سکتا کسی طرح....."

"کیسے.....؟" اسعد نے ایک اخبار کا ہفت روزہ ایڈیشن کھینچا۔

"یہ دیکھو اس ہفت روزے کے آدھے سے زیادہ صفحات ایسے ہی اشتہارات سے بھرے ہوئے ہیں۔"

سو فی صد کامیابی کی یقین دہانی خسرو نے اخبار پر ایک نظر ڈالی۔اس کی آنکھوں میں ہنوز دکھ کا تاثر تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے' کس طرح میں اس برائی کا اپنے ملک سے خاتمہ کردوں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے اسعد! کہ اتنے بڑے بڑے اخبارات یہ اشتہارات چھاپتے ہیں۔کیا انہیں احساس نہیں کہ یہ کیسا زہر ہے۔ایک بار بات کی تھی میں نے اپنے ایڈیٹر صاحب سے۔"

"پھر؟" خسرو نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھر کچھ نہیں۔" اسعد کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"کیا حکومت ان اشتہارات پر پابندی نہیں لگا سکتی؟" خسرو نے پر سوچ انداز میں کہا۔

"کیوں نہیں لگا سکتی۔ بلکہ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے ایک بار ایسا ہوا بھی تھا۔

"اسعد! تم' تم ایسا کر سکتے ہو۔پلیز ان کے خلاف لکھو۔لوگوں کو شعور دو۔ سمجھاؤ کہ یہ سب اسلام میں جائز نہیں ہے۔یہ جادو' تعویز' عملیات ہم تو جاہلوں سے بھی زیادہ جاہل ہیں اسعد۔"

خسرو کے لہجے میں چھپے کرب نے اسعد کو بے حد متاثر کیا۔اس نے اس کے

کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

"اپنی سی کوشش کر دیکھتے ہیں خسرو۔" خسرو کی آنکھوں میں تشکر تھا۔

"چلو' بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ کس بات پر فیچر لکھا جائے۔تم نے ایک اچھا موضوع دے دیا۔میں سروے کرتا ہوں ایڈیٹر صاحب سے بات کر کے۔"

"گڈ' مجھے بتاتے رہنا۔"

"ہاں' تم نے بتایا نہیں تمہیں مطلوبہ شخص ملا؟"

"نہیں یار! پتا نہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا' کتنی جگہوں پر چھاپے مار چکا ہوں۔"

"دراصل تم پولیس والوں کی کارکردگی ہی اتنی ناقص ہے۔ایک بندہ نہیں پکڑا جا رہا تم سے۔" اسعد نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"گڑیا سے مدد لے لو اس نے تمہیں آفر بھی کی تھی۔" خسرو ہنس دیا۔

"ہاں یار' شاید اسی سے مدد لینی پڑے مگر خاتون ابھی تک سو رہی ہیں کیا؟"

تب ہی آنکھیں ملتی ہوئی مازیہ نے ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھا اور خسرو کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

"ارے خسرو بھائی! آپ کب آئے' ممانی بھی آئی ہیں؟"

"نہیں' امی نہیں آئیں..... اور مجھے آئے بہت دیر ہو گئی۔" خسرو نے شفقت بھری نظر اس پر ڈالی۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"اے ون....." اس نے ہاتھوں سے بال سمیٹے اور مڑ کر عمارہ کی طرف دیکھا' جو ٹرے میں چائے کے کپ رکھے اندر آ رہی تھی۔

"اوہ' چائے مجھے بھی مل سکتی ہے؟"

"ہاں' میں تمہارے لیے بھی لائی ہوں۔" عمارہ نے ٹرے ٹیبل پر رکھی۔

خسرو نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

سفید کلف لگا دوپٹہ سر پر رکھے اس پل خسرو کو وہ بہت اچھی لگی۔یوں بھی

سفید لباس اس پر بہت اچھا لگتا تھا۔ ایک دلکش سی مسکراہٹ خسرو کے لبوں پر آ کر ٹھہر گئی۔

''پتا نہیں عمارہ میں ایسی کیا بات ہے۔ شاید اس کی آنکھیں' شاید اس کی لانبی پلکیں۔''

عمارہ نے کپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا اور ذرا کی ذرا نگاہیں خسرو کی نظروں سے ملیں۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس کی پلکیں جھک گئیں اور اندر دھڑکنیں بے ترتیب سی ہوئیں' لیکن اس نے فوراً ہی خود کو کمپوز کرتے ہوئے پوچھا۔

''اخبارات مل گئے؟''

''ہاں!'' خسرو کے بجائے اسعد نے اخبارات کی طرف اشارہ کیا۔

''لیکن یہ اخبارات کس کام آئیں گے بھلا۔''

وہ اپنا کپ لے کر مازیہ کے پاس بیٹھ گئی۔

''صرف چائے' آپی! کچھ اسنیکس بھی لے آتیں۔'' مازیہ نے عمارہ کی طرف دیکھا۔

''لیکن اگر تمہارا دل چاہ رہا ہو تو۔''

''نہیں۔'' مازیہ نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

''اتنا ہیوی ناشتہ تھا۔''

''کیا ناشتہ کیا تھا ہماری گڑیا نے؟''

''نان اور نہاری صبح صبح اژمی لے آیا تھا۔'' اس نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے بتایا۔

''یعنی عیاشیاں۔'' خسرو مسکرایا۔

''سنڈے ہے نا!'' مازیہ نے جیسے' ہیوی ناشتے کی وضاحت کی اور پھر جیسے کچھ یاد کرتے ہوئے عمارہ کی طرف دیکھا۔

''یہ آپ اخبارات کے متعلق کیا پوچھ رہی تھیں۔'' عمارہ کے بجائے خسرو نے جواب دیا۔

''مجھے کچھ اخبارات چاہیے تھے' دراصل میں سوچ رہا تھا کہ ایس پی صاحب

سے مل کر اس سلسلے میں بات کروں کہ وہ مجھے ان عاملوں اور کالا جادو کرنے والوں کے خلاف ایکشن لینے کی اجازت دے دیں۔ یہ اخبارات ساتھ لے کر جاؤں گا۔ معصوم بچوں کا قتل' یہ سب بہت بہیمانہ ہے۔''

''ایس پی صاحب اجازت دے دیں گے؟'' عمارہ نے پوچھا۔

''امید تو ہے۔'' خسرو نے اس کی طرف دیکھا۔

''ہم سب امید سے ہیں۔'' اژمیر گنگناتا ہوا اندر داخل ہوا اور دھپ سے کارپٹ پر پڑے فلور کشن پر بیٹھ گیا پھر ایک لمبی سانس لیتے ہوئے خسرو اور اسعد کو دیکھا۔

''بخدا خسرو بھائی! آپ کو دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی ہے۔'' انداز سراسر بناوٹی تھا۔

''لیکن خسرو کو تمہیں دیکھ کر بالکل بھی خوشی نہیں ہوئی۔'' اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور وہ عینک کے شیشوں کے اوپر سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہیں کیوں؟'' اژمیر نے بوکھلا کر باری باری دونوں کو دیکھا۔

''کیا واقعی خسرو بھائی؟''

''ارے نہیں!'' خسرو ہنس دیا۔

اس نے سر گھما کر اسعد کو دیکھا جس کے چہرے پر ابھی بھی سنجیدگی تھی۔

''صبح صبح کہاں غائب ہو گئے تھے تم؟''

''طاہر کی طرف گیا تھا اس کے والد بیمار ہیں نا۔'' اس نے دوست کا نام لیا۔

''کیسے ہیں اب وہ؟'' اسعد نے پوچھا۔

''پتا نہیں' ڈاکٹروں کو ان کی بیماری سمجھ نہیں آ رہی۔ طاہر کی امی کہہ رہی تھیں ضرور ان کی دیورانی نے تعویذ کر رکھے ہیں۔ انہیں تو پورا یقین ہے کہ کالا جادو کیا ہے۔''

خسرو نے معنی خیز نظروں سے اسعد کی طرف دیکھا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ طاہر سے کہنا ڈاکٹر مبارک سے مل لیں۔ میں فون کر دوں گا انہیں۔''

''کہا تو تھا میں نے۔ لیکن پھر کسی عامل نے کوئی عمل بتایا تھا۔ وقتی طور پر وہ

بہتر ہونے لگے تھے مگر پھر دو تین دن سے زیادہ طبیعت خراب ہے۔ میں نے آج بھی کہا ہے طاہر سے۔ کہہ رہا تھا آج لے جاؤں گا۔''

اژمیر نے اسعد کی بات کا جواب دے کر خسرو کی طرف دیکھا۔

''اور سنایئے خسرو بھائی! کیسی گزر رہی ہے اور آپ کے وہ ڈائریکٹ حوالدار محمد حنیف کا کیا حال ہے؟''

''محمد حنیف آج کل دس دن کی چھٹی پر ہے۔''

خسرو نے خالی کپ ٹیبل پر رکھا۔

''کیا کوئی چلہ کاٹ رہا ہے اولاد کیلئے۔''

''معلوم نہیں۔ کہہ رہا تھا بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' خسرو نے اخبارت اٹھا لئے۔

''کیا جا رہے ہیں؟'' عمارہ کی نظریں اسی کی طرف تھیں۔

''ہاں' اب چلوں گا۔ امی کے کل سے دانتوں میں درد ہے۔ سوچ رہا ہوں' آج انہیں دکھا دوں۔''

''کچھ دیر تو بیٹھیں نا خسرو بھائی۔'' مازیہ نے عمارہ کے دل کی ترجمانی کی۔

''ابھی تو میری آپ سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔''

''تم اگر دیر سے اٹھی ہو تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔'' خسرو نے اس کی طرف دیکھا۔

''آپی نے مجھے جگایا ہی نہیں۔ میں دراصل صبح تین بجے سے اٹھ کر پڑھ رہی تھی اس لیے ناشتہ کر کے کچھ دیر سو گئی۔''

''اور یہ ہمیشہ ہی ہوتا ہے نا۔'' اژمیر نے ٹکڑا لگایا۔

''گڑیا بیٹا! اپنے پڑھنے کا وقت کچھ کم کرو۔ رات ایک بجے سونا' صبح تین بجے اٹھ جانا' اس طرح تو تمہاری صحت خراب ہو جائے گی۔'' اسعد نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

''بھائی! مجھے ڈاکٹر بننا ہے نا۔''

''لگن سچی ہو' جذبہ مستحکم ہو تو منزل ضرور ملتی ہے۔ تم بھی ضرور ڈاکٹر بنو گی'

لیکن ہر چیز میں اعتدال پسند ہونا چاہیے۔''

''جی!'' اس کا لہجہ مؤدب تھا۔

''ضویا کیسی ہے؟'' عمارہ نے اچانک پوچھا تو خسرو چونکا۔

''ٹھیک ہی ہو گی۔'' اس نے لاپروائی سے کہتے ہوئے عمارہ کی طرف دیکھا تو بے اختیار مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

''تم نے بطور خاص صرف ضویا کا ہی کیوں پوچھا۔ جبکہ ماموں جان اور زین وغیرہ بھی ہیں۔''

خسرو کی آنکھوں میں مدھم سی شرارت کی چمک دیکھ کر وہ جھینپ گئی۔ اژمیر کو کھنکارا اور ایک شوخ نظر دونوں پر ڈالتے ہوئے زیر لب کہا۔

''جیلسی!''

''کیا مطلب؟'' عمارہ نے اسے گھورا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ فوراً اسعد کی طرف دیکھنے لگا۔

عمارہ کے علاوہ کسی نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔ خسرو سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا کہا تم نے؟''

''کچھ نہیں۔'' اس نے کان کھجائے۔

''میں سوچ رہا تھا یہ جو محبت ہوتی ہے' اس میں جیلسی کیوں ہوتی ہے؟ اسعد بھائی! کبھی آپ کو بھی جیلسی فیل ہوئی کسی سے؟''

''مجھے۔'' اسعد چونکا۔

''بھئی میں بھلا کیوں کسی سے جیلس ہوں گا۔''

''وہ..... یعنی کہ اگر آپ کو محبت ہو جاتی ہے..... اس سے..... ہاں وہ کیا نام ہے اس کا قانتا..... قانتا بی بی سے اور وہ آپ کے ساتھی عمیر علی بھی دل ہی دل میں قانتا سے محبت کریں اور وہ ان سے محبت کرتی ہیں تو آپ جیلس تو ہوں گے نا عمیر علی سے؟''

''لاحول ولا.....!'' اسعد نے برا سا منہ بنایا۔

''یہ کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہو۔ قانتا کا تو نکاح ہو چکا ہے' اپنے کزن سے۔''

''ارے آپ نے تو میرے سارے خواب ملیا میٹ کر دیے' میں تو قانتا بی بی کو دل ہی دل میں اپنی بھابی جان تسلیم کر چکا تھا اور.....''

''تم بہت فضول بولتے ہو اژمی!'' اسعد نے اسے ڈانٹا۔

''ویسے بھائی.....!''

''بس اب کچھ مت کہنا۔'' اسعد نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اسے گھورا۔

عمارہ نے خالی کپ ٹرے میں رکھے اور کھڑی ہو گئی۔ خسرو بھی مطلوبہ اخبار رول کر کے ہاتھ میں لیتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے یار! بیٹھو نا' کھانا کھا کر جانا۔''

''کھانے تک نہیں رکوں گا' امی انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''اچھا..... بتانا پھر ایس پی صاحب سے ملاقات کے بعد کیا کہا انہوں نے۔''

''ضرور۔'' خسرو نے کچن کی طرف جاتی عمارہ کو دیکھا۔ لمبے بالوں کا ڈھیر سا پشت پر بکھرا تھا۔ کچن کے دروازے تک پہنچ کر عمارہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''تو آپ جا رہے ہیں' رکیں گے نہیں؟''

''نہیں۔ تمہارا کھانا ادھار رہا عمارہ!''

''مامی کو لے کر آیئے گا کسی دن' کافی دن ہو گئے۔''

''آئیں گی کسی روز' کہہ تو رہی تھیں۔''

عمارہ سے نظریں ہٹا کر اس نے باری باری سب کو خدا حافظ کہا۔

''ٹھہرو' میں تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں۔''

اسعد بھی اخبارات سمیٹ کر کھڑا ہو گیا۔

''مجھے اخبار کے آفس چھوڑ دینا' ایک آرٹیکل دینا تھا۔''

''ہاں چلو۔''

کاغذات کے پلندے کو اس نے فائل میں رکھا اور اخبارات اژمیر کی طرف بڑھائے۔

''یہ میرے کمرے میں رکھ دینا اور ہاں' طاہر کو فون کر دینا اپنے والد کو' ڈاکٹر مبارک کو ضرور دکھا لیں۔ اتنا پڑھ لکھ کر خوامخواہ کی توہم پرستی میں نہ پڑیں۔ کوئی اتنا فارغ نہیں بیٹھا ہوتا کہ خوامخواہ کسی پر جادو کرواتا پھرے۔''

''او کے اژمی!'' خسرو نے اژمیر سے ہاتھ ملایا اور دونوں باتیں کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔

☆ ☆ ☆

''یہ کیا ہے عالی!'' ضویا نے الجھ کر عالیہ کی طرف دیکھا۔

''تم اتنی دیر سے بے مقصد گاڑی سڑک پر دوڑاتی پھر رہی ہو' کہاں جانا ہے آخر؟''

''نہیں' بے مقصد تو نہیں۔''

عالیہ نے گاڑی ایک طرف درختوں کے سائے میں پارک کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ یہ کسی ہاسپٹل کی بیک سائیڈ تھی اور دیوار کے ساتھ کافی گاڑیاں کھڑی تھیں۔

''وہ تقریباً اڑھائی تین کے دوران آفس سے باہر آتا ہے۔''

''وہ کون؟'' ضویا بری طرح چونکی۔

''دیکھ لینا آج' اسی لیے تو تمہیں ساتھ لائی ہوں۔'' عالیہ کھل کر مسکرائی۔

''لیکن تم تو کہہ رہی تھیں کہ تمہیں شاپنگ کیلئے جانا ہے؟''

''تو کیا تمہارے ڈرائیور سے میں یہ کہتی کہ تمہیں ایک لڑکے سے ملوانے لے جا رہی ہوں جو مجھے بے حد اچھا لگتا ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔''

''تو کیا تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہے' سچ مچ؟'' ضویا بے حد حیرانی سے

اسے دیکھ رہی تھی۔

''شاید' میرا خیال ہے اور اگر نہیں بھی ہوئی تو ہو جائے گی۔ یار! کیا بتاؤں کس قدر ڈیشنگ پرسنالٹی ہے اس کی۔ تمہارے انسپکٹر سے کچھ ہی کم۔''

عالیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''لیکن وہ ہے کون' کہاں ملا' کیا نام ہے اور تمہارا رشتہ دار ہے کیا؟''

ضویا ابھی تک حیران تھی۔

''ہائے جانم! یہ تم نے ایک ہی سانس میں اتنے سوال کر ڈالے۔ تو ڈیئر ایک لڑکا ہے خوبصورت' اسمارٹ اور اس کی گاڑی..... ہائے کیا بتاؤں۔ میں نے پورے لاہور میں ایسی گاڑی نہیں دیکھی۔ امپورٹڈ ہے۔''

''کہاں ملا؟''

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''لو ابھی ملا ہی کہاں ہے۔ کاش کسی روز زبردست سی ملاقات ہو جائے''۔

''اور نام.....؟ تو نام بھی ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا جس دن ملاقات ہوئی نام بھی معلوم ہو جائے گا اور رشتہ دار..... ہائے ڈیئر! کس دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے تم نے۔ میرے تمہارے جیسے نصیب کہاں کہ مجھے کوئی تمہارے انسپکٹر جیسا کزن مل جاتا۔ یار! بڑی لکی ہو تم۔''

عالیہ بول رہی تھی اور ضویا آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یعنی تم اس کا نام تک نہیں جانتیں۔ تم اس سے ملی ہی نہیں ہو ابھی تک تو تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہے؟''

''کہا تو ہے ابھی ہوئی تو نہیں لیکن ہو جائے گی۔ قسم سے میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ وہی بندہ ہے جس کے ستارے میرے ساتھ ملتے ہیں۔''

''تم بھی عجیب ہو عالی!''

ضویا نے سر جھٹکا۔ عالیہ کو سمجھنا خاصا مشکل تھا۔

اتنے دنوں کی دوستی کے باوجود وہ اب تک اس کی حرکتوں پر حیران رہ جاتی

تھی۔

''پتا ہے۔'' ضویا کو خاموش دیکھ کر وہ تھوڑا سا اس کی طرف مڑی۔

''سچی میں بہت بور ہو رہی تھی کیبل دیکھ دیکھ کر' نانو کی معاشرہ سدھار تقریریں سن سن کر اور ان کی انجمن کی تعریفیں تو مجھے زہر لگتی تھیں نانو کے پاس تو اس کے علاوہ اور کوئی موضوع ہی نہیں یا تو سارا دن گھر میں رہ کر ان کا انتظار کرو یا پھر ان کی این جی اوز کی تعریفیں سنو۔ ارے میں کیا نہیں جانتی ان این جی اوز کے اندر کا حال۔ میرا ایک دوست ہے ڈاکٹر عابد' ایک این جی او میں کام کرتا ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے' ان این جی اوز کے متعلق۔ بہت گہری نظر ہے اس کی' بہت علم ہے اس کے پاس اور پھر اس نے اپنی کتاب میں ان این جی اوز کا جو پاکستان میں کام کر رہی ہیں' کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا ہے' لیکن فی الحال اسے اس کتاب کو چھپوانے کے مواقع نہیں مل رہے۔ میں نے اس کا مسودہ پڑھا تھا۔''

''یہ وہ ڈاکٹر عابد تو نہیں جس کا تم نے ذکر کیا تھا جو تمہیں دوبئی میں ملا تھا؟''

ضویا نے پوچھا۔

''ہاں وہی' وہاں اپنی این جی او کی ٹیم کے ساتھ آیا تھا۔ ایڈز پر لیکچر دیے تھے اس ٹیم نے' میری فرینڈ شپ ہو گئی تھی اس سے۔ میں یہاں پاکستان آئی تو وہ ملا تھا مجھے۔''

''اور اب نہیں ملتا؟''

''نہیں۔ دراصل وہ چاہتا تھا کہ میں اس کی کتاب چھپوانے میں اس کی مدد کروں۔ میرا مطلب ہے کہ مالی مدد لیکن یار! تمہیں تو پتا ہے میرے پپا کس قدر کنجوس بلکہ مہا کنجوس ہیں۔

ضویا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''چلو اچھا ہوا۔ تم بتا رہی تھیں کچھ۔''

''ہاں' وہ اس روز نانو کی باتوں سے بور ہو کر میں باہر نکلی گاڑی لے کر تو یہاں کالج روڈ پر میں نے اسے دیکھا۔ وہ ایک طرف گاڑی پارک کیے گاڑی سے ٹیک لگائے اپنے سیل فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ بات کر کے وہ گاڑی میں بیٹھا تو میں نے گاڑی اس کے پیچھے لگا دی۔ یونہی جسٹ فار انجوائے منٹ۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ''ا

want to do something new (میں کچھ نیا کرنا چاہتی ہوں۔)

''تو پھر تم اس آفس تک آ پہنچیں۔'' ضویا نے اسے ٹوکا۔

''بالکل۔'' عالیہ ہنس دی۔

''تم کچھ سمجھ دار ہوتی جا رہی ہو۔ پہلے تو یونہی تعاقب کیا تھا پھر مجھے مزا آنے لگا۔ میں ہر روز ہی صبح اس کے پیچھے آنے لگی۔''

''تو تب ہی تم کالج لیٹ آتی تھیں۔''

''ہاں۔ لیکن جب مسز زبیری نے پہلا پیریڈ مس کرنے پر ڈانٹا تو مجھے روٹین تبدیل کرنا پڑی۔ اس روز چھٹی کے بعد پورا ڈیڑھ گھنٹہ ڈیوٹی دی میں نے' تب کہیں جا کر وہ پارکنگ کی طرف آتا دکھائی دیا۔ اب تین چار دن مسلسل ادھر آنے سے پتا چلا ہے کہ وہ ڈھائی اور تین کے درمیان اپنے آفس سے نکلتا ہے۔''

ضویا کی آنکھوں میں پھر حیرت اتری۔

''لیکن اس سے فائدہ عالی!''

''فائدہ..... یار! فائدہ بھی دیکھ لیں گے۔ ابھی تو ذرا انجوائے کر رہی ہوں۔ پتا ہے اسے کچھ اندازہ ہو گیا ہے کہ میں جان بوجھ کر اس کے پیچھے گاڑی رکھتی ہوں۔''

''اچھا!'' ضویا خوفزدہ ہو گئی۔

''کہیں کسی روز بے عزتی نہ کر دے تمہاری۔''

''جرات ہے اس کی۔'' عالیہ نے اکڑنے کی ایکٹنگ کی۔

''بلیک بیلٹ ہے میرے پاس اور.....''

''ارے دیکھو وہ آ رہا ہے۔'' عالیہ نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ ''وہ سامنے۔''

ضویا نے غور سے دیکھا۔ گورے رنگ کا اچھا اسمارٹ سا لڑکا تھا۔ آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ' ہاتھ میں بریف کیس لیے۔ وہ پارکنگ کی طرف ہی آ رہا تھا۔

وہ لڑکا اچھی پرسنالٹی کا تھا لیکن ایسا ساری دنیا سے بڑھ کر بھی نہ تھا کہ جس کیلئے عالیہ اتنا خوار ہو رہی تھی۔

''کیسا لگا؟'' عالیہ نے سرگوشی کی۔

''بس ٹھیک ہی ہے لیکن جتنی تم تعریفیں کر رہی ہو' اتنا بھی نہیں ہے۔ عام سا ہی ہے۔''

''ظاہر ہے تمہارے انسپکٹر صاحب کے سامنے تو تمہیں عام سا ہی لگے گا لیکن اتنا عام نہیں ہے وہ۔''

پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کے پاس رک کر اس نے تھوڑا سا رخ موڑ کر ادھر دیکھا تو عالیہ نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا۔ وہ برا سا منہ بناتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ضویا کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

تم ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سلام کرتی اٹھارویں صدی کی کوئی ہیروئن لگ رہی تھیں جو اپنی چھت پر کھڑے ہو کر سامنے والی چھت پر کھڑے لڑکے کو سلام بھیج رہی ہو۔''

عالیہ نے قہقہہ لگا کر اس کی پیٹھ پر دھمو کا جڑا۔

وہ گاڑی سڑک پر لے آیا تھا۔ عالیہ نے بھی گاڑی اسٹارٹ کی۔

''چلو اب گھر چلیں۔''

''نہیں یار! ابھی نہیں۔'' گیئر لگاتے ہوئے عالیہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''تین روز سے میں اسے گلبرگ مارکیٹ تک چھوڑ کر آ رہی ہوں۔''

''تو آج بھی مارکیٹ تک تعاقب کرو گی؟''

''نہیں' آج گھر تک جاؤں گی۔''

عالیہ نے بڑے اطمینان سے کہا اور تھوڑا سائڈ پر ہو کر پیچھے آنے والی گاڑی کو آگے جانے کا اشارہ دیا اور ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھ دیا۔

''پلیز میرا ابھی مرنے کا ارادہ نہیں ہے۔''

ضویا نے منت کی تو عالیہ نے رفتار قدرے کم کر دی۔ ''بہت ڈرپوک ہو تم۔''

ضویا مسلسل سامنے دیکھ رہی تھی۔ عالیہ نے کیسٹ لگا دی تھی اور اب گنگناتے ہوئے بہت آرام سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس کی گاڑی ڈیفنس کی طرف جا رہی تھی۔

ڈیفنس کی کھلی صاف ستھری سڑکیں اور خوبصورت گھر اسے ہمیشہ ہی سے اچھے لگتے تھے۔ ضویا ادھر ادھر گھروں کو دیکھ رہی تھی کہ اچانک عالیہ نے اسے مخاطب کیا۔

''حضرت بی بلاک میں رہتے ہیں۔''

ایک بہت خوبصورت گھر کے سامنے اس کی گاڑی رکی تھی۔ پھر گیٹ کھلا اور گاڑی اندر چلی گئی۔ عالیہ نے اپنی گاڑی آگے بڑھائی۔

''بہت زبردست گھر ہے' تم نے اس کا فرنٹ دیکھا تھا؟'' اگلی سڑک سے مڑتے ہوئے عالیہ نے کہا۔

''ہاں' لیکن پلیز اب گھر چلو' مما پریشان ہو رہی ہوں گی۔''

وہ کالج سے سیدھی اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔

عالیہ نے اس کے ڈرائیور کو واپس بھیج دیا تھا یہ کہہ کر کہ انہیں کچھ شاپنگ کرنا ہے۔

''گھر ہی تو جا رہی ہوں۔ چلو آج حضرت کا ٹھکانہ بھی معلوم ہو گیا۔''

''تو کیا کرو گی تم' اس کے گھر جاؤ گی؟'' ضویا نے پوچھا۔

''پتا نہیں۔'' عالیہ نے کندھے اچکائے۔

''فی الحال تو بس اتنا ہی کافی ہے۔''

''چھوڑو یار! کیا بوریت ہے یہ انتظار میں کھڑے رہنا اور پھر کسی جاسوس کی طرح پیچھا کرنا۔'' ضویا بہت بور ہو رہی تھی۔

''لیکن یار! مجھے تو بڑا تھرلنگ لگتا ہے۔ دیکھا نہیں تھا تم نے' جب میں نے سلام کیا تھا تو کیسے برے برے منہ بنا رہا تھا۔''

''لیکن اس کا فائدہ عالی؟'' ضویا نے ایک بار پھر کہا۔

''بتایا تو ہے تمہیں کہ فائدہ کیا صرف ایک ایکٹیوٹی ہے اور کچھ نہیں۔ ڈونٹ وری۔''

''اور اگر تمہیں اس سے محبت ہو گئی تو؟ تم تو اسے جانتی تک نہیں ہو' پھر کیا کرو گی تم؟'' ضویا کو تشویش ہو رہی تھی۔

''ارے نہیں ہوتی محبت وغیرہ۔ میں تو یونہی..... ڈونٹ وری۔ عالیہ احمد اتنی کمزور نہیں ہے' یہ تو بس.....''

''تمہاری نئی ڈسکوری ہے۔'' ضویا نے کہا تو وہ بھی ہنس دی۔

''ہاں' نئی ڈسکوری۔ یار! اتنی بور لائف ہے کچھ تو ایکٹیوٹی ہونا چاہیے۔''

''تم میری طرف آ جایا کرو نا۔''

''اب روز روز آنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ کسی روز تمہاری مما نے کان سے پکڑ کر باہر نکال دیا کہ اے لڑکی! تم نے تو ہمارا گھر ہی دیکھ لیا ہے۔''

''نہیں' ماما تمہیں پسند کرتی ہیں اور پھر انہیں پتا ہے کہ تم یہاں اکیلی ہو' صرف نانو ہیں۔ وہ خود کہہ رہی تھیں کہ عالیہ کو کہو' ہر ویک اینڈ پر آ جایا کرے ادھر۔''

''رئیلی۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔'' اس نے خوشی کا اظہار کیا۔

''تو اب بتا دیا ہے نا۔''

''تو پھر ویک اینڈ تمہارے ہاں پکا۔'' وہ ہنسی۔

''ہاں' پکا۔ میں بھی تو بور ہی ہوتی ہوں۔ رابی تو بس ہر وقت کتابوں میں گھسی رہتی ہے یا پھر فارغ ہو تو فون پر اپنی فرینڈ مازیہ سے باتیں کرتی رہتی ہے۔''

''کمال ہے' اپنے انسپکٹر صاحب سے گپ شپ لگا لیا کرو۔''

''میں ان سے بے تکلف نہیں ہوں اور پھر وہ ادھر کم ہی آتے ہیں۔''

''تو تم چلی جایا کرو' ذرا اپنی پھپھو سے محبت جتانے کیلئے۔ دو چار کام کر دیا کرو۔ انسپکٹر صاحب خود ہی راغب ہو جائیں گے تمہاری طرف۔ ایسے حسن سے کون نگاہیں چرا سکتا ہے؟''

''بکو مت۔'' ضویا جھینپ گئی۔

''یار! بک نہیں رہی' کام کی بات بتا رہی ہوں۔''

عالیہ نے ہنستے ہوئے اس کے گھر کے سامنے بریک لگائی۔

''اندر نہیں آؤ گی؟''

''نہیں' ٹھیک آدھ گھنٹے بعد پپا کا فون آنا ہے۔ رات کو مما نے میسج دیا تھا۔''

''اچھا۔ اوکے' بائے۔'' ضویا نے نیچے اتر کر اسے خدا حافظ کہا۔ ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے ماما کو دیکھا جو زین سے کسی بات پر الجھ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے سلام کر کے پوچھا۔

''آ گئیں تم؟'' انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا پھر اس کے خالی ہاتھوں کو جس میں صرف ایک فائل تھی۔

''کیا شاپنگ کرنا تھی تمہیں؟''

''مجھے نہیں ماما! عالیہ کو شاپنگ کرنا تھی۔''

''ہاں' بے چاری بچی! ایک بھی ڈھنگ کا کپڑا نہیں ہے اس کے پاس۔ ماں باپ اتنے دور بیٹھے ہوئے ہیں لیکن بیٹا! اس طرح کالج سے جانا تمہارے پپا کو اچھا نہیں لگا۔ جب شیر علی نے آ کر بتایا تو.....''

''کیا پپا گھر پر تھے؟''

''اگر آئندہ ایسا کوئی پروگرام ہو تو گھر سے جایا کرو۔ یوں کالج سے نہ جایا کرو۔ شیر علی کیا سوچتا ہوگا۔''

''جی اچھا۔''

''آپ سارے جہاں پر مہربان ہوں گی سوائے میرے۔'' زین نے برا سا منہ بنایا۔

''زین!'' وہ یکدم اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''میں نے تم سے کہہ دیا ہے مجھے تمہارا کرکٹ کھیلنا بالکل پسند نہیں ہے۔''

''مگر اس میں حرج کیا ہے مما!''

''حرج ہو یا نہ ہو۔'' ان کا لہجہ سخت تھا۔

''لیکن مجھے پسند نہیں ہے کہ تم اس کھیل میں وقت ضائع کرو۔ دیکھو تم ہمارے اکلوتے بیٹے ہو' تمہیں اپنی تعلیم مکمل کر کے یہ سارا بزنس سنبھالنا ہے۔''

''لیکن مما! میں پڑھ تو رہا ہوں اور ہمیشہ کلاس میں پہلی یا دوسری پوزیشن لیتا

ہوں۔''

''ہاں لیکن اگر چسکا پڑ گیا تمہیں کرکٹ کا تو پھر گئی پڑھائی۔ آج تم اسکول کی ٹیم کے ساتھ جاؤ گے' جیت کر آ جاؤ گے تو کل کہیں اور' پرسوں کہیں اور' اور پھر پڑھائی ختم۔''

''آخر خسرو بھائی بھی تو اپنی کالج ٹیم کے کپتان تھے مگر اب چھوڑ دی۔ حالانکہ ان کا تو سلیکشن بھی ہو گیا تھا۔''

''تو کیا کر لیا۔ کون سا تیر مار لیا خسرو نے' سپاہی بن کر۔''

خسرو کے ذکر پر ان کا لہجہ مزید تلخ ہو گیا تھا۔ ان کے سپاہی کہنے پر زین کو ہنسی آ گئی۔ ضویا نے بھی منہ نیچے کر کے مسکراہٹ چھپائی۔

''پولیس میں جانا ہی ان کا مقصد تھا' ورنہ وہ تو ہمیشہ ٹاپ ہی کرتے تھے۔'' زین ہمیشہ خسرو کی بھرپور وکالت کرتا تھا۔

''اچھا اب چھوڑو' اپنا یہ ''خسرو نامہ'' میں نے کہہ دیا کہ تم اسکول ٹیم کے ساتھ میچ کھیلنے راولپنڈی نہیں جاؤ گے۔'' وہ حتمی بات کر کے کھڑی ہو گئیں۔

''میں تمہارے پپا سے کہوں گی' وہ تمہارے پرنسپل سے خود بات کر لیں گے

اب کے زین نے کچھ نہیں کہا' وہ بے حد افسردہ تھا۔ ضویا کو افسوس ہوا' مما بھی خواہ مخواہ اس پر پابندیاں لگاتی رہتی ہیں۔ اب اگر وہ چلا جائے تو کیا حرج ہے اس کے نہ جانے پر استاد ہی ناراض ہوں گے اس سے' کہ اگر ایسی بات تھی تو وہ شامل ہی کیوں ہوا ٹیم میں۔

''زین! تم پپا سے بات کرو۔''

''پپا کچھ کم جلاد ہیں۔''

''ایسے تو نہ کہو پپا تو.....''

''میرے معاملے میں وہ بھی مما کی ہی سائڈ لیتے ہیں۔'' زین بے حد جلا بھنا ہوا تھا۔

''اچھا جانا کب ہے؟'' ضویا کا سچ مچ دل دکھ رہا تھا۔

''تین چار دن تک۔''

''تو میں پپا سے اجازت دلوادوں گی۔ اب موڈ صحیح کرلو۔''

''سچ!'' زین کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''ہاں' سچ۔''

تب ہی ٹی وی لاؤنج میں پچھلے لان کی طرف کھلنے والے دروازے پر دستک ہوئی۔ زین نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دوسری طرف آمنہ تھیں۔

''السلام علیکم۔'' زین کے زوردار سلام پر ضویا نے مڑ کر دیکھا اور کھڑی ہوگئی۔

''ارے آپ..... پھپھو آیئے نا۔'' آمنہ نے خوش ہو کر اس کے رخساروں پر بوسہ دیا۔

''کیسی ہے میری بیٹی؟''

''اچھی ہوں' آپ کیسی ہیں۔ بہت دنوں بعد ادھر چکر لگا۔''

اس کی گرمجوشی کو زین نے حیرت سے دیکھا۔

''نہیں تو بیٹا! میں تو کل شام بھی آئی تھی۔ تم شاید اپنے کمرے میں تھیں۔ ابرار بھائی کے پاس بہت دیر بیٹھی رہی۔ آج کل خسرو بہت دیر سے آتا ہے تو دل گھبراتا ہے اکیلے۔ ابرار بھائی تو ابھی نہیں آئے ہوں گے؟''

''ہاں شاید۔ میں تو ابھی آئی ہوں۔''

''پپا نے لنچ گھر پر ہی کیا تھا پھر چلے گئے تھے' ابھی آئے نہیں۔'' زین نے بتایا۔

''کیسے ہیں خسرو بھائی اور دیر سے کیوں آتے ہیں؟''

سوال کر کے وہ خود ہی جھینپ گئی۔ آج سے پہلے تو اس نے کبھی پھپھو یا خسرو سے اتنی لگاوٹ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ آمنہ نے بھی کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔

''آج کل کچھ مجرموں کے پیچھے بھاگ دوڑ کر رہا ہے۔ اس لیے دیر ہو جاتی ہے اسے۔''

''میرا دل چاہتا ہے' میں بھی خسرو بھائی کی طرح پولیس میں جاؤں اور بڑے بڑے مجرم پکڑوں۔''

''مما کے سامنے مت کہنا۔'' ضویا ہنسی۔

زین برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔ آمنہ بہت محبت اور پیار سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ضویا انہیں بہت عزیز تھی۔ جب ان کی شادی ہوئی تو ابرار شاہ کی شادی کو تین سال ہو چکے تھے' لیکن ابھی تک گھر میں کوئی چہکار نہیں گونجی تھی اور جب خسرو پیدا ہوا تو انہوں نے اللہ میاں سے بڑی دعائیں مانگی تھیں کہ خدا سامعہ بھابھی کی گود بھی بھر دے۔ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ خسرو کی پیدائش کے بعد سے سامعہ کا رویہ ان کے ساتھ اکھڑا اکھڑا سا رہنے لگا تھا۔ حالانکہ شادی سے پہلے تو ان کا رویہ ٹھیک ہی تھا اور جب خدا نے ان کی دعائیں سن لیں تو اس ننھی منی گلابی گڑیا کو دیکھ کر ان کا بے حد جی چاہا تھا کہ وہ اپنے خسرو کے لئے بھائی سے اسے مانگ لیں' لیکن پھر اپنی کم مائیگی کا خیال کر کے چپ ہو رہی تھیں مگر ضویا انہیں بہت عزیز تھی۔ گو ضویا بہت کم ان کے پاس آ کر بیٹھتی تھی۔

سو آج ضویا کا اس طرح اتنے التفات سے بات کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''پھپھو! آپ سارا دن اکیلی کیا کرتی رہتی ہیں؟''

''کچھ نہ کچھ کرتی ہی رہتی ہوں۔ جب فارغ ہوتی ہوں تو کبھی کچھ پڑھ لیا کبھی ٹی وی دیکھ لیا۔''

''مثلاً کیا پڑھتی ہیں آپ؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''یونہی بیٹا! کوئی رسالہ' کوئی ناول' اخبار جو بھی مل جائے۔''

''آپ ادھر آ جایا کریں پھپھو! مما بھی تو اکیلی ہوتی ہیں سارا دن ہمارے جانے کے بعد۔''

زین ہولے سے کھنکارا تو وہ جھینپ گئی۔ زین کو اس کا یہ انداز غالباً ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

''کیا بات ہے' آج پھپھو کی بہت فکر ہو رہی ہے۔'' بالآخر اس سے صبر نہ ہو سکا تو پوچھ ہی بیٹھا۔

''کوئی بات نہیں' میں تو یونہی پھپھو سے باتیں کرنے لگی تھی۔''

اس نے زین کو آنکھیں دکھائیں' لیکن زین لاپروائی سے کندھے جھٹکتے اٹھ کھڑا ہوا۔

''او کے پھپھو! میں چلتا ہوں اب۔ ایک دوست سے اپنی کتابیں لینا تھیں۔'' آمنہ نے سر ہلاتے ہوئے ضویا کی طرف دیکھا۔

''امی کہاں ہیں تمہاری؟''

''ابھی آپ کے آنے سے پہلے تو..... یہیں تھیں پھر آرام کرنے چلی گئیں بلاؤں انہیں؟''

''نہیں نہیں' آرام کرنے دو انہیں۔ ہم پھوپھی بھتیجی گپ شپ کرتے ہیں۔''

''بیگم صاحب کہہ رہی ہیں' کھانا کھالیں آپ۔'' ملازمہ نے آکر کہا تو آمنہ نے چونک کر ضویا کو دیکھا۔

''ہیں..... کھانا نہیں کھایا تم نے ابھی تک ساڑھے پانچ ہونے والے ہیں۔''

''دراصل میں کالج سے ہی عالیہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے چلی گئی تھی' کچھ دیر پہلے ہی آئی ہوں۔''

''تو جاؤ بیٹا! پہلے کھانا کھالو۔''

''نہیں پھپھو! میں اب رات کو ہی کھاؤں گی۔''

''نہیں بیٹا بھوکے نہیں رہتے۔ تم جاؤ کھانا کھاؤ۔ میں اپنی رابیل بیٹی کے پاس جارہی ہوں۔ کمرے میں ہی ہے نا؟'' وہ کھڑی ہوگئیں۔

''ہاں' کمرے میں ہی پڑھ رہی ہوگی۔''

''بہت محنت کررہی ہے' اللہ اسے کامیاب کرے۔''

اور وہ صوفے پر بیٹھی آمنہ کو رابیل کے کمرے کی طرف جاتے دیکھتی رہی۔

''یہ پھپھو' کتنی نرم شفیق اور بے ضرر سی ہیں' لیکن پتا نہیں مما ان سے اتنی خار کیوں کھاتی ہیں اور پھر خسرو بھائی تو کتنے اچھے ہیں۔'' خسرو کے تصور سے یکبارگی اس کا

دل زور سے دھڑکا اور وہ اپنے دھڑ دھڑ کرتے دل کی دھڑکنوں کو تیز ہوتا حیرت سے سن رہی تھی اور محسوس کررہی تھی۔

''تو کیا..... تو کیا..... عالیہ..... اوہ نو..... اٹس امپاسبل۔''

اس نے سر جھٹکا اور ملازمہ کو آواز دی کہ وہ اس کے لیے کھانا گرم کرکے لئے آئے اور خود پاس پڑا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ٹی وی پر کوئی لو اسٹوری فلم چل رہی تھی۔ پولیس کی وردی میں ملبوس ہیرو کے سامنے ہیروئن ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔ اس کے تصور میں پھر خسرو کا سراپا لہرایا اور وہ اردگرد سے بے خبر ہی ہوکر خسرو کے متعلق سوچنے لگی۔

☆ ☆ ☆

''عبداللہ! تیرا کچھ کھانے کو دل چاہتا ہو تو بتا؟''

خدیجہ بیگم نے سرسوں کی گندلیں کاٹتے ہوئے عبداللہ کی طرف دیکھا' جو صحن میں بچھی چارپائی پر خاموش بیٹھا تھا اور ان کے چہرے پر بڑا سکون سا تھا اور ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ وہ اتنے پرسکون ہوں۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے بڑی بڑی خمار آلود آنکھوں میں سوچ کا رنگ لیے وہ بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ انہوں نے خدیجہ بیگم کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

خدیجہ بیگم نے پھر سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ کیا ہوا جو انہوں نے عبداللہ کو جنم نہیں دیا تھا اور کیا ہوا کہ جب وہ بیاہ کر آئی تھیں تو عبداللہ آٹھ سال کا تھا اور سال بھر بعد ہی ان کی ساس اللہ کو پیاری ہوگئیں تو انہوں نے خود بخود ہی بنا کسی کے کہے عبداللہ کی ذمہ داری سنبھال لی تھی اور یوں اس کا خیال رکھا تھا' جیسے انہوں نے ہی اسے جنم دیا ہو اور تب خدیجہ بیگم کی اپنی عمر کیا تھی' صرف سترہ سال۔

تین سال بعد جب عبدالسمیع ان کی جھولی میں آیا تو تب بھی عبداللہ کی محبت خدیجہ بیگم کے دل میں کم نہ ہوئی تھی' وہ اس کا ویسے ہی خیال رکھتی تھیں۔ صبح صبح اس کو پراٹھا بنا کر دیتیں۔ صاف ستھرے کپڑے پہنا کر اسکول بھیج کر بھی بے چین رہتیں تو عبدالسمیع کا باپ ہنستا۔

''تو ایسا کر خود بھی اس کے ساتھ اسکول میں داخل ہو جا۔''

''اتنا بھولا اور معصوم ہے کہ لڑکے اس کے بستے سے اس کا کھانا نکال کر کھا جاتے ہیں۔'' وہ روہانسی ہو جاتیں۔

''بھولا نہیں ہے' ذرا ماسٹر سے پوچھنا' سوال کر کر کے ان کا ناک میں دم کر دیتا ہے۔''

عبدالسمیع کا باپ کہتا لیکن پتا نہیں کیوں وہ بے چین سی رہتیں۔ ذرا اسے دیر ہو جاتی تو عبدالسمیع کو اٹھا کر اس کے اسکول کی طرف چل پڑتیں۔

وقت گزرتا گیا' پڑھ لکھ کر کیسا گھبرو جوان بن گیا تھا۔ وہ تو نظر لگ جانے کے ڈر سے جی بھر کر اس کی طرف دیکھتی بھی نہیں تھیں' پھر کتنے چاؤ سے زبیدہ خاتون سے انہوں نے اس کی شادی ٹھہرائی تھی لیکن عبداللہ نے صاف منع کر دیا۔

''عبدالسمیع کی کر دو۔''

''پر وہ تو ابھی صرف انیس سال کا ہے۔''

''میں کہہ رہا ہوں نا' اسی کی کر دو۔''

ان دنوں عبداللہ کے رنگ ڈھنگ ہی کچھ اور تھے۔ راتوں کو دیر تک جاگتا' عبادت کرتا۔ وہ چپ چاپ عبدالسمیع کے لیے زبیدہ کو بیاہ لائیں۔ عبداللہ کی بات پہلے کبھی ٹالی تھی جواب ٹال دیتیں۔

اور شادی کے صرف نو ماہ بعد عبدالسمیع کو اچانک ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ جانبر نہ ہو سکا۔ عبدالرحمٰن تو اس کی وفات کے تین ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ زبیدہ کے والدین نے اس کی شادی کر دی اور عبدالرحمٰن خدیجہ بیگم کی گود میں آ گیا۔

''تو جانتا تھا عبداللہ کہ عبدالسمیع مر جائے گا؟''

ایک روز پتا نہیں کس خیال کے تحت انہوں نے عبداللہ سے پوچھا تو اس کا رنگ سرخ پڑ گیا اور وہ ایک دم ہی اٹھ کر چلا گیا۔ ان دنوں گاؤں کے لوگ کہنے لگے تھے کہ عبداللہ اللہ والا ہو گیا ہے اور کبھی جو خدیجہ پوچھتیں۔

''سچ بتا عبداللہ! تو واقعی اللہ والا ہو گیا ہے؟'' تو وہ ہنس دیتا۔

''لوگ تو جھلے ہیں۔''

''تیرے بابا نے تیرا نام عبداللہ رکھا تھا۔''

وہ بہت خاموش طبع ہو گیا تھا۔ ہاں عبدالرحمٰن کو گود میں لے کر بیٹھتا تو پھر اس سے ہولے ہولے باتیں کرتا۔

''عبدالرحمٰن نہیں آیا؟''

عبداللہ نے اچانک پوچھا تو خدیجہ بیگم چونکیں۔

''ہوں' نہیں آیا۔ میں نے پوچھا تھا عبداللہ! تیرا کچھ کھانے کو جی چاہتا ہے کوئی خاص چیز بتا' میں بنا دوں گی۔ بچپن میں تجھے گڑ کے چاول بہت پسند تھے نا۔''

عبداللہ نے کچھ نہیں کہا' بس چپ چاپ ان کی طرف دیکھتا رہا اور پھر سر گھٹنوں پر رکھ دیا۔ خدیجہ بیگم کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

''اللہ جانے میرے عبداللہ کو کس کی نظر لگ گئی۔''

ایک ٹھنڈی آہ بھر کے وہ سر جھکا کے پھر سے گندلیں کاٹنے لگیں۔ اندر کمرے میں کسی نے بلند آواز سے ریڈیو لگایا تو عبداللہ نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں اور پیشانی پر لکیروں کا جال بنا تھا۔ ایک تیز چیخ اس کے حلق سے نکلی۔ یوں جیسے وہ کسی اذیت میں ہو۔ خدیجہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے حلق سے مسلسل چیخیں نکل رہی تھیں اور شدید اذیت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''عبداللہ..... عبداللہ! حوصلہ کر پتر' صبر۔''

خدیجہ نے چھری پھینکی اور اٹھ کر اسے سینے سے لگایا۔

''صبر پتر! حوصلہ..... حوصلہ کر۔''

لیکن وہ تڑپ رہا تھا' مچل رہا تھا اور خدیجہ بیگم انہیں بازوؤں کے حلقے میں لیے پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں' رو رہی تھیں اور اپنے اپنے کمروں سے باہر ان کی دیورانیاں کھڑی یوں دیکھ رہی تھیں' جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔

حالانکہ یہ آج کی بات تو نہیں تھی۔ پچیس سالوں سے عبداللہ یوں ہی اذیت سے تڑپتا تھا اور یوں ہی خدیجہ کبھی اس کا ہاتھ پکڑ کر' کبھی اسے سینے سے لگا کر روتی

تھیں، دعائیں کرتی تھیں لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی دیوانگی بڑھی ہی تھی، کم نہیں ہوئی۔ یکا یک اس نے ان کے بازو جھٹکے اور تیز تیز قدموں سے کھلے دروازے سے باہر نکل گیا اور خدیجہ بیگم وہیں نڈھال سی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ دکھ، تاسف، غم ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ کتنے دنوں بعد یوں سکون سے بیٹھا تھا۔ پھر پتا نہیں کس نے اتنی بلند آواز میں ریڈیو لگا دیا تھا۔ انہوں نے مڑ کر شاکی نظروں سے پیچھے دیکھا۔

برآمدے میں دونوں دیورانیاں ابھی تک کھڑی تھیں اور اندر کسی نے پھر ریڈیو کی آواز بلند کر دی تھی۔

''اور اب گلیوں میں بھٹکتا پھرے گا جانے کب تک، عبدالرحمٰن ہوتا تو.....''

وہ اٹھیں، زمین پر پڑی چھڑی اٹھائی اور پھر سے ساگ کاٹنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

خسرو نے کیپ اتار کر ٹیبل پر رکھی اور ریلیکس ہونے کیلئے ٹانگیں پھیلا کر سر کرسی کی پشت سے ٹیک دیا۔ کتنے دن ہو گئے تھے بھاگ دوڑ کرتے لیکن حاصل کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ ہر جگہ ہی مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

وہ ایس پی ممتاز حسن سے ذاتی طور پر ملا تھا۔ اس سے پہلے ہمیشہ ہی وہ اس سے بہت اچھی طرح ملتے تھے۔ اس کے والد کے حوالے سے وہ سبھی بہت مہربان تھے۔ پہلی بار جب وہ ان سے ملا تھا تو وہ چونکے تھے اور یہ جان کر کہ وہ ایس پی ظہیر حسین شاہ کا بیٹا ہے تو انہوں نے ظہیر حسین شاہ کی بہت تعریف کی تھی اور جتایا تھا کہ وہ اکیڈمی میں ان کے ساتھ تھے اور پھر کتنی ہی دیر تک وہ اس سے اس کے والد کی باتیں کرتے رہے تھے۔

اس نے اپنے والد کو نہیں دیکھا تھا۔ ان کی شفقتوں اور محبتوں کے ذائقے نہیں چکھے تھے۔ کیسی تشنگی تھی اس کے اندر اپنے والد سے متعلق، ان کے بارے میں سننا اسے بہت اچھا لگا تھا اور اب بھی انہوں نے اس کی ساری باتیں بہت دھیان سے سنی تھیں، اور ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''انسپکٹر خسرو شاہ! تم بالکل اپنے والد کی طرح ہو Ambitious اور کچھ کر دکھانے کی دھن ہے، معاشرے کو سنوارنے اور برائیوں سے پاک کرنے کا جذبہ اس

میں بھی بالکل تمہاری طرح تھا۔ وہ زندہ رہتا تو یقیناً کچھ خاص کرتا، بہرحال اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''سر! میں چاہتا ہوں کہ قانونی طور پر اس جادو ٹونے کے کاروبار کو بند کروایا جائے۔ یہ ایک ایسا زہر ہے جو آہستہ آہستہ پورے معاشرے میں پھیلتا جا رہا ہے اور یہ زہر ہماری رگوں میں اتر کر ہمیں نقصان پہنچا رہا ہے اور ہم اس سے بے خبر ہیں۔ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ دین سے دوری.....اور لاعلمی ہمیں گڑھے میں گرا رہی ہے سر.....ایک مسلم ملک اور مسلم معاشرے میں ان کی گنجائش نہیں ہے سر.....! ان پر مکمل پابندی ہونی چاہیے۔''

وہ جوش میں آ گیا تھا۔

''یہ دو ننھے بچوں کا قتل ہے جو سامنے آیا ہے، نہ جانے اور کیا کچھ نگاہوں سے اوجھل ہے۔''

''اٹس اوکے انسپکٹر خسرو شاہ! لیکن تم کس کس زہر کا تریاق ڈھونڈو گے؟'' ایس پی ممتاز حسن کی آواز میں کرب امڈ آیا۔

''کس کس نقصان کا تدارک کرو گے۔ مجھے تو کبھی کبھی یوں لگتا ہے جیسے ایک طرف ہم مسلمانوں کی ذات ہے اور چاروں اطراف دشمن گھات لگائے بیٹھے تیر اندازی کر رہے ہیں اور نشانے پر ہم ہیں، ہم مسلمان۔ صرف ہم۔ کہیں کیبل پر دکھائے جانے والے پروگراموں کی صورت میں، کہیں میڈیا کے ذریعے تہذیب و ثقافت پر حملہ کر کے کہیں.....''

چھوڑو تم جو کرنا چاہو کرو میں آئی جی صاحب سے بات کر لوں گا۔ کاش ہمارا ایمان اتنا کمزور نہ ہوتا اور ہم اسلام کی اصل روح کو سمجھتے تو ان کا کاروبار کیوں چلتا۔''

وہ ایس پی صاحب سے مل کر ہمیشہ ہی بہت مطمئن ہو جاتا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ ہی اس کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ کئی جگہوں پر اس نے چھاپے مارے تھے جن کے متعلق اسے پتا چلا تھا کہ بظاہر عامل کے روپ میں یہ لوگ کالا جادو کرتے ہیں۔ کچھ تو بہروپیے تھے اور کچھ حقیقتاً یہ کاروبار کر رہے تھے۔

انہوں نے یہ کام کیوں اور کیسے شروع کیا تھا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا لیکن بڑی

عجیب بات ہوئی تھی وہ جہاں بھی گیا' وہ جگہ خالی ملی۔ پتا چلا' عامل صاحب تو اچانک کہیں چلے گئے۔

خالی گھروں کی تلاشی لینے پر بھی کچھ خاص دستیاب نہیں ہوا تھا۔ جوگی سائیں بھی ابھی تک پکڑا نہیں گیا تھا۔

''ان کے پاس واقعی کچھ ہے جی' کوئی ہمزاد' کوئی موکل جو انہیں بتا دیتا ہے کہ ہم چھاپہ مارنے والے ہیں۔ حوالدار حنیف تو فوراً ہی متاثر ہو جاتا تھا۔

''میں جانتا ہوں ان ہم زادوں کو اچھی طرح۔'' خسرو نے اسے گھورا۔

لیکن خسرو کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ سب انسپکٹر زاہد نے ایک شخص کی مخبری پر لاہور کے نواح میں ایک چھوٹے سے گاؤں کے قریب چھاپہ مارا تھا' جہاں گلاب سنگھ نامی ایک شخص بظاہر عامل بنا ہوا تھا اور جھاڑ پھونک کے علاوہ کالے علم کا توڑ بھی کرتا تھا۔ اس شخص نے بتایا تھا کہ..... گلاب سنگھ نے اس کے رشتے کے بھائی کو پاگل بنا چھوڑا ہے اور رات کو اس کے گھر سے چیخوں کی آوازیں آتی ہیں۔''

اب نہ جانے گلاب سنگھ کو کیسے خبر ہوئی تھی کہ وہ سب انسپکٹر زاہد کے پہنچنے سے پہلے ہی غائب ہو گیا تھا۔

البتہ اس کے ٹھکانے سے زنجیر میں بندھا ایک شخص مل گیا تھا جس کی آنکھوں میں وحشت تھی اور بال بڑھے ہوئے۔ وہ کون تھا' وہاں کیوں قید تھا' یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ اس شخص کی ذہنی حالت ٹھیک نہ تھی' وہ بس خاموشی سے ٹکر ٹکر دیکھتا تھا۔ اسے فی الحال ہاسپٹل میں داخل کروا دیا گیا تھا اور ڈاکٹر اس کی نگہداشت کر رہے تھے۔

''سر.....!'' سب انسپکٹر زاہد اجازت لے کر اندر داخل ہوا تو خسرو نے چونک کر پاؤں سمیٹ لیے۔ وہ بہت پرجوش لگ رہا تھا۔

''سر! جوگی سائیں گرفتار ہو گیا۔''

''رئیلی!'' خسرو یکدم کھڑا ہو گیا۔

''کہاں ہے' لاؤ اسے۔''

''بہتر سر.....!'' کچھ ہی دیر بعد زاہد' جوگی سائیں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

دو سپاہی اس کے پیچھے تھے۔ خسرو نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کیا بات ہے انسپکٹر۔ کیوں لایا گیا ہے مجھے یہاں؟''

''یہ بھی بتا دیتے ہیں سائیں جی! پہلے یہ تو بتایئے کہاں چلے گئے تھے آپ؟'' حوالدار حنیف نے پوچھا۔

''ہم اللہ والے ہیں' مخلوق خدا کی خدمت کرتے ہیں اور ہمارا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں ہے۔ جب حکم ہوتا ہے' چل پڑتے ہیں۔''

اس نے خسرو پر ایک تیز نظر ڈالی۔

''سائیں جی! اسلم گرفتار ہو گیا ہے اور اس نے بیان دیا ہے کہ آپ کے کہنے پر اس نے کاکے کا گلا کاٹا تھا اور خون آپ کو دیا تھا۔''

''انسپکٹر تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ میں نے بھلا کس لیے اسے بچے کو قتل کرنے کو کہنا تھا۔''

''اس کا کہنا تھا کہ اس کی نوکری کیلئے آپ کو جو عمل کرنا تھا' اس کیلئے آپ نے اسے بچے کا خون لانے کو کہا تھا۔''

''فرض کرو' میں نے ایسا کہا بھی ہو تو اس کے پاس عقل نہیں تھی۔ قتل اس نے کیا' مجھے تم کس حساب میں پکڑ لائے ہو۔''

''تم نے گمراہ کیا ہے اسے؟'' سب انسپکٹر زاہد ضبط نہ کر سکا۔ جوگی سائیں نے مڑ کر تمسخر سے اسے دیکھا۔

''اچھا میں نے گمراہ کیا ہے تو کس کتاب میں لکھا ہے کہ گمراہ کرنے پر تم مجھے پکڑ کر حوالات میں بند کر دو' کون سی دفعہ لگتی ہے اس پر۔''

''یہ تو میں تمہیں بتاتا ہوں کون سی دفعہ لگتی ہے۔'' سب انسپکٹر زاہد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ خود ان کا ڈسا ہوا تھا۔

''مجھے اجازت ہے سر!'' اس نے خسرو کی طرف دیکھا تو خسرو نے سر کے اشارے سے اسے لے جانے کیلئے کہا۔ سب انسپکٹر زاہد نے بازو سے پکڑ کر اسے اٹھایا۔

''آؤ جی سائیں جی! ادھر ڈرائینگ روم میں چل کر گپ شپ لگاتے ہیں۔''

''یہ کہاں سے مل گیا بھئی؟'' اس کے جانے کے بعد خسرو نے محمد حنیف سے پوچھا۔

''وہ جی اپنے زاہد صاحب کی بیوی بیمار رہتی ہے۔ کوئی کہتا ہے سایہ ہے' کوئی کہتا ہے کسی نے جادو کر دیا ہے۔ کل شام کو زاہد کی والدہ' بہو کو ایک عامل کے پاس لے کر گئی اور بیٹے کو بتایا کہ یہاں قریب ہی ایک عامل ہیں' جوگی ہیں اور بڑے پہنچے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ بہو پر کسی نے کالا جادو کیا ہے۔'' زاہد کھٹک گیا۔

''اور جب سادہ لباس میں گیا تو پتا چلا کہ یہ تو وہی نکے گاؤں والا جوگی ہے۔ بس جی پھر آپ کے سامنے۔''

''زاہد نے اپنی مسز کو کسی ڈاکٹر کو نہیں دکھایا۔''

''دکھایا ہے جی! لیکن مرض سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

خسرو نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔ تب ہی فون کی بیل ہوئی۔ دوسری طرف اسعد تھا۔

''یار! آج میں نے ایک بہت زبردست آرٹیکل لکھا ہے۔ تمہارے ان عاملوں کے متعلق اور اپنے ایڈیٹر صاحب سے سروے کی اجازت بھی لے لی ہے۔''

''گڈ!'' خسرو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''آج جوگی سائیں بھی پکڑا گیا ہے۔''

''رئیلی!'' اسعد کو خوشی ہوئی۔

''میں آ رہا ہوں' ذرا جوگی سائیں کا انٹرویو بھی کر لوں گا۔''

''آ جاؤ لیکن ایک بات بتاؤں' اس شخص کو دیکھ کر عجیب کراہیت کا احساس ہوتا ہے۔ میں تو زیادہ دیر اس سے نظر نہیں ملا سکتا۔''

''ایسے غلط اور غلیظ کام کرنے والے لوگوں کو دیکھ کر کراہیت کا ہی احساس ہوتا ہے۔'' اسعد نے بھی اس کی تائید کی۔

''لیکن یار! یہ تو بتاؤ' اب کیا کرو گے؟''

''اب..... پتا نہیں..... اسلم کو تو کل عدالت میں پیش کر دیا تھا لیکن جوگی

سائیں کا میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کے خلاف میں کیا کیس تیار کروں۔ اسلم نے تو اپنا جرم تسلیم کر لیا ہے' اسے تو شاید سزا ہو جائے گی لیکن یہ جوگی سائیں مجھے خدشہ ہے کہ بچ جائے گا۔ حالانکہ سزا اسے بھی ملنی چاہیے۔ اسلم نے بچے کا قتل بہرحال اس کے کہنے پر ہی کیا ہے۔''

''تم اپنی رپورٹ تیار کر کے اسے بھی پیش کر دو۔ سزا کا فیصلہ تو عدالت میں ہونا ہی ہے۔''

اسعد نے کہا اور کچھ دیر بعد آنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ حنیف' خسرو کو بات کرتے دیکھ کر باہر چلا گیا تھا۔ ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے خسرو نے سوچا کہ اسعد وہ سب کچھ کر رہا تھا جو وہ چاہتا تھا۔ اسعد کے قلم میں تاثیر ہے شاید وہ لوگوں کو ایجوکیٹ کر سکے لیکن صرف ایک تنہا اسعد کیا کر سکتا ہے۔ اس کیلئے تو ہر سطح پر کام ہو تو تب ہی لوگوں کو ایجوکیٹ کیا جا سکتا ہے اور یہی بات کل عمارہ نے کہی تھی۔

''اصل بات یہ نہیں ہے کہ آپ ملک میں اس جادو ٹونے کا کاروبار کرنے والوں کا قلع قمع کر دیں کچھ عرصہ بعد وہ پھر یہی کچھ شروع کر دیں گے۔ اصل بات عوام کو ایجوکیٹ کرنا ہے۔ انہیں بتانا ہے کہ یہ کفر ہے' گناہ ہے۔''

اسے عمارہ کی بات پسند آئی تھی اور عمارہ ہمیشہ ہی بہت ٹھوس بات کیا کرتی تھی۔ عمارہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کی نسبت زیادہ باشعور اور سمجھ دار تھی۔

''عمارہ کسی بھی شخص کا خواب ہو سکتی ہے اور اس جیسی لڑکی کی رفاقت کسی بھی مرد کیلئے باعث خوشی اور باعث فخر ہو سکتی ہے تو پھر وہ مرد میں ہی کیوں نہیں۔''

بالکل اچانک یہ خیال اس کے ذہن میں آیا تو وہ چونکا اور خوشگوار سی دھڑکنیں اندر ہر جگہ پھول کھلاتی چلی گئیں اور بے اختیار مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

''یعنی میں..... انسپکٹر خسرو شاہ..... کمال ہے' میں نے کبھی عمارہ کیلئے اس طرح نہیں سوچا۔ حالانکہ شروع سے' بچپن سے ہی میں اس لڑکی سے متاثر ہوں۔''

کتنے ہی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔

ایک بار جب وہ بیمار ہوا تھا' معمولی ملیریا تھا تو عمارہ تو جیسے کھانا پینا سب

بھول گئی تھی۔ جتنے دن اسے ٹمپریچر رہا' عمارہ' امی کے ساتھ ساتھ اس کی تیمارداری میں مصروف رہی۔ کئی بار اس کی آنکھوں میں اس نے آنسو بھی دیکھے تھے۔

پھر عمارہ کی آنکھوں اور چہرے پر اس کے آنے سے جو چمک آجاتی تھی' اس کا کبھی کبھی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھنا' یعنی جو بات اس کے ذہن میں اب آئی تھی' عمارہ کے ذہن میں بہت پہلے سے تھی۔

ہونٹوں پر بکھری مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''تو عمارہ بیگم' تم نے دل کی ریاست میں اپنی مسند سنبھال لی اور بے چارہ انسپکٹر خسرو شاہ بے خبری میں مارا گیا۔ یعنی حد ہوگئی ہے' میں یعنی انسپکٹر خسرو شاہ اپنے ہی دل میں چھپے جذبوں سے بے خبر تھا اور اگر اب بھی بے خبر رہتا تو تھوڑے ہی عرصے میں تم چل دیتیں پرائے گھر..... اور اس خیال سے ہی اس کا دل جیسے ایک لمحے کو ڈوب سا گیا' لیکن دوسرے ہی لمحے وہ مسکرا دیا۔

''لیکن اب نہیں' اب اتنی آسانی سے نہیں جانے دیں گے ہم آپ کو عمارہ جی۔''

یکا یک اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ عمارہ کی طرف جائے' اسے دیکھے۔ اس احساس کے ساتھ جو ابھی ابھی دل کی زمین پر اچانک خود بخود اگ آیا تھا۔

اس کی لانبی پلکوں کا جھکنا اور اٹھنا کتنا دلفریب ہوتا ہے اور..... اور اسے بتائے کہ وہ..... یعنی انسپکٹر خسرو حسین شاہ نے آج اچانک اس کے متعلق اپنے دل میں ایک بالکل نیا اور انوکھا جذبہ محسوس کیا ہے۔

تب ہی اسعد آ گیا۔

''کہاں ہے وہ تیرا جوگی سائیں' ذرا ملاقات تو کرادے تاکہ ایک زبردست خبر تیار کرسکوں۔''

''ادھر ہی ہے' ذرا زاہد ڈرائنگ روم کی سیر کرانے لے گیا ہے اسے۔ ابھی بلواتا ہوں۔''

خسرو نے اسعد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور حوالدار حنیف کو آواز دے کر جوگی

سائیں کو لانے کو کہا اور خود اسعد سے پھپھو اور اژمیر کے متعلق پوچھنے لگا۔

''سب ٹھیک ہیں' بلکہ آج شام سب تمہاری طرف آنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔''

''اچھا!'' خسرو خوش ہوگیا۔

''امی بہت خوش ہوں گی' تم بھی آؤ گے نا؟''

''شاید۔''

اسعد دروازے سے اندر داخل ہوتے جوگی کو دیکھ کر چونکا جبکہ جوگی بھی دروازے کے قریب ہی ٹھٹک کر رک گیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اسعد سے نظریں ہٹا کر خسرو کو دیکھنے لگا۔

''انسپکٹر! ہم فقیروں کو تنگ نہ کرو' نقصان اٹھاؤ گے۔''

''فقیر معصوم بچوں کو قتل نہیں کرواسکتے سائیں جی!''

خسرو نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔ اسعد ہنوز اسے دیکھ رہا تھا پھر جیسے اچانک اس کے ذہن میں بجلی سی کوندی۔

''یہ جوگی سائیں تو وہ تھا ڈھوک رتہ میں شاہ معصوم کی خانقاہ پر بیٹھنے والا سائیں بابا۔''

''تم ڈھوک رتہ والے سائیں ہو نا جس نے دم کرانے کیلئے آنے والی لڑکی کو قتل کر دیا تھا اور بھاگ گئے تھے وہاں سے؟'' جوگی سائیں نے پیچھے مڑ کر دیکھا' حنیف محمد نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''آرام سے' آرام سے سائیں جی!'' سب انسپکٹر زاہد بھی جیسے اس کا ارادہ جان کر اس کے دائیں طرف چوکنا ہو کر کھڑا تھا۔ جوگی سائیں نے بے بسی سے دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اسعد کو۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بابا! ہم تو کبھی ڈھوک رتہ نہیں گئے۔''

''ہم ان دنوں سروے کر رہے تھے مختلف خانقاہوں کا اور اسی سلسلے میں ڈھوک رتہ بھی گئے تھے۔ اس پہاڑی علاقے کے حسن نے تو ہمیں اسیر کرلیا تھا۔ اس جوگی

سائیں کی تصاویر بھی لی تھیں ہم نے۔ علاقے کی خوبصورتی کو دیکھنے کے لئے سروے کے بعد ہم رک گئے تھے' ایک دن کیلئے وہاں' تب ہی پتا چلا کہ یہ ایک لڑکی کو قتل کر کے بھاگ گیا ہے۔ آبادی سے خاصی دور تھی خانقاہ' نیچے پہاڑوں کے دامن میں۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' جوگی سائیں کی آواز دھیمی تھی۔

''یار خسرو!'' اسعد' خسرو کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''تیرا کام بن گیا ہے تو اس کو سزا دلوانا چاہتا تھا تو بس قتل کا کیس تیار کروالے۔''

خسرو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''زاہد۔''

''جی سر! زاہد اٹین شن ہوگیا۔

''اسے لے جاؤ' کل اس کا ریمانڈ لو اور پھر سب کچھ اگلواؤ اس سے۔''

''بہتر سر۔''

وہ جوگی سائیں کو لے کر چلے گئے۔ جاتے جاتے جوگی نے ایک غصیلی نظر دونوں پر ڈالی تھی۔

''تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔''

''سب ایسے ہی کہتے ہیں بھائی۔'' حنیف محمد نے اسے پیچھے سے دھکا دیا۔

''چلو کل کے اخبار کے لیے تمہیں ایک گرما گرم خبر مل گئی ہے۔'' خسرو ہنسا۔

''تین سال پہلے ایک لڑکی کو قتل کر کے بھاگنے والا سائیں بابا گرفتار۔''

اسعد بھی مسکرایا۔

''کیا خیال ہے' اب گھر نہ چلیں؟''

''چلتے ہیں' پہلے چائے تو پی لو۔''

خسرو نے چائے لانے کا کہا اور اسعد کو جوگی سائیں کی گرفتاری کی تفصیل بتانے لگا۔

☆ ☆ ☆

''آپی.....!'' مازیہ نے پڑھتے پڑھتے یکا یک کتاب بند کرتے ہوئے عمارہ کی طرف دیکھا جو رائٹنگ ٹیبل پر جھکی کچھ لکھ رہی تھی۔

''کیا؟'' عمارہ نے یونہی لکھتے لکھتے پوچھا۔

''خسرو بھائی! آپ کو کیسے لگتے ہیں؟''

''کیا مطلب؟'' اب کے عمارہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''وہ ہمارے ماموں کے بیٹے ہیں اور ظاہر ہے اچھے ہی لگیں گے۔''

''نہیں' میرا مطلب ہے ویسے آپ کو کیسے لگتے ہیں؟''

''ویسے کیسے؟'' عمارہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''افوہ!'' مازیہ نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔

''میں آپ کو اپنا مطلب سمجھا نہیں پا رہی۔''

''میرا مطلب ہے کہ.....اوگاڈ' آپ خود ہی سمجھ جائیں نا۔''

وہ جھنجھلا گئی اور عمارہ کے رخساروں پر رنگ سا دوڑ گیا اور اندر دھڑکنوں نے کہیں اودھم مچا دیا۔

''فضول باتیں مت کرو۔'' اس نے مازیہ کو ڈانٹا۔

''فضول بات نہیں آپی! سچی۔''

وہ بیڈ سے اتر کر اس کی کرسی کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

''میں کل سوچ رہی تھی کہ اگر خسرو بھائی کی شادی آپ سے ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔ کتنے اچھے ہیں خسرو بھائی' ہیں نا؟''

عمارہ کچھ نہ بول سکی۔ یکدم آنکھوں کے سامنے خسرو کا سراپا لہرایا تھا۔ گہری نظروں سے اسے تکتا ہوا۔ اس سے پہلے تو کبھی اسے خسرو کی نظروں کی تپش کا احساس نہیں ہوا تھا لیکن کل شام وہ سب ان کے گھر گئے تھے۔ کچھ دیر بعد جب وہ چائے پی رہے تھے خسرو بھی آ گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ اور باوقار سا اور ہمیشہ کی طرح اسے دیکھ کر اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ خسرو کتنا مختلف ہے۔ آج کل کے چھچھورے لڑکوں کے مقابلے میں اور شاید اپنے ہم عمر لڑکوں کے مقابلے میں کچھ سنجیدہ بھی۔ وردی میں وہ بہت

شاندار لگ رہا تھا۔

''کچھ لوگوں پر یونیفارم بہت جچتا ہے۔'' اس نے اس لمحے سوچا تھا۔

''خسرو بھائی!'' تب ہی چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اژمیر نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

''پلیز یونیفارم چینج کرلیں جا کر مجھے بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ابھی کوئی دفعہ لگا کر گرفتار نہ کرلیں۔''

خسرو مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔

''او کے برادر۔''

اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ سیاہ شلوار سوٹ میں شرٹ کی آستینیں موڑتا ہوا عمارہ کے پاس آ کر رکا۔

''پلیز ایک کپ چائے۔ گو یہ فرض میرا ہے لیکن اس وقت میزبانی آپ کر رہی ہیں۔''

اور عمارہ کا دل پتا نہیں کیوں تیزی سے دھڑک اٹھا تھا۔ اس کے مخصوص کلون کی خوشبو اس کے اردگرد پھیل گئی تھی۔ اس نے خاموشی سے پیالی اپنی طرف کھسکا کر چائے بنائی۔ خسرو اس کے پاس سے ہٹ کر بالکل سامنے اژمیر کے پاس جا بیٹھا تھا۔ وہ سب اژمیر کے ساتھ آئے تھے اور تب چائے کی چسکیاں لیتے' اژمیر کے ساتھ باتیں کرتے' اس کی باتوں پر قہقہے لگاتے کئی بار عمارہ نے اس کی نظروں کو خود پر محسوس کیا تھا۔ کچھ کہتی ہوئی' پیغام دیتی نظریں۔ اس سے پہلے تو خسرو نے کبھی اس طرح نہیں دیکھا تھا اسے وہ کچھ مضطرب سی نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔ حالانکہ اس سے پہلے تو کبھی اسے خسرو کے سامنے بیٹھنے' اس سے باتیں کرنے میں جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی۔

یہ محض خسرو کی نظروں کا کمال تھا یا اس کے اپنے دل میں بھی کوئی چور چھپا تھا کہ وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

''میں ذرا مازیہ کو دیکھوں۔''

''کیا پہلے کبھی نہیں دیکھا؟'' اژمیر نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔

''بیٹھ جاؤ عمارہ! اسے رابیل سے گپ شپ لگانے دو خود ہی آ جائے گی۔'' خسرو نے کہا۔

''اور پھر وہاں کیا کرو گی جا کر' ضویا تو اپنے کمرے میں ٹی وی کے آگے بیٹھی ہو گی اور مازی رابی اپنی باتوں میں مگن ہوں گی۔''

''ہاں' کباب میں ہڈی بننے کی کیا ضرورت ہے۔''

اژمیر نے فوراً خسرو کی تائید کی تو وہ پھر بیٹھ گئی۔

''ویسے خسرو بھائی! یہ کچھ مغرور سی نہیں ہیں۔ ایک دو بار پہلے نظر پڑی تو مجھے بہت اکڑی ہوئی سی لگیں بلکہ دو راتیں تو میں یہ سوچ کر پریشان ہوتا رہا کہ محترمہ اتنی اکڑی ہوئی ہیں' کہیں تختہ ہی نہ بن جائیں اکڑے اکڑے۔''

''لیکن بھائی! پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں ان کیلئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی؟'' خسرو نے اژمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''کیا کریں سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔'' اژمیر کے ٹھنڈی سانس بھرنے پر خسرو ہنس دیا۔

''اسے سمجھائیں خسرو بھائی! جو شاخ جھک نہیں سکتی' وہ ٹوٹ جاتی ہے۔''

''خیریت ہے اژمی؟'' خسرو نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''بالکل خیریت۔'' عمارہ نے اژمی کو آنکھیں چراتے دیکھا تو کچھ حیران سی ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے اپنی کسی کلاس فیلو کا ذکر بڑے زور و شور سے کرنے لگا تھا جو بقول اس کے اسے گھاس تک نہ ڈالتی تھی اور وہ اس کی نظر التفات کے لیے تڑپ رہا تھا۔

مامی نے کھانے پر روک لیا تھا سب کو۔

''میں کہتی ہوں آمنہ! خسرو کی شادی کر دو' تمہاری تنہائی بھی دور ہو جائے گی۔'' عفت نے مشورہ دیا۔

''خسرو مانے بھی تو۔''

آمنہ نے خسرو کی طرف دیکھا جس کی نظریں بے اختیار عمارہ کی طرف اٹھی

تھیں اور ہونٹوں کے گوشے میں مسکراہٹ لمحہ بھر کو ابھر کر معدوم ہوگئی تھی۔

''کیوں خسرو! تمہیں کیا اعتراض ہے؟''

عفت نے اچانک پوچھا تو اس نے نظریں عمارہ کے چہرے سے ہٹائیں۔

''نہیں، مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ بس کچھ وقت چاہیے۔''

''کتنا وقت بیٹا! ماں کی تنہائی کا ہی خیال کرلو۔''

''جی پھپھو! زیادہ نہیں۔ بس یہی سال ڈیڑھ سال ہے۔'' اور خسرو کی بات سن کر آمنہ کے چہرے پر رنگ سے بکھر گئے تھے۔

''یہ تو کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہے۔ اتنا عرصہ تو لڑکی تلاش کرنے میں ہی لگ جائے گا۔'' اژمیر نے ٹانگ اڑائی۔

اور پھر پولیس والوں کو تو مشکل سے ہی رشتے ملتے ہیں۔ مامی کی تو جوتیاں گھس جائیں گی۔ لوگ کہیں گے ہم نہیں دیتے اپنی بیٹی پولیسے کو۔'' اس کی بات پر تو سب ہی ہنس دیے۔

''تم بے فکر رہو، امی کی جوتیاں گھسنے کی نوبت نہیں آئے گی۔''

خسرو نے پھر ایک نظر عمارہ پر ڈالی تھی۔ گہری، اندر تک اترتی ہوئی۔

''ہیں، کیا کوئی پسند کر رکھی ہے؟'' اژمیر نے چونکنے کی ایکٹنگ کی۔

''کیا کوئی پولیس آفیسر ہے۔ ویسے یہ اچھا کیا ہے آپ نے۔ مامی کو تلاش کی زحمت سے بچالیا۔ ویسے ہے کیسی.....؟ جلدی سے بتادیں۔'' اژمیر بولنے پر آتا تو بولتا ہی چلا جاتا تھا۔ ناک، کان، قد، رنگ۔''

خسرو نے اس کی پیٹھ پر دھموکا جڑا تو وہ بلبلا اٹھا۔

''یعنی بہت خطرناک ہے۔''

''اژمی! تم اپنی زبان کو بریک نہیں لگا سکتے کچھ دیر کو۔'' عمارہ کو پتا نہیں کیوں بہت برا لگا تھا اس وقت۔

خسرو نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ کچھ جتاتا ہوا سا انداز تھا۔

''کیا کروں، زبان کو کھجلی ہونے لگتی ہے۔ ہاں تو خسرو بھائی! بتائیں نا کیسی

ہیں وہ ہماری ہونے والی بھابھی؟''

''بالکل تمہارے جیسی۔''

''ہائیں تو کیا آپ صنف نازک کے بجائے..... یہ امریکہ نہیں ہے خسرو بھائی! یہاں ابھی ایسا کوئی قانون رائج نہیں ہوا۔ ویسے جس طرح ہم ہر بات میں امریکوں کی نقل کرتے جارہے ہیں، ممکن ہے کسی روز یہاں بھی یہ قانون.....۔''

''مائی گاڈ اژمیر! سوچے سمجھے بغیر بولتے ہو تم۔''

خسرو جھینپ گیا تھا اور پھر اسے کھینچتے ہوئے اپنے کمرے میں لے گیا۔

''آؤ، تمہیں ایک نئی ویب سائٹ دکھاؤں۔ تمہارے شعبے سے متعلق ہے۔''

اور وہ مامی کے ساتھ ہی کچن میں چلی آئی تھی۔

''مامی! بتائیں کیا پکانا ہے، میں پکالوں گی۔''

''جو دل چاہے اپنی مرضی سے بنالو۔ فریج میں سب کچھ ہے۔''

''ٹھیک ہے تو پھر آپ جاکر بیٹھیں امی کے پاس۔''

اور جب وہ چکن فرائیڈ رائس کیلئے چکن فرائی کر رہی تھی تو خسرو، اژمیر کو کمپیوٹر کے ساتھ مصروف چھوڑ کر کچن میں چلا آیا۔

''کیا کرنے لگی ہو عمارہ! تھکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بازار سے لے آؤں گا سب۔''

''میں چائنیز بنا رہی ہوں اور ساتھ میں کڑاہی بنالوں گی۔ چکن ہے فریج میں اور مامی بتا رہی تھیں، صبح کا قیمہ اور شملہ مرچ بھی کافی زیادہ موجود ہے۔''

اس نے مٹر چھیلتے ہوئے خسرو کی طرف دیکھا۔ ہمیشہ جیسا نرم لہجہ اور مہربان سی آواز۔

''اچھا صرف چاول پکالو اور کچھ مت پکانا۔ میں روسٹ اور کڑاہی باہر سے لے آؤں گا۔''

''لیکن اس میں کیا حرج ہے؟''

''کوئی حرج نہیں گڈ گرل! لیکن تم مہمان ہو اور پھر میرا جی چاہ رہا ہے بازار کا

روسٹ کھانے کو۔''

وہ کہہ کر چلا گیا تھا' اس طرح تو وہ ہمیشہ ہی خیال کرتا تھا پھر نئی بات کیا تھی۔

ہاں وہ اس کا دیکھنا..... لیکن شاید وہم تھا اس کا۔ اس کے بعد تو اس نے کئی بار چوری چوری اسے دیکھا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے' برتن سمیٹتے ہوئے۔

''کیا خبر اژمی کا اندازہ صحیح ہو۔ اس نے کوئی لڑکی پسند کر لی ہو۔ کیا خبر کوئی پولیس آفیسر ہی یا..... یا پھر کوئی اور.....'' اسے لگا جیسے اس کے دل نے ایک دھڑکن مس کر دی ہو۔

''یہ کیا الٹی سیدھی باتیں تمہارے دماغ میں آتی رہتی ہیں مازی!''

اس نے مڑ کر کرسی کے پیچھے کھڑی مازیہ سے ناراضگی سے کہا۔

''الٹی سیدھی کہاں آپی! وہ عابدہ خالہ ہیں نا' وہی زنیرا باجی کی امی۔ وہ کل امی سے کہہ رہی تھیں کہ ایک رشتہ ہے ان کی نظر میں' لڑکا کہیں کسی کالج میں پروفیسر ہے اور زنیرا باجی کے سسرالی عزیزوں میں سے ہے۔ اچھے لوگ ہیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ اگر خسرو بھائی.....''

''امی نے کیا کہا مازی؟'' عمارہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔

''انہوں نے کہا تھا' وہ ابو سے بات کریں گی۔''

''اور ابو نے کیا کہا؟'' اس کا لہجہ یکدم سرگوشی جیسا ہو گیا۔

''پتا نہیں آپی! مجھے تو پتا نہیں لیکن وہ خسرو بھائی.....'' مازیہ کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''یہ کیا خسرو بھائی' خسرو بھائی لگا رکھی ہے۔ جاؤ جا کر پڑھو۔''

عمارہ نے جھنجھلا کر کہا تو مازیہ حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے پھر بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی اور کتاب کھول کر ہل ہل کر پڑھنے لگی۔ عمارہ نے قلم اٹھایا' کتاب پر نظر دوڑائی کہ پڑھ کر نوٹس تیار کر سکے' لیکن لفظ آگے پیچھے دوڑنے لگے تھے اور دماغ میں اژمیر کی آواز گونجی۔

''تو گویا لڑکی پسند کر رکھی ہے۔''

اور پھر خسرو کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی یکدم چمک۔

اور پھر مازیہ کی آواز۔

''اگر آپ کی خسرو بھائی سے شادی ہو جائے۔''

''اور لڑکا پروفیسر ہے۔ زنیرہ کے سسرالی عزیزوں میں سے۔'' اس نے جھنجھلا کر قلم رکھ دیا۔

''آپی!'' مازیہ نے کتاب پکڑے پکڑے پرسوچ انداز میں کہا۔

''اگر وہ پروفیسر گنجا ہوا سر حبیب کی طرح تو پھر.....''

''پھر تمہارا سر۔'' عمارہ نے غصے سے کہا اور اٹھ کر باہر چلی گئی۔

''پتا نہیں آپی کو اتنا غصہ کس بات پر ہے۔'' مازیہ نے حیرت سے سوچا۔

''ویسے اگر وہ سچ مچ گنجا ہوا تو آپی کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں سجے گا اور خسرو بھائی..... ہاں خسرو بھائی لیکن پتا نہیں خسرو بھائی۔ وہ..... وہ ضویا بجو بھی تو ہیں نا۔ اتنی خوبصورت اور امیر..... کیا پتا وہ ان سے شادی کریں۔ ہاں شاید ان سے ہی کریں گے۔''

کتاب بند کر کے وہ اپنا یہ خیال عمارہ کو بتانے کیلئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

''اور پتا ہے اس کا نام ابتسام ملک ہے۔'' عالیہ نے بتایا۔

''تمہیں کیسے پتا چلا؟'' ضویا کو حیرت ہوئی۔

''بس چل گیا۔ ڈھونڈنے سے تو سنا ہے خدا بھی مل جاتا ہے اور یہ تو محض ایک بندے کا نام ہی پتا کرنا تھا اور میں نے تو اور بھی بہت کچھ پتا کر لیا ہے۔''

''مثلاً کیا؟''

ضویا نے ہاتھ میں پکڑی فائل نیچے رکھ دی' وہ دونوں اس وقت لان میں بیٹھی تھیں۔ باٹنی کی ٹیچر آج نہیں آئی تھیں۔ یوں پیریڈ فارغ تھا۔ ان کی کلاس کی کچھ لڑکیاں تو لان میں بیٹھی تھیں اور کچھ لائبریری میں چلی گئی تھیں کچھ پڑھاکو لڑکیاں کلاس روم میں ہی رہ گئی تھیں۔ ضویا کا ارادہ بھی کلاس روم میں ہی رک کر ٹیسٹ کی تیاری کرنے کا تھا' لیکن عالیہ اس کا ہاتھ پکڑ کر لان میں لے آئی تھی۔

''یار! چھوڑو پڑھ لینا۔ میرے پاس بہت بمباسٹک نیوز ہے۔'' اور اب وہ ابتسام ملک کے متعلق بتا رہی تھی۔

''دو بھائی ہیں..... یہ چھوٹا ہے۔ بڑا امریکہ میں ہے۔ اس کے والدین بھی وہیں رہتے ہیں۔ بڑے بیٹے کے ساتھ اور وہاں بھی بہت بڑا بزنس ہے ان کا اور یہاں پاکستان میں بھی یہ آفس اسی بزنس کے سلسلے میں کھولا ہے۔ والدین آتے جاتے رہتے ہیں اور اس اتنے بڑے گھر میں وہ اکیلا رہتا ہے ملازموں کے ساتھ۔''

عالیہ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''یہ ساری معلومات حاصل کرنے کا فائدہ؟'' ضویا نے پوچھا۔

''ارے فائدہ ہی فائدہ۔ کم از کم اب میں اپنے دل پر کوئی پابندی نہیں لگاؤں گی۔ وہ اگر اس کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ اعلیٰ خاندان' ہائی ایجوکیٹڈ اور دولت مند۔ یار ضویا! اتنی ساری خوبیوں والے مرد سے اگر محبت ہو جاتی ہے تو ہوتی رہے' یہ خوف تو نہیں ہوگا کہ شادی میں ظالم سماج آڑے آئے گا۔''

''یعنی..... تم..... تمہیں سچ مچ ابتسام ملک سے محبت ہوگئی ہے؟'' ضویا کی سنہری آنکھوں میں حیرت بے حد واضح تھی۔

''مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے۔''

''اس کا انجام!''

''شادی۔'' عالیہ نے قہقہہ لگایا۔

''تمہارے مما پپا مان جائیں گے؟'' ضویا نے پوچھا۔

''نہ ماننے کی وجہ؟ پتا ہے ایک بار میں نے مما کو خود مسز ربانی سے کہتے سنا تھا کہ آج کل کے دور میں لڑکیوں کو خود بھی کچھ ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں' ورنہ مسز ربانی کی بہن کی طرح ساری عمر کنواری بیٹھی رہ جاتی ہیں۔''

''یعنی ادھر سے کوئی ڈر نہیں۔'' ضویا کو اطمینان ہوا۔

''لیکن عالی! ابتسام' وہ تو تمہیں نہیں جانتا بالکل بھی۔''

''اور اگر میں کہوں' کہ وہ مجھے جانتا ہے بلکہ میری اس سے بات بھی ہوئی

ہے تو؟''

''کب' کیسے۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''پہلے اس لئے نہیں بتایا کہ کل ہی بات ہوئی ہے اور سچی ضویا! وہ دور سے جتنا شاندار ہے۔ میں تو بس اسے صرف سنتی رہی۔''

''لیکن عالی! تمہارا اور اس کا تعارف کیسے ہوا؟'' ضویا الجھی ہوئی تھی۔

''پاگل ہو تم بھی۔'' عالیہ ہنسی۔

''تعارف ہوتے کون سی دیر لگتی ہے۔ آخر اتنے دنوں سے وہ مجھے دیکھ رہا تھا اپنے پیچھے آتے۔''

''لیکن.....''

''لیکن ویکن کچھ نہیں ڈیئر! اب میں ساری زندگی پارکنگ میں تو کھڑی رہ کر اس کا انتظار نہیں کر سکتی تھی نا۔ سو ایک روز میں نے اس سے تعارف حاصل کر لیا اور کیسے کیا..... تو یہ بڑی آسان سی بات ہے۔ جب وہ آفس سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف آیا تو میں بھی گاڑی سے اتر کر اس طرف بڑھی اور اس کے قریب جا کر کہا۔

''ایکسکیوزمی سر! میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟''

اس نے میری طرف دیکھا۔

''ابتسام ملک۔''

میں نے کہا۔ ''دراصل آپ کی شکل میرے ایک کزن سے ملتی ہے جو.....''

وہ ایک دم ہنس دیا۔ ''یہ تو بہت پرانا طریقہ ہے مس! کسی سے تعارف حاصل کرنے کا۔''

تب میں بھی ہنس دی۔ ''تو پھر آپ ہی کوئی نیا طریقہ بتا دیجئے۔''

''اب تو آپ تعارف حاصل کر چکیں۔'' وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''صرف یہ بتا دیں کہ اتنے دنوں سے میرا تعاقب کیوں کر رہی ہیں؟''

''وجہ تو میں نے بتا دی ہے کہ آپ کی شکل میرے کزن سے.....''

''ضویا بہت دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''پھر؟''

''پھر کیا' ہماری دوستی ہوگئی۔''

ضویا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''تم سچ مچ اس سے دوستی کروگی؟''

''ہاں۔'' عالیہ نے آنکھ میچ کر کہا۔

''یار! میں نے تمہیں بتایا ہے نا کہ مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے۔''

''مگر کیسے عالی! محض ایک نظر دیکھ کر۔'' ضویا کو جیسے یقین نہیں آرہا تھا۔

''نہیں یار! صرف ایک نظر دیکھ کر نہیں بلکہ ساری کیلکولیشن کر کے۔ میری محبت کوئی 1850ء کی محبت نہیں ہے۔''

''اور کیا وہ..... اسے بھی تم سے محبت ہوگئی ہے؟'' ضویا مسلسل سوال کررہی تھی۔

''نہیں' خیر ابھی تو نہیں' لیکن تم دیکھنا ہوجائے گی۔''

''ابھی کل تو دوستی کا آغاز ہوا ہے۔ فون نمبرز کے تبادلے ہوئے ہیں۔''

''تمہیں ڈر نہیں لگتا عالی!''

''بھلا ڈرنے کی کیا بات ہے؟'' عالیہ نے کندھے اچکائے۔ ''سچی اتنی بور ہوتی تھی میں' کل کا دن بہت اچھا گزرا۔ ہم نے اکٹھے چائے پی۔ ایک دوسرے کو اپنے اور اپنے والدین بہن بھائیوں کے متعلق بتایا اور پھر رات کو میں نے اسے فون کیا اور پتا ہے' ہم پورا ایک گھنٹہ بات کرتے رہے۔''

''اور تمہاری نانو؟'' ضویا جیسے کسی حیرت کدے میں تھی۔

''نانو تو مزے سے سو رہی تھیں۔''

''فرض کرو عالی! اس کو تم سے محبت نہ ہوئی' اس نے تم سے شادی نہ کی تو؟''

''تو..... سو واٹ..... تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔ لیکن یار! ابتسام ملک ہے بہت شاندار بندہ' تمہارے انسپکٹر کی طرح۔ تم گھامڑ ہو' ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی آج تک دوستی نہیں کرسکیں انسپکٹر سے۔''

''دراصل خسرو بھائی بہت ریزرو رہتے ہیں اور اتنی بے تکلفی بھی نہیں ہے۔''

''پتا ہے ضویا بی بی!'' عالیہ نے اسے سمجھایا۔

''دراصل تم اسے دیکھتی نہیں ہو کیونکہ تم نے کبھی ایسا چاہا ہی نہیں کہ تم دیکھو اسے' ورنہ ایسا قاتل حسن' انسپکٹر کہاں بچ سکتا تھا اس سے۔ میں نے چاہا کہ میں دیکھوں ابتسام ملک کو اور میں اسے نظر آنے لگی۔ جب تم چاہو گی کہ تم کو انسپکٹر دیکھے وہ ضرور تمہیں دیکھے گا۔''

ضویا کے پلے اس کی ایک بات بھی نہ پڑی۔

''ویسے سچ بتاؤ ضویا! اسے دیکھ کر کبھی تمہارا دل نہیں دھڑکا' کبھی تم نے اس کے متعلق تنہائی میں نہیں سوچا کہ یہ اتنا شاندار بندہ تمہارا ہوتا۔''

عالیہ نے پوچھا تو ایک لمحہ کیلئے اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔ یہ حقیقت تھی کہ اس نے پہلے کبھی خسرو کے متعلق اس طرح نہیں سوچا تھا' جیسے اب عالیہ سے بات کرنے کے بعد کبھی کبھی تنہائی میں وہ بے اختیار اس کے متعلق سوچے چلی جاتی۔

''دال میں کچھ کالا ہے۔'' عالیہ نے اس کی جھکی ہوئی پلکوں کو دیکھا۔

''نہیں تو' ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''ہماری بلی اور ہم ہی سے میاؤں!''

''اچھا زیادہ محاورے مت بولو۔ مجھے پتا ہے تمہاری اردو بہت اچھی ہے۔'' ضویا نے جھینپتے ہوئے کہا۔

''ویسے ضویا! اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تمہارا کزن ہے ہی ایسا کہ بندہ اس کی محبت میں مبتلا ہوجائے۔''

''نہیں نہیں''۔ ضویا نے بے اختیار کہا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے' بالکل بھی نہیں۔''

''تم اتنا گھبرا کیوں جاتی ہو ضویا! محبت تو بہت خوبصورت چیز ہے۔ بہت انوکھا سا جذبہ۔ اندر گدگدی سا کرتا ہوا..... ٹی وی اسکرین پر یہ محبت کی کہانیاں دیکھ دیکھ کر میں نے سوچا کہ چلو ہم بھی محبت کر کے دیکھیں کہ یہ ہے کیا چیز' تو پتا ہے مجھے پہلی بار وہاں

دوبئی میں ہارون صفی سے محبت ہوگئی تھی۔ یار! کیا بندہ تھا لیکن میرے پاپا نے مجھے پاکستان بھیج کر میری اس نئی نویلی محبت کو قتل کر دیا اور ہارون صفی کو اس کے پاپا نے اسٹیٹ بھیج دیا۔''

اس نے یوں ہاتھ جھاڑے کہ ضویا کو ہنسی آ گئی۔

''ابھی تو مجھے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ یہ محبت ہے کیا بلا اور پھر اب یہاں ابتسام ملک نظر آ گیا اور خیر ضویا بی بی! تم بھی ذرا ہمت کر کے دیکھو تو سہی کہ یہ ہے کیا چیز۔ تمہارے خیال میں میری طرح تمہیں تو محبت کرنے کیلئے بندہ تلاش بھی نہیں کرنا۔ سامنے موجود ہے۔''

''مجھے خسرو بھائی سے ڈر لگتا ہے۔''

''کیا؟'' عالیہ حیرت سے چیخ پڑی۔

''کیوں بھلا وہ کوئی ڈریکولا ہے اور سنو! پہلے یہ خسرو بھائی کہنا بند کرو۔ صرف خسرو کہا کرو۔ کتنا چھوٹا سا اور مختصر نام ہے؟''

ضویا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بے دھیانی میں خسرو کو سوچ رہی تھی۔

''خیر چلو اٹھو دوسرے پیریڈ کی بیل ہوگئی ہے۔''

اسے خاموش دیکھ کر عالیہ نے کہا اور گھاس پر سے اپنی کتابیں اور فائل اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ضویا نے بھی اس کی تقلید کی۔

''آج چھٹی کے بعد میرے ساتھ چلو۔ تمہیں ابتسام سے ملواتی ہوں۔''

اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے عالیہ نے کہا۔

''نہیں' ماما نے منع کیا تھا۔ پاپا پسند نہیں کرتے کہ میں کالج ٹائم کے بعد گھر آنے کے بجائے کہیں اور چلی جاؤں۔ اس روز بھی انہیں اچھا نہیں لگا تھا۔''

''کیوں؟ انہیں مجھ پر اعتبار نہیں کیا؟ مجھ سے تمہاری دوستی کو وہ ناپسند تو نہیں کرتے؟'' عالیہ نے فکرمندی سے اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں' ایسی بات نہیں یار! ماما نے کہا تھا کہ اگر کہیں جانا ہو تو تب بھی گھر سے ہو کر جاؤ بلکہ وہ تو کہہ رہی تھیں کہ اچھا کیا عالیہ نے شاپنگ کر لی اس کے پاس ایک بھی

ڈھنگ کا کپڑا نہیں۔''

''اوہ.....!'' عالیہ ہنس دی۔

''اس کا مطلب ہے کہ اب کچھ ڈھنگ کے کپڑے بھی لینے پڑیں گے..... ویسے ابتسام بھی کہہ رہا تھا کہ آپ زیادہ تر جینز اور شرٹ ہی پہنتی ہیں۔''

''یعنی وہ بھی تمہیں دیکھتا تھا دھیان سے۔''

''اور میں کیا چاہتی تھی' یہی نا کہ وہ مجھے دیکھے۔'' وہ دونوں مسکراتے ہوئے اپنی کلاس میں داخل ہوئیں۔

تقریباً سب ہی لڑکیاں کلاس میں موجود تھیں کچھ دیر بعد مس خالدہ بھی آ گئیں۔ ضویا بے دھیانی سے بیٹھی رہی۔ مس خالدہ نے کیا کہا' کیا پڑھایا اسے خبر نہیں ہوئی۔ وہ تو مسلسل خسرو کو سوچ رہی تھی اور دل کے ڈوبنے اور ابھرنے کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ خسرو جیسے شخص کی محبت پانا اس سے محبت کرنا کس قدر انوکھا ہے۔

''اور کیا پتا خسرو مجھ سے محبت نہ کرے۔'' عالیہ کہتی ہے کہ میں اتنی خوبصورت ہوں کہ خسرو مجھ سے بھاگ ہی نہیں سکتا۔ ماما بھی تو اسے بالکل پسند نہیں کریں گی وہ تو خسرو کو سخت ناپسند کرتی ہیں۔ پھر ایسی محبت کا فائدہ جب راستے الگ ہوں۔ یہ تو صرف روگ ہے۔ اذیت ہے' نہیں' مجھے نہیں کرنی' خسرو سے محبت وحبت۔''

اس نے سر جھٹک کر سامنے دیکھا تو مس خالدہ کلاس سے باہر جا رہی تھیں۔

''اے کیا سوچ رہی ہو؟'' عالیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کچھ نہیں۔''

''جھوٹ مت بولو۔ تم خسرو کو سوچ رہی تھیں' میں تمہیں مسلسل دیکھ رہی تھی۔ ٹیچر کی طرف تو تمہارا دھیان ہی نہیں تھا۔''

اور اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ وہ چاہتی بھی تو عالیہ سے کچھ نہیں چھپا سکتی تھی۔ اسے تو فن آتا تھا اندر کی بات اگلوانے کا اور کیسے اس نے ابتسام ملک کو پٹا لیا تھا۔ محض ایک بار ملنے کے بعد وہ رات ایک گھنٹہ اس سے باتیں کرتا رہا تھا۔

''ہرا!'' عالیہ نے اس کے بازو پر چٹکی کاٹی تو وہ سی کر کے رہ گئی۔

''اب مزہ آئے گا۔ جب ہماری ضویا بی بی خسرو شاہ کی محبت میں آہیں بھریں گی۔''

''اب ایسا بھی کچھ نہیں ہے۔'' وہ جھینپ گئی۔

''تو ہو جائے گا میری جان ایسا بھی کچھ۔ اب مجھے ہی دیکھو کالج میں وقت کاٹنا مشکل ہو رہا ہے۔''

''تو کیا تم آج بھی جاؤ گی میرا مطلب ہے اس کے پیچھے؟'' ضویا نے پوچھا۔

''ابتسام بھی یہی بات پوچھ رہا تھا کہ کیا میں اب بھی اس کے پیچھے آؤں گی اس کا تعاقب کروں گی۔ تو پتا ہے میں نے کیا کہا کہ ہم تو اب قیامت تک پیچھا نہیں چھوڑیں گے کیونکہ ہم ایں در گرفتہ است و خوب گرفتہ است کے قائل ہیں۔''

تب ہی میڈم زبیری کلاس میں داخل ہوئیں۔

''السلام علیکم بچو!'' اپنے مخصوص انداز میں کہہ کر وہ روسٹرم کے پیچھے کھڑی ہو گئیں اور گزشتہ لیکچر کے متعلق پوچھنے لگیں مگر ضویا کا دھیان ان کی طرف تھا ہی نہیں۔ باوجود کوشش کے وہ اپنی توجہ لیکچر کی طرف مبذول نہ کر سکی تو اٹھ کھڑی ہوئی۔

''سوری میڈم! میری طبیعت خراب ہو رہی ہے میں باہر جانا چاہتی ہوں۔''

''اوکے!'' میڈم زبیری نے اجازت دے دی تو باہر لان میں آ کر اس نے لمبے لمبے سانس لیے اور پھر سر گھٹنوں پر رکھ لیا اور دونوں بازو گھٹنوں کے گرد حمائل کر لیے ایک بار پھر خسرو اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ اس کے تصور میں چلا آیا۔

☆ ☆ ☆

''بابا تو آپ چلیں گے نا میرے ساتھ شہر؟''

عبدالرحمٰن نے جو عبداللہ کے پاؤں کے پاس نیچے دری پر بیٹھا تھا۔ پرامید نظروں سے انہیں دیکھا۔

عبداللہ صاف ستھرے کپڑے پہنے خاموش بیٹھے تھے۔

''بابا!'' انہیں خاموش دیکھ کر عبدالرحمٰن نے پھر کہا۔

''دیکھیں نا آپ کو پوری رات نیند نہیں آئی' کھانسی کی وجہ سے پھر کل رات کتنا شدید درد رہا آپ کو۔ وہاں شہر میں بڑے بڑے ڈاکٹر ہیں' وہ.....''

''تیرے شہر کے ڈاکٹر میرے ڈاکٹر سے بڑھتے ہیں کیا؟'' عبداللہ کی آواز میں غصہ اور ناگواری تھی۔

''آپ کا ڈاکٹر؟''

''ہاں میرا ڈاکٹر۔'' عبداللہ نے اسی انداز میں کہتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا' تو عبدالرحمٰن جیسے ان کی بات سمجھ گیا۔

''نہیں بابا! شہر کے ڈاکٹر آپ کے ڈاکٹر سے بڑے نہیں ہیں لیکن انہیں بھی تو آپ کے ڈاکٹر نے علم اور عقل دی ہے۔ تاکہ وہ اس کے بندوں کی تکالیف دور کریں۔'' عبداللہ کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی۔

''تو.....عبدالرحمٰن تجھے باتیں بہت کرنا آ گئی ہیں۔'' عبدالرحمٰن بھی مسکرا دیا۔

آج بہت دنوں بعد عبداللہ اس طرح نارمل اور حواسوں میں دکھائی دے رہے تھے اور ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ مہینوں سالوں بعد خدیجہ بیگم صبح سے اڑی اڑی پھر رہی تھیں۔

''تو اللہ نے میری دعائیں سن لیں۔ پچیس سالوں سے وہ اس کے ٹھیک ہونے کی دعائیں کر رہی تھیں۔

''تو پھر صبح چلتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا بابا!'' عبدالرحمٰن نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''میرا خیال میں آپ کے سینے میں انفیکشن ہے۔ ڈاکٹر چیک کر کے دوائی دے گا' تو آپ انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔''

''نہیں جاؤں گا میں۔'' انہوں نے ضدی لہجے میں کہا۔

''سن لیا نا تو نے۔ نہیں جاؤں گا کہیں بھی۔''

''نہیں جائیں گے' اور تکلیف اٹھاتے رہیں گے؟''

''ہاں نہیں جاؤں گا۔ تیرے شہر میں بہت گند ہے۔''

''کیا گند ہے بابا؟'' عبدالرحمٰن کو تو بحث کرنے کی عادت تھی۔

''تو اندھا ہے عبدالرحمٰن! نہیں دیکھا کچھ۔ پر میں تو اندھا نہیں ہوں۔ بہت گند ہے ہاں، بہت گند ہے۔''

انہوں نے چارپائی کے نیچے سے اپنی چپلیں نکالیں اور پہن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کہاں جا رہے ہو عبداللہ! میں تمہارے لئے دودھ لائی ہوں۔''

ہاتھ میں دودھ کا گلاس پکڑے کمرے میں آتی خدیجہ بیگم نے انہیں کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

''اس کو دے دے دودھ۔'' عبداللہ نے غصیلی نظروں سے عبدالرحمٰن کو دیکھا اور تیزی سے کچھ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

خدیجہ دودھ کا گلاس ہاتھ میں پکڑے انہیں برآمدے سے صحن اور پھر دروازہ کھول کر باہر جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔

''لاؤ مجھے دے دو۔ بابا نے کہا ہے نا۔'' عبدالرحمٰن نے گلاس ان کے ہاتھ سے پکڑ لیا۔

خدیجہ بیگم کے چہرے پر مایوسی بکھر گئی۔ وہ چپ چاپ گلاس عبدالرحمٰن کو پکڑا کر بیٹھ گئیں۔

''اماں! آپ نے مجھے ناحق بلوایا وبابا تو میرے ساتھ جانے کو تیار ہی نہیں۔''

خدیجہ بیگم نے عبدالرحمٰن کو دیکھا۔

''کیا کرتی حالت بہت خراب تھی۔ کھانا پینا بھی چھوٹ گیا تھا اور میں اکیلی۔ بھرجائی سکینہ اور صالحہ تو نہ خود عبداللہ کا حال پوچھتی ہیں اور نہ بچوں کو آنے دیتی ہیں۔ ادھر بھائی بھی کچھ خبر نہیں لیتے۔ غلام اصغر کہہ رہا تھا کہ بھرجائی اسے ایدھی سنٹر میں جمع کروا دیتے ہیں۔ لیکن میں نے کہہ دیا میرے جیتے جی تو ممکن نہیں، اپنے عبدالسمیع سے کم عزیز نہیں

رکھا اسے میں نے۔

بوڑھی ہو گئی ہوں، جانے کب بلاوا آ جائے۔ مر گئی تو بے شک دے دینا ایدھی والوں کو۔''

خدیجہ بیگم کی آواز بھرا گئی، تو عبدالرحمٰن نے گلاس زمین پر رکھتے ہوئے ان کے ہاتھ تھپتھپائے۔

''میں ہوں ناں اماں، آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ بابا کو ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گا۔''

''اور جو تیری بیوی نے نہ رکھا تو؟''

خدیجہ بیگم کے جھریوں بھرے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ عبدالرحمٰن کو بہت بھلی لگتی تھی۔

''تو۔'' اس نے سر کھجایا۔

''کہہ دوں گا اس سے کہ رہنا ہے تو میرے بابا کو بھی برداشت کرنا ہوگا۔''

''بھلا!'' خدیجہ بیگم نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ ان کا دھیان پھر عبداللہ کی طرف چلا گیا۔ اب گلیوں میں چکراتا پھرے گا۔ اپنے آپ سے باتیں کرتا اور جب پاؤں تھک جائیں گے، تو خاموشی سے آ کر بیٹھک میں بیٹھ جائے گا۔ خدیجہ بیگم اٹھ اٹھ کر دیکھتی رہتی تھیں کہ آ گیا ہو تو کھانے کا پوچھ لیں۔ کئی بار تو وہ یونہی ننگی زمین پر سو جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن گھر پہ ہوتا تو شام سے پہلے ہی ڈھونڈ کر لے آتا تھا۔

''کتنا سجیلا تھا عبداللہ!'' خدیجہ بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔ سارے بھائیوں میں خوب صورت اور ذہین۔ عبدالسمیع کے دادا نے اس کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے پسندیدہ نام۔ عبداللہ تو لڑکپن سے ہی اور طرح کا تھا سب کہتے تھے نام کا اثر ہے۔ پکا نمازی پھر قرآن حفظ کیا۔ تمہارے دادا نے اسے کراچی بھیج دیا۔ وہاں کسی بڑے مدرسے میں پانچ سال تک تعلیم حاصل کی۔ حدیث، فقہ، قرآن، تفسیر پتا نہیں کیا کیا پڑھا۔ پھر وہیں سے مصر چلا گیا۔ دو سال وہاں جانے کیا کیا پڑھتا رہا۔ کیسا چمکتا ہوا چہرہ تھا۔ میں تو ڈر سے نظر بھر کر دیکھتی بھی نہ تھی۔ یہاں گاؤں والے کہتے تھے بڑا عالم ہو گیا ہے

عبداللہ سے اپنے مسائل کا حل پوچھتے تھے۔ راتوں کو جاگ جاگ کر عبادت کرتا تھا۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا' ایک دن کہیں چلا گیا' شاید ملتان یا فیصل آباد کہتا تھا۔

''بھر جائی! بہت پیاس ہے۔ بڑی طلب ہے۔ تشنگی ہے کہ بڑھتی جاتی ہے' جیسے اندر خالی ہو۔ بہت سے سوال بھرے ہیں اندر۔''

بہت چاہ تھی اسے زیادہ سے زیادہ سیکھنے کی۔ سو مزید علم حاصل کرنے کیلئے گھر سے نکلا لیکن واپس آیا تو بہت بری حالت تھی۔ رات رات بھر چیختا تھا' جیسے کسی شدید اذیت میں ہو..... لوگ کہتے تھے'' عبداللہ نے وہاں ملتان اپنے حضرت کے پاس کوئی چلہ کاٹا تھا وہ الٹا ہو گیا۔ کوئی کہتا ہمزاد اور جنات کو قابو میں کرنے کیلئے کوئی عمل کر رہا تھا..... اب حقیقت تو سوہنا رب ہی جانتا ہے پتر۔''

سینکڑوں بار کی سنی ہوئی عبداللہ کی کہانی' عبدالرحمٰن نے بہت توجہ سے سنی۔ جانتا تھا بوڑھے لوگوں کو ماضی کی کہانیاں دہرانے کی عادت ہو جاتی ہے۔

''دیکھوں کہیں گرا نہ پڑا ہو۔ اس بیماری نے کمزور بھی تو کر دیا ہے ناں۔''

خدیجہ بیگم گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھیں تو عبدالرحمٰن نے انہیں روک دیا۔

''آپ بیٹھئے اماں! میں دیکھتا ہوں۔''

اور گلاس کا باقی ماندہ دودھ ایک ہی گھونٹ میں حلق سے نیچے اتار کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

''تو تم ہو انسپکٹر خسرو شاہ تھانہ سمن آباد۔''

''جی سر۔''

خسرو نے مودب انداز میں جواب دیا۔ ڈی ایس پی چوہدری مدبر کے اس انداز کو وہ خوب سمجھتا تھا۔ جب بھی وہ ان کے سامنے حاضر ہوا تھا تو ان کی پہلی بات یہی ہوتی تھی۔

''بڑے بندے شندے پکڑ رہے ہو' کتنے اندر کیے ہیں؟'' وہی تمسخرانہ سا انداز۔

''میں نے تو قاتل پکڑا ہے۔''

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی انہوں نے پھر کہا۔

''بڑے شرلاک ہومز بن گئے ہو' کہ منٹوں میں کیس حل کر لیتے ہو۔''

''تو انسپکٹر خسرو شاہ! آپ نے اتنی محنت کی ہے' تھک شک گئے ہوں گے' تو ایسا کریں کہ پندرہ دن کی چھٹی لے کر آرام شرام کر لیں۔''

''مگر سر! میں.....'' خسرو نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے ٹوک دیا۔

''آپ کی چھٹی منظور ہو چکی ہے۔ آپ درخواست بھیج دیں۔''

ان کا لہجہ یکدم سخت ہو گیا تھا۔

''اور اب آپ جا سکتے ہیں اور ہاں یہ جو سلسلہ آپ نے شروع کر رکھا ہے۔ اسے بھی ختم سمجھیں۔''

خسرو سیلوٹ مار کر باہر آ گیا' لیکن وہ بے حد الجھ گیا تھا۔

وہ آفس آیا۔ دراز میں سے کچھ ضروری کاغذات نکال کر دراز لاک کی۔ حوالدار حنیف کو جب ڈی ایس پی سے ملاقات اور اپنی چھٹی کا بتایا تو اس نے فوراً کہا۔

''شاہ جی! ضرور اس جوگی کے بچے نے کوئی اپروچ لڑائی ہو گی۔ آپ کو نہیں پتا سر جی! آپ تو ادھر نئے آئے ہیں۔ یہ چھٹی آپ کو اسی لیے دی گئی ہے کہ آپ اس سلسلے میں کام نہ کریں اور دیکھیے گا آج ہی یہ جوگی صاحب بھی آزاد ہو جائیں گے لیکن جب تک ہیں' میں بھی ذرا ٹھیک ٹھاک خبر لیتا ہوں ان کی۔''

''کیا فائدہ حنیف؟'' خسرو بے حد افسردہ تھا۔

''بھلے فائدہ نہ ہو دل تو ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

''ریمانڈ لے لیا تھا؟''

''ہاں!''

''خیر' میں اب چلتا ہوں۔ سب انسپکٹر زاہد میرے خیال میں میرے بعد چارج لے گا۔''

''سر! مجھے ڈر ہے وہ اسلم بھی نہ چھوٹ جائے۔''

''نہیں ایسا نہیں ہوگا۔'' خسرو نے پورے یقین سے کہا تھا لیکن محمد حنیف کا خیال صحیح تھا۔ نا صرف یہ کہ اسی شام جوگی سائیں کو حوالات سے نکال دیا گیا' بلکہ اسلم کی بھی ضمانت ہوگئی تھی۔

محمد حنیف نے اسے آ کر بتایا تو اسے بہت حیرت ہوئی۔

''مگر کیسے؟ اسلم کی ضمانت کیسے ہوئی؟''

''ہوگئی شاہ صاحب! سب ہوتا ہے یہاں۔''

وہ اس وقت اسعد کے پاس اس کے دفتر میں بیٹھا تھا' جب محمد حنیف اس کا موبائل دینے وہاں آیا تھا جو وہ میز پر ہی چھوڑ آیا تھا۔

اسعد کو جب پتا چلا تھا کہ خسرو چھٹی پر ہے' تو اس نے اسے دعوت دی تھی کہ وہ اس کے ساتھ مختلف عاملوں اور جادوگروں کے ٹھکانوں پر چلے' جہاں آج کل اسعد سروے کیلئے جا رہا تھا۔ خسرو بخوشی تیار ہوگیا۔ یوں وہ چار پانچ دن سے اسعد کے ساتھ مختلف جگہوں پر جا رہا تھا۔

خسرو پر حیرت انگیز انکشافات ہوئے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ زیادہ تر غریب اور نچلے طبقے کے لوگ ان کے جھانسے میں آتے ہوں گے۔ لیکن انہوں نے کئی جگہوں پر بڑی بڑی کاروں کو کھڑے دیکھا۔

اونچے طبقے کی خواتین۔

پڑھی لکھی..... سب آگاہی رکھنے والی یہاں بھی موجود تھیں۔ گوان پڑھ اور جاہل لوگ زیادہ تھے۔

یہاں تین چار قسم کے لوگ آئے ہوئے تھے۔

وہ خواتین جو اپنی ساسوں اور بہوؤں کے ہاتھوں تنگ تھیں۔

وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کو قابو میں کرنے کیلئے تعویذ یا کالا جادو کروانے آئی تھیں۔

وہ مرد جو ترقی کرنا چاہتے تھے۔ ایسے ہی ایک شخص سے اسعد نے پوچھا۔

''آپ ترقی کیلئے جادو کیوں کروانا چاہتے ہیں۔ آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں' کیا آپ نہیں جانتے کہ جادو کرنے اور کروانے والا کافر ہے؟''

''نہیں جی' میں جادو کروانے تو نہیں آیا۔ تعویذ لوں گا اللہ کا کلام ہے۔''

''لیکن تعویذ کیوں..... آپ کو اپنی محنت اور اللہ پر بھروسہ نہیں؟''

''کیا کریں جی' پچھلے تین سال سے میری ترقی رکی ہوئی ہے۔ میرے پاس کوئی سفارش نہیں پھر کسی نے یہاں کا بتایا تو چلا آیا۔''

''کیا آپ کو یقین ہے کہ یہاں سے جو عمل آپ کو بتایا جائے گا..... وہ اللہ کا کلام ہی ہے' کوئی سفلی عمل نہیں؟'' اسعد نے پوچھا' تو وہ خاموش ہوگیا۔

ایسے نوجوان لڑکے لڑکیاں بھی ملے جو محبت پانے اور کسی کو اپنی طرف مائل کرنے کے چکر میں آئے تھے۔

خسرو کو بے حد دکھ ہوا۔

''یہ سب کیا ہے اسعد! یہ ایک مسلمان ملک ہے؟ یہاں عامل کے پردے میں کالا جادو کیا جا رہا ہے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں' دھڑلے سے یہ کاروبار جاری ہے۔ کھلے عام اتوار کے اخبارات میں تقریباً آدھے سے زیادہ صفحات ان ہی اشتہارات سے بھرے ہیں۔''

ایسے لوگ بھی ملے جو لاچار اور مجبور ہو کر آئے تھے۔

ایک خاتون کہہ رہی تھیں۔

''میری دیورانی نے میرے بچوں کے رشتے باندھ دیے ہیں..... جو دیکھنے آتا ہے پلٹ کر نہیں آتا۔''

ایک صاحب نے کاروبار کے سلسلے میں بات کی' ان کے کاروبار کو حریف نے باندھ دیا ہے تو اس کا توڑ کروانے آئے ہیں۔

ایک خاتون زار و قطار رو رہی تھیں۔

''میری جوان بیٹی مر رہی ہے۔ حاسدوں سے اس کی خوشی برداشت نہیں ہوئی۔ دولت میں کھیل رہی تھی..... خاوند محبت کرنے والا۔ ساس جانثار، چاند جیسے بیٹے لیکن

پتا نہیں کس ظالم نے مارے حسد کے کالا جادو کروادیا اس پر' ڈاکٹروں کو اس کی بیماری سمجھ میں نہیں آرہی۔ چند دنوں میں چارپائی سے لگ گئی ہے..... قریشی صاحب نے کہا ہے کسی نے سخت جادو کردیا ہے۔ ایک لاکھ روپے مانگ رہے ہیں جادو کے توڑ کا۔ پچاس ہزار ایڈوانس اور پچاس ہزار صحتمند ہونے کے بعد۔''

خسرو نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''تو کیا آپ؟''

''ہاں اس کے خاوند نے کہا ہے۔ جتنا بھی خرچ ہو' کروں گا۔ دے دیے ہیں پچاس ہزار۔''

اس وقت بھی وہ قصور کے قریب ایک جگہ سے ہو کر آئے تھے..... گھر کے باہر وہی بڑے بڑے پوسٹر تھے۔ کالے جادو کا توڑ۔ ہر کام میں یقینی کامیابی سو فیصد' مگر حقیقت کیا تھی یہ اس پروفیسر سے مل کر ہی پتا چلا تھا۔

''یہ شخص بھی یقیناً کالے جادو کے توڑ کے بہانے کالا جادو اور سفلی عمل کرتا تھا۔ خسرو کے ساتھ عجیب مسئلہ تھا' وہ جب بھی ایسی جگہوں پر جاتا اس کا دل مالش کرنے لگتا تھا' جیسے ابھی متلی ہو جائے گی۔

''یار اسعد! خدا کیلئے کچھ کرو اس سلسلے میں۔''

محمد حنیف کے جانے کے بعد اس نے اسعد سے کہا۔

''محمد حنیف نے بتایا تھا کہ ڈی ایس پی صاحب بھی اس جوگی کے خاص معتقد ہیں۔ کئی اٹکے ہوئے کام جوگی سائیں کے طفیل ہی ہوئے ہیں۔'' خسرو بے حد مضطرب تھا۔

''یہ اتنے پڑھے لکھے لوگ اگر ایسا کریں گے اسعد! تو پھر ان پڑھ اور لاعلم لوگوں کے متعلق تو کچھ کہنا ہی بیکار ہے۔''

''اپنی سی کوشش تو کر رہا ہوں۔''

اسعد نے کاغذات اکٹھے کر کے فائل میں رکھے۔

''دو آرٹیکل اس سلسلے میں چھپ چکے ہیں۔ یہ فیچر بھی انشاء اللہ اگلے سنڈے

میگزین میں چھپ جائے گا۔''

''تم اس میں قرآن وسنت کے حوالے سے لکھنا کہ جادو کرنا سخت گناہ ہے۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

''اور وہ جو سیکھتے ہیں (جادو) جو انہیں نقصان دے گا اور نفع نہ دے گا۔ بے شک ضرور انہیں معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا کیا' آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں اور بے شک کیا بری چیز ہے وہ۔''

خسرو از حد بے چین تھا۔

''دین سے اتنی لاعلمی؟ اتنی بے خبری؟ اور پھر ارباب اختیار کی یہ چشم پوشی اسعد! ہم تم کچھ نہیں کر سکتے' یہ سب حکومتی سطح پر ہونا چاہئے۔ حکومت کی طرف سے ایسے اشتہارات چھاپنے پر پابندی ہونی چاہیے۔''

''کاش' کاش میرے اختیار میں ہوتا۔'' خسرو نے بے بسی سے ہاتھ ملے۔

''اللہ رحم کرنے والا ہے۔'' اسعد نے اسے تسلی دی۔ تب ہی قانتا مسکراتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

''میں مخل تو نہیں ہوئی؟''

''ہوئی تو ہو لیکن کہو۔'' اسعد نے اس کی طرف دیکھا۔

''چائے منگوائی ہے پی لیں۔''

''تھینکس قانتا..... !اس وقت بہت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔''

''جس ٹاپک پر تم بات کر رہے تھے خسرو صاحب' سے وہ سر میں درد کرنے والا ہی ہے۔''

خسرو کئی دن سے اسعد کے ساتھ آرہا تھا' اس لیے آفس میں سب سے ہی اس کا تعارف ہو چکا تھا اور سب ہی اس سے بے تکلف ہو گئے تھے۔

وہ دونوں اٹھ کر قانتا کی ٹیبل پر آگئے' چائے پیتے ہوئے ایک بار پھر وہ اسی موضوع پر بات کرنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

''تمہارا تو فنکشن تھا مازی! پھر اتنی جلدی کیسے آ گئیں؟''

اژمیر نے ریموٹ سے چینل تبدیل کرتے ہوئے مڑ کر مازیہ کو دیکھا۔ ڈارک پرپل کلر کے کھدر کی کڑھائی والے سوٹ میں وہ ہمیشہ سے کہیں زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔ کالج فنکشن کیلئے اس نے خاص طور پر یہ نیا سوٹ سلوایا تھا۔ وہ سب اس وقت ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ حامد حسین شاہ قریب ہی نیم دراز سے اخبار دیکھ رہے تھے جبکہ عفت' عمارہ اور اژمیر کا سارا دھیان ٹی وی کی طرف تھا۔ عمارہ کے فائنل پیپرز ہونے والے تھے' اس لیے وہ آج کل گھر پر ہی ہوتی تھی اور پیپرز کی تیاری کر رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی اژمیر اسے اس کے کمرے سے کھینچ کر لایا تھا۔

''یار آپی! کچھ آرام بھی کر لیا کریں۔ ذہن کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج بڑے دنوں بعد ابی جان بھی ٹی وی لاؤنج میں نظر آ رہے ہیں۔ گپ شپ رہے گی۔''

''گو آج اتوار نہیں تھا لیکن حامد شاہ کے کالج میں چھٹی تھی۔

عموماً حامد شاہ کالج سے آنے کے بعد کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے اور عفت کی کوشش ہوتی تھی کہ انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ بہر حال پڑھائی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ایک تھکا دینے والی نوکری ذہنی اور جسمانی دونوں طرح سے پھر حامد شاہ کو مطالعے سے بھی بہت رغبت تھی۔ بچے چھوٹے تھے تو وہ انہیں بہت وقت دیتے تھے۔ اب بڑے ہو گئے تھے تو گھر پر وہ زیادہ تر مطالعے میں مصروف رہتے تھے۔ ہاں کھانے اور ناشتے پر بچوں سے گپ شپ ہوتی رہتی تھی۔ اژمیر گو سب سے چھوٹا نہیں تھا' لیکن اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بچپن کی طرح اسے وقت دیا کریں۔ اسعد اور خسرو بھی کچھ دیر پہلے ہی آئے تھے اور دونوں اس وقت اسعد کے کمرے میں کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے کسی ضروری کام میں مصروف تھے۔

مازیہ منہ بنا کر عفت کے پاس بیٹھ گئی۔

''اتنی تیاری بیکار گئی' بہت افسوس ہوا۔''

اژمیر نے اسے چھیڑا' لیکن وہ منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

''بیٹا! فنکشن نہیں ہوا کیا؟'' عفت نے پیار سے پوچھا۔

حامد شاہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا' کیا کہا تھا آپ نے ابھی بیٹا؟''

''ابی جان' ہمارا فنکشن موسم کی خرابی (خرابی) کی وجہ سے کینسل ہو گیا۔'' اس نے منہ بسورا۔ حامد شاہ نے ایک تاسف بھری نظر اس پر ڈالی۔

''تمہارا لب و لہجہ تو بالکل صاف تھا مازیہ! اور اردو بہت اچھی۔''

''کیا میں نے کچھ گلط (غلط) بولا ہے ابی جان؟'' اور حامد شاہ کا جی اپنا سر پیٹنے کو چاہا۔

''عفت! یہ کیا ہے..... یہ مازیہ کون سی زبان بول رہی ہے۔''

مازیہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی' جبکہ اژمیر نے ان کی بات سمجھ لی تھی۔

''ابی جان! یہ نئی زبان ہمارے انڈین چینلز سکھا رہے ہیں اور ہمیں چونکہ نقالی کا شوق ہے' لہٰذا ہم بغیر سمجھے بوجھے نقل کر رہے ہیں۔ پتا ہے ابی جان! ہمارے اپنے پاکستانی چینل پر بھی اردو کا حلیہ اسی طرح بگاڑا جا رہا ہے۔ ہماری بعض کمپیئر اور اناؤنسر ایسا ہی کر رہی ہیں۔ وہ شاید یہ سمجھتی ہیں کہ انڈیا چونکہ شوبز میں بہت آگے ہے' اس لیے وہاں جو زبان بولی جاتی ہے وہ بہت بہتر ہے۔''

حامد شاہ کو بہت دکھ ہوا۔ وہ ٹی وی بہت کم دیکھتے تھے۔

''افسوس جس اردو کی درستی کیلئے مولوی عبدالحق نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی تھی' اسے ہم نے کچھ ہی عرصے میں بگاڑ کر رکھ دیا۔''

''کیا بگاڑ کر رکھ دیا ابی جان!'' اسعد نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔ خسرو اس کے پیچھے تھا۔

''سب کچھ ہی بگڑا ہوا ہے اسعد بیٹے! کس کس بگاڑ کا رونا روئیں۔''

ان کے لہجے میں دکھ کی اذیت سب نے ہی محسوس کی۔

''آؤ بیٹا خسرو! ادھر بیٹھو۔''

سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اپنے قریب خسرو کیلئے جگہ بنائی۔

''اور دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمیں اس بگاڑ کا احساس ہی نہیں۔''

اسعد بھی نیچے کارپٹ پر اژمیر کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

''کیا ہم اس بگڑے ہوئے معاشرے کو سنوارنے کیلئے کچھ نہیں کر سکتے ابی جان!'' مازیہ شرمندہ سی تھی۔

''تم اپنے آپ کو سنوار لو۔ بلکہ ہر شخص خود کو سنوار لے تو معاشرہ خود بخود سنور جائے گا۔''

''سوری ابی جان! وہاں کالج میں سب لڑکیاں ایسے ہی بولتی ہیں۔ میں سمجھی شاید یہ ہی صحیح تلفظ ہے۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا! آئندہ دھیان رکھنا۔'' حامد شاہ نے تاکیداً کہا۔

عمارہ نے ایک دوبار خسرو کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس کے دل کو اداسی نے گھیر لیا۔ پتا نہیں کیا تھا' وہ خود اپنی اداسی کی وجہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ان دنوں خسرو نے معمول سے زیادہ چکر لگائے تھے اسعد کے ساتھ' لیکن وہ پہلے کی طرح اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ زیادہ تر اسعد کے ساتھ ہی مصروف رہتا تھا۔

''اور پتا نہیں وہ لڑکی کیسی ہے جسے خسرو نے پسند کیا ہے۔'' کئی بار اس کا جی چاہا وہ خسرو سے اس کے متعلق پوچھے۔ بچپن سے ہی ان کی دوستی چلی آ رہی تھی۔ اور اس سے پہلے تو وہ بڑی بے تکلفی سے خسرو سے ہر بات ڈسکس کر لیا کرتی تھی لیکن پتا نہیں کیوں اس خیال سے اس کا دل ڈوب سا جاتا تھا۔ خسرو نے اس کے ساتھ کوئی عہد و پیماں نہیں کیے تھے۔ کبھی اس موضوع پر ان کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ نہ خسرو نے کبھی کچھ کہا تھا نہ اس نے' لیکن اس کی وہ مہربان سی نظر' اس کا وہ دھیما لہجہ' بات کرتے ہوئے گاہے بگاہے اسے دیکھنا' اس ایک نظر میں پتا نہیں عمارہ کیا کیا دیکھ لیتی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ گود میں دھرے خاموشی سے بیٹھی تھی۔

''اور یہ تو مجھے پہلے ہی سوچ لینا چاہئے تھا کہ اس کے ماموں کی ایک بیٹی بھی ہے۔ خوب صورت' دولت مند اور میں تو اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوں۔'' اس نے خود کو

یقین دلایا۔

''اور یہ میری بے وقوفی تھی' اگر میں نے ایسا سوچا کہ خسرو کی رفاقت میرا نصیب بن سکتی ہے اور پتا نہیں کب اور کیسے یہ خیال دل میں جاگزیں ہوا تھا' مجھے تو پتا ہی نہیں چلا اور جب پتا چلا تو.....''

''آپی! یہ ذرا ریموٹ دینا۔''

اژمیر نے اسے مخاطب کیا' تو حامد شاہ سے بات کرتے کرتے خسرو نے چونک کر اسے دیکھا۔

''عمارہ! یہ تم اتنی چپ چپ سی کیوں بیٹھی ہو؟''

عمارہ نے نظریں اٹھائیں۔

وہی مہربان نظریں۔

''دراصل یہ پڑھ رہی تھیں۔ میں زبردستی لے آیا ادھر۔'' اس کے بجائے اژمیر نے جواب دیا۔

''کیوں کیا تیاری نہیں ہے؟'' خسرو مسکرایا۔

''نہیں ٹھیک ہے۔ میں خود بھی آنے ہی لگی تھی۔ یہ ویسے بھی میرا ریسٹ ٹائم ہے۔''

''میری بیٹی بہت لائق ہے۔ انشاء اللہ اپنی پوزیشن برقرار رکھے گی۔''

عمارہ مسکرا دی اور خسرو نے مسکراتی ہوئی عمارہ کو دیکھا۔

''تمہارے چہرے پر مسکراہٹ بہت سجتی ہے عمارہ! لیکن یہ بات میں ابھی تمہیں نہیں بتا سکتا۔''

خسرو نے دل میں سوچا۔

اژمیر نے ٹی وی آن کر دیا۔

کوئی پرائیویٹ پاکستانی چینل تھا اور ایک مشہور اداکار کہہ رہے تھے۔

''ہندوستان اور پاکستان کی تہذیب ایک ہے ہمارا کلچر ایک ہے۔ بلکہ ہمیشہ سے ایک تھا۔''

''بند کرو یار!'' حامد شاہ بیزار ہوئے۔

''اب اسی کی کسر رہ گئی تھی۔ ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیب ایک تھی۔ وہ لوگ پاگل تھے دیوانے تھے' جنہوں نے دو قومی نظریے کا نعرہ لگایا تھا؟ ہمارا رہن سہن' ہمارا کھانا پینا' ہمارے رسم و رواج' ہمارا لباس' ہمارا مذہب کچھ بھی تو ایک نہیں' تو پھر یہ ثقافت و تہذیب ایک کیسے ہو سکتی ہے؟'' ان کے اندر ایک دردمند محب وطن پاکستانی اور ایک سچا استاد جاگ اٹھا تھا۔

خسرو نے ہولے سے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

اسعد نے افسردگی سے انہیں دیکھا۔

''جو کچھ نئی نسل کو پڑھایا اور سکھایا جا رہا ہے' وہ ہمیں کہاں لے کر جائے گا ابھی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں اور وہ نہ جانے کتنے دیوی دیوتاؤں کو پوجتے ہیں' ہمارے لئے جو حرام ہے ان کیلئے حلال ہے۔'' حامد شاہ کی آواز دکھ سے بوجھل ہو رہی تھی۔

''یہ سب کیوں ہمارے ذہنوں میں انڈیلا جا رہا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ہمیں ہمارے مذہب' ہماری اقدار سے دور کر کے دور رس مقاصد حاصل کیے جائیں گے' یہ ایک بہت بڑی اور گہری سازش ہے پھوپھا جان۔'' خسرو نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مذہب اسلام کو' مسلمان کو' اور پاکستان کو تباہ کرنے کی سازش۔''

''پھر تم نوجوان کیا کر رہے ہو۔ تمہارے ہونے کا کیا جواز ہے' کیوں نہیں اس سازش کا قلع قمع کر دیتے۔''

حامد حسین شاہ یکدم ہی بہت جذباتی ہو گئے تھے۔

ان کے دل پہ بہت گہری چوٹ پڑی تھی اور بھی تو سینکڑوں لوگ ہر روز ٹی وی سے یہ سنتے ہوں گے کہ ہماری ثقافت و تہذیب ہمیشہ سے ایک تھی۔ لیکن وہ کچھ نہیں کہتے' ان کے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا لیکن یہ حامد شاہ تھے جو تڑپ اٹھتے تھے۔

''برصغیر کی تقسیم کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ دونوں تہذیبیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی تھیں' جس کے نتیجے میں ہندو مسلم شادیاں اور کئی دوسرے مسائل پیدا ہو رہے تھے' جو

نہ تو ہندوؤں کیلئے ہی قابل قبول تھے اور نہ ہی مسلمانوں کیلئے۔ لیکن آج ہم کہہ رہے ہیں کہ پاکستان بنانے کی ضرورت نہ تھی۔ واہ' پتا نہیں کون لوگ ہیں یہ اسعد! جنہوں نے ہمارے لوگوں کے ذہنوں میں اور دلوں میں یہ زہر بھرا ہے۔''

''ہندو مسلم شادیاں تو اب بھی ہو رہی ہیں ابی جان!''

اتنی دیر سے خاموش بیٹھی مازیہ نے کہا۔ ''کیبل پر اکثر ڈرامے اور فلمیں ایسی ہیں' جن میں دکھایا جاتا ہے کہ مسلمان لڑکی اور ہندو لڑکا شادی کر رہے ہیں۔''

''لاحول ولاقوۃ.....'' حامد شاہ بڑبڑائے۔

''اور پتا ہے ابی جان! ان کی ایک فلم ہے ویر زارا۔ کالج میں ہر لڑکی اس کی اتنی تعریف کر رہی تھی' تو ایک دن ہماری ایک ٹیچر نے سن لیا' تو انہوں نے بہت ڈانٹا اور کہا کہ اس میں ایک سکھ لڑکے اور مسلمان لڑکی کی محبت اور شاید آخر میں شادی دکھائی گئی ہے' جو ہمارے مذہب کی رو سے جائز نہیں ہے اور تم اس کی تعریف کر رہی ہو؟ کیا ہے اس میں قابل تعریف بات؟ ابی جان! میری کئی کلاس فیلوز کو یہ تک نہیں پتا کہ اس طرح ہمارے مذہب میں شادی نہیں ہو سکتی۔''

''یہی تو سب سے بڑا مسئلہ ہے بیٹا! کہ ہمیں اپنے ہی مذہب سے آگاہی نہیں ہے۔ ایک روز ایک میگزین میں کافی مشہور خاتون رائٹر کی کہانی پڑھ رہا تھا اس نے لکھا تھا۔ ''اہل کتاب سے شادی جائز ہے' سو اس نے بھی ڈیوڈ کو ہاں کر دی۔'' یہ ہاں کرنے والی لڑکی مسلمان تھی۔ یہ پڑھ کر نہ جانے کتنے لوگ گمراہ ہوں گے جبکہ صرف مسلمان مرد اہل کتاب لڑکی سے شادی کر سکتا ہے لیکن عورت نہیں کر سکتی۔ اسعد بیٹا! تم کیوں نہیں لکھتے اس سب کے خلاف۔''

انہوں نے بات کرتے اسعد کی طرف دیکھا۔

''ابی جان! اپنی سی کوشش تو کرتا ہوں۔''

''تم آج کے اہل قلم پر بہت بڑی ذمہ داری آن پڑی ہے۔ پتا نہیں تم اس سے کیسے نبرد آزما ہو گے۔ لیکن یہ بہت مشکل وقت ہے اسعد بیٹا! بہت مشکل ساری دنیا کے مسلمانوں کیلئے۔''

''ابی جان! ہمارا میڈیا بہت کمزور ہے جبکہ ان کے پاس پاورفل میڈیا ہے اور اس کے ذریعے مذہب کو تباہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ ایک بار کسی نے کہا تھا کہ آدھی جنگ تو ہم نے پاکستانیوں کی ثقافت تباہ کر کے جیت لی۔''

''اور زبان' زبان بیٹا جی!'' حامد شاہ نے اسے ٹوکا۔

''مولوی عبدالحق کہتے ہیں کہ مخالف سب سے پہلے آپ کی زبان پر حملہ کرتا ہے۔ زبان کی ترقی' قومیت کی ترقی ہے۔ تہذیب وثقافت کی ترقی ہے اور اس کا بگاڑ ہمارا بگاڑ ہے۔''

''جی ابی جان! آپ صحیح کہتے ہیں ہم پر چاروں طرف سے حملہ ہو رہا ہے اور ہم بے بس ہیں۔ کل قانتا کہہ رہی تھی کہ دس بڑی نیوز ایجنسیاں' پندرہ ٹیلی ویژن چینل (۲۰) بیس اخبارات ورسائل ایسے ہیں جو ساری دنیا پر حکومت کر رہے ہیں۔ ساری دنیا کے لوگ انہیں پڑھتے دیکھتے اور یقین کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی کسی اسلامی ملک کا نہیں' کوئی ایسا اخبار یا میگزین نہیں جو یورپ اور امریکہ تو درکنار تمام اسلامی ممالک میں ہی پڑھا جاتا ہو۔ مسلمان دنیا کی تیسری بڑی طاقت ہیں لیکن امریکہ اپنے انہی ذرائع ابلاغ کی وجہ سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ غلط کو صحیح بتا کر پیش کرنا' معمولی بات کو بڑا کر کے دکھانا۔ مسلمانوں کو مجرم بنا کر پیش کرنا۔ اپنے معمولی سے عمل کو بڑھا کر بیان کرنا۔ یہ سب ان کے میڈیا کا ہی کمال ہے اور ہم صرف باتیں بنانا ہی جانتے ہیں۔''

حامد شاہ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے تھے' ان کی طبیعت مکدر ہو گئی تھی۔

''بیٹا! چائے بناؤ تو مجھے کمرے میں ہی دے جانا۔''

انہوں نے عمارہ کی طرف دیکھا۔

''جی ابی جان! میں بس اب بنانے ہی جا رہی تھی۔'' عمارہ یکدم کھڑی ہو گئی۔

''اور ہاں خسرو بیٹا! آپ کی چھٹیاں ختم ہو گئیں؟'' وہ جاتے جاتے رکے۔

''جی پھوپھا جان! لیکن میری ٹرانسفر ہو گئی ہے۔'' خسرو نے کہا تو عمارہ ٹھٹک کر رک گئی۔

''کہاں؟'' عفت نے بھی اس کی طرف دیکھا۔

''کافی دور ہے یہاں سے' ایک چھوٹا سا قصبہ ہے' جہلم سے آگے سدوپورہ۔''

''کب جانا ہے؟'' اژمیر نے پوچھا۔

''کل سنڈے ہے پرسوں صبح سویرے نکلوں گا۔''

''لگتا ہے آپ کی ٹرانسفر جان بوجھ کر کی گئی ہے''۔ اژمیر نے خیال ظاہر کیا۔

''ہاں یہاں ایسا ہی ہو رہا ہے پچھلے پچاس سال سے' جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس ملک کیلئے' اسلام کیلئے' اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی جاتی ہے۔'' حامد شاہ دلگرفتگی سے کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ عمارہ بدستور دروازے میں کھڑی تھی۔ حیران سی کچھ سوچتی ہوئی۔ خسرو کی نظروں نے اسے حصار میں لیا' اور ایک ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

''خسرو بھائی! آپ وہاں اکیلے رہیں گے؟'' مازیہ نے پوچھا۔

''ظاہر ہے امی کو تو ساتھ نہیں لے جا سکتا کسی اجنبی جگہ پر۔''

''ویک اینڈ پر آیا کریں گے نا؟''

''ہوں۔'' خسرو نے سر ہلایا۔

''آپ خوش ہیں؟''

''نہیں۔'' خسرو نے اس کی طرف دیکھا۔

''دراصل میں سوچ رہا تھا کہ شام کی کلاسز میں ایڈمیشن لے کر اپنی تعلیم مکمل کر لوں۔ میرے کئی دوست پنجاب یونیورسٹی میں شام کی کلاسز میں پڑھ رہے ہیں۔ لیکن اب ایسا نہیں ہو سکے گا۔''

''تو آپ اپنے ماموں جان سے سفارش وغیرہ کروا کے ٹرانسفر کروا لیں۔''

''نہیں گڑیا! میں سفارش وغیرہ کا قائل نہیں ہوں''۔ اژمیر خاموش بیٹھا تھا۔

عمارہ چائے بنانے جا چکی تھی۔

''یار! تم اتنے خاموش کیوں ہو؟'' خسرو نے اژمیر سے پوچھا۔

''دراصل۔'' اژمیر نے سب کی طرف باری باری دیکھا۔

''یہاں اتنی ثقیل گفتگو ہو رہی تھی کہ سر بوجھل ہو گیا ہے۔''

''یہ ثقیل گفتگو نہیں تھی ڈیر برادر۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''اس سب پر غور کرنا ہے۔ ہمیں سوچنا ہے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ اس ملک کیلئے اسلام کیلئے' مسلمانوں کیلئے۔''

عفت نے اسعد کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر مامتا کا نور تھا' آنکھوں میں خوشی اور فخر کی چمک تھی۔ ان کے بچے کم از کم باشعور تھے۔ اپنا برا بھلا سمجھتے تھے۔ دین کی سمجھ بوجھ رکھتے تھے اور اپنے ملک سے محبت کرتے تھے۔ ایک ماں کیلئے اس سے بڑھ کر اور خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے۔

''بیٹا! آمنہ تو بہت پریشان ہو گی تمہارے جانے سے؟'' انہوں نے اسعد کے چہرے سے نظر ہٹا کر خسرو سے پوچھا۔

''ہاں کچھ کچھ۔''

''ہم مامی کو ادھر لے آئیں گے۔'' مازیہ فوراً بولی۔

''امی پہلے بھی تو اکیلی رہی ہیں' جب میں ٹریننگ کیلئے گیا تھا۔''

خسرو مسکرایا۔ لیکن وہ خود بھی ان کیلئے پریشان تھا اور سوچ رہا تھا کہ اگر وہ جگہ اچھی ہوئی اور رہائش کا خاطر خواہ انتظام ہو گیا' تو وہ ان کو بھی ساتھ لے جائے گا۔

''آپ کے اس کام کا کیا بنے گا جو آپ نے شروع کیا تھا؟'' اژمیر نے پوچھا۔

''وہ تو ڈراپ ہو گیا تھا لیکن اسعد اور اس کے ساتھی کوشش کر رہے ہیں۔ اپنا نقطہ نظر اوپر تک پہنچانے کی۔ ایس پی صاحب نے بھی وعدہ کیا ہے کچھ کرنے کا۔ انہوں نے بتایا ہے کہ میرے ٹرانسفر کے آرڈر اوپر سے آئے ہیں' تاہم وہ آئی جی سے بات کریں گے۔ شاید میرا ٹرانسفر پھر یہیں کسی تھانے میں ہو جائے۔''

''میں دعا کروں گی۔'' مازیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے یقین ہے کہ ہماری گڑیا کی دعا ضرور سنی جائے گی۔''

''امی! میں ذرا چینج کر لوں۔''

''ہاں' ہاں جاؤ۔'' عفت بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''بیٹا! تم لوگ بیٹھو' باتوں میں وقت کا خیال ہی نہیں رہا اور عصر کی نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے۔ اژمیر! تم بھی اٹھو نماز پڑھو!'' وہ اسے تاکید کرتے ہوئے چلی گئیں لیکن وہ یوں ہی بہت سست سا بیٹھا رہا۔ کبھی کبھی وہ اور مازیہ یوں ہی ڈنڈی مار جایا کرتے تھے۔ جس پر انہیں اکثر عفت سے ڈانٹ بھی پڑتی تھی۔ تب ہی دروازے پر بیل ہوئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''خسرو بھائی! میرا دوست آیا ہے عبدالرحمٰن' میں اس کے ساتھ جا رہا ہوں انشاء اللہ کل ملاقات ہو گی۔'' اژمیر نے کہا۔

خسرو نے سر ہلاتے ہوئے اسعد کی طرف دیکھا۔

''یار تم نے وہ نیا آرٹیکل نہیں دکھایا اپنا اور تمہارا فیچر کل کے اخبار میں چھپ رہا ہے کیا؟''

''ہاں فیچر تو چھپ رہا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اس کا ردعمل کیا ہوتا ہے اور وہ آرٹیکل بھی رات کو مکمل ہو گیا تھا۔ ''قرآن و سنت کی روشنی میں جادو ٹونا'' بہت تحقیق کرنا پڑی ہے۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔ رات کو پڑھ لینا۔ کل جب میں آؤں گا تو واپس لے آؤں گا۔''

اسعد کے جانے کے بعد خسرو نے جھک کر کارپٹ پر پڑا ریموٹ اٹھایا۔

تب ہی چائے کی ٹرے اٹھائے عمارہ اندر داخل ہوئی۔

''ارے سب لوگ کہاں ہیں؟''

''اژمیر تو چلا گیا' اپنے دوست کے ساتھ' باقی سب آ رہے ہیں۔''

خسرو نے ایک گہری نظر عمارہ پر ڈالی' اسے اس کا چہرہ بجھا ہوا سا لگا اور آنکھیں نم نم سی۔

''کیا بات ہے عمارہ! تم کچھ پریشان ہو؟''

''نہیں تو۔'' عمارہ نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

''آپ کیلئے چائے بناؤں؟''

''ہاں!''

''چینی۔'' اس نے پلکیں اٹھائیں۔

''آج یہ پوچھنے کی ضرورت تمہیں کیوں ہوئی عمارہ!'' خسرو کے لہجے میں شکایت کا رنگ تھا۔

''اس سے پہلے تو تم نے کبھی نہیں پوچھا تھا۔''

''اوہ سوری!'' عمارہ نے ایک چمچ چینی کپ میں ڈالی۔

''عمارہ! ادھر دیکھو میری طرف۔ کون سی بات تمہیں پریشان کر رہی ہے؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

عمارہ نے بدستور جھکی ہوئی نظروں کے ساتھ بسکٹ اور نمکو کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ لیں نا۔''

''عمارہ! میں کہہ رہا ہوں ادھر دیکھو میری طرف۔''

''بمشکل اس نے پلکیں اٹھائیں اور پھر یکدم جھکا لیں۔ لیکن جانے کہاں سے دو آنسو پلکوں کے کناروں پر آ ٹکے۔

''کیا کوئی ایسا مسئلہ ہے جو تم مجھ سے ڈسکس نہیں کر سکتیں؟'' خسرو بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ دراصل۔'' اسے بروقت جواب سوجھ گیا۔

''میری تیاری نہیں ہے۔ صبح سے پڑھا نہیں جا رہا' مجھے لگتا ہے جیسے میں ابی جان کی امیدوں پر پوری نہ اتر سکوں گی۔ شاید میں ناکام ہو جاؤں شاید میرے نمبر کم

آئیں۔''

''اوہ.....!'' خسرو نے اطمینان بھری سانس لی۔

''ایسا کچھ نہیں ہوگا عمارہ! مجھے یقین ہے۔ ابھی ایک ماہ ہے تمہارے پاس۔ ریلیکس ہو کے پڑھو۔ نہ ہی یہ سوچو کہ تمہارے نمبر کچھ کم آئے تو پھوپھا جان مایوس ہوں گے۔ جب یہ خیال دل سے نکال دو گی' تو تب ہی ٹھیک سے پڑھ سکو گی اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنی پوزیشن برقرار رکھو گی۔''

ہمیشہ کی طرح نرم لہجہ ٹھہر ٹھہر کر سمجھاتا ہوا۔ عمارہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر ہلا دیا۔

اسعد آرٹیکل لے آیا تھا۔ اس سے آرٹیکل لے کر گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے وہ عمارہ کو اسعد کیلئے چائے بناتے دیکھتا رہا۔

اس کی لانبی انگلیوں والے سفید ہاتھ۔ خوب صورتی سے تراشے ہوئے ناخن نیل پالش سے بے نیاز۔ ایک وہ ضویا تھی جس نے آدھ آدھ انچ ناخن بڑھا رکھے تھے اور کپڑوں کی مناسب سے ان پر لگی کیوٹکس کا رنگ بدلتا رہتا تھا۔

''اگر کبھی عمارہ ان گلابی ناخنوں پر کیوٹکس لگائے تو اس کے ہاتھ کیسے لگیں گے۔'' وہ غیر ارادی طور پر عمارہ کے متعلق ہی سوچے جا رہا تھا۔

''اور وہ دن کتنا خوش کن ہوگا اور میں کتنا خوش بخت ہوں گا' جب عمارہ حامد شاہ' عمارہ خسرو شاہ بن کر میرے دل اور گھر میں چراغاں کرے گی۔'' مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کو چھوا' تب ہی عفت نے اسے آواز دی۔

''بیٹا خسرو! تمہاری امی کا فون ہے' بات کر لو۔'' اور چائے کا کپ میز پر رکھ کر وہ فون سننے چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

''ضوئی! بتاؤ پلیز میں کیا کروں۔'' عالیہ نے بے چینی سے کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے ضویا کی طرف دیکھا۔

''تم آرام سے بیٹھ کر بات نہیں کر سکتی عالی؟''

ضویا کو اس کی اس مارچ پاسٹ سے الجھن ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی۔ ضویا کو کچھ فلو ہو رہا تھا اور وہ دو دن سے کالج نہیں جا رہی تھی۔ سو آج چھٹی کے بعد عالیہ کالج سے واپسی پر سیدھی اس کی طرف آئی تھی۔

''مجھے سچ مچ ابتسام ملک سے محبت ہو گئی ہے ضوئی!'' عالیہ دھپ سے اس کے بیڈ پر آ بیٹھی۔

''تو کیا ہوا۔ آخر محبت تو ہونا ہی تھی۔ اتنے دنوں سے جو ساری ساری رات گپ لگاتی تھیں' اس سے ملتی تھیں تو.....''

''نہیں ضوئی! میرا خیال ہے مجھے اس سے پہلی نظر میں ہی محبت ہو گئی تھی' بس یقین اب آیا ہے۔''

''اور محبت کا انجام شادی۔'' ضویا نچلا لب دانتوں تلے دبا کر مسکرائی۔

''اب تم ابتسام ملک سے شادی کر لینا' لیکن کیا تمہاری مما اور پپا اس کا پروپوزل قبول کر لیں گے؟''

''کیوں نہیں؟'' عالیہ جھنجھلائی۔

''بھلا کیا کمی ہے سامی میں۔ اعلیٰ خاندان' ہائی ایجوکیٹڈ' امیر و کبیر۔ لیکن سامی پروپوز تو کرے ناں!''

''کر دے گا اتنی جلدی کیا ہے؟'' ضویا شرارت کے موڈ میں تھی۔

''اگر انتظار نہیں ہوتا' تو کہہ دو اس سے کہ تم اس کے بغیر نہیں رہ سکتیں' لہٰذا وہ فوراً اپنے مما پپا کو تمہارے پاپا کے پاس بھیجے۔''

''لیکن پتا نہیں کیوں ضوئی' مجھے لگتا ہے وہ مجھے پروپوز نہیں کرے گا۔''

عالیہ سنجیدہ تھی۔

''لیکن کیوں؟ اتنے دن ہو گئے تمہاری فرینڈ شپ کو۔ کیا اسے تم سے محبت نہیں ہوئی۔''

''پتا نہیں' اس نے کبھی کہا نہیں..... میرا مطلب ہے ہم ڈھیروں باتیں

کرتے ہیں' لیکن اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آئی لو یو۔ شاید وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔'' اس کی آواز بھیگ گئی۔

''اس نے ہمیشہ دوست رہنے کی بات تو کی ہے۔ لیکن کبھی ساتھ زندگی گزارنے کی بات نہیں کی۔''

''تو تم خود کہہ کر دیکھو۔

''کہا تھا ایک روز میں نے۔ وہ کہنے لگا کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتا۔ اس نے ایسا کبھی سوچا بھی نہیں ہے۔ وہ محض مجھے دوست سمجھتا ہے۔''

عالیہ نے اپنی آنکھوں کی نمی چھپانے کیلئے سر جھکا لیا۔

''اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔'' ضویا نے شکوہ کیا۔

''ہاں بس یوں ہی' پرسوں شام کی بات ہے ہم فون پر بات کر رہے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ مما بی اے کے بعد میری شادی کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں' تو اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ تب میں نے کہا کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں' تو اس نے کہا کہ وہ ایسی محبتوں پہ یقین نہیں رکھتا اور شادی وہ اپنے والدین کی مرضی سے کرے گا۔ ضوئی میں اتنی بدشکل اور بری تو نہیں ہوں۔''

''ہاں تم' تم تو بہت پیاری ہو عالیہ! لیکن اگر آپ بہت خوب صورت ہوں اور پھر بھی کوئی آپ سے محبت نہ کرے' تو ہم کیا کر سکتے ہیں کچھ بھی نہیں۔ آپ کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ آپ سے محبت کرے آپ کو چاہے۔'' ضویا کا انداز سمجھانے والا تھا۔

''لیکن کیوں ضوئی! جب ہم کسی کو اتنا چاہتے ہیں' تو وہ بھی ہمیں اتنا کیوں نہ چاہے؟''

''یہ ضروری نہیں ہوتا عالیہ! ہو سکتا ہے ابتسام کسی اور سے محبت کرتا ہو۔''

''نہیں' میں نے پوچھا تھا اس نے کہا کہ اس کی کسی کے ساتھ کمٹ منٹ نہیں ہے' نہ ہی وہ کسی کو پسند کرتا ہے' تو پھر وہ مجھ سے شادی کیوں نہیں کر لیتا۔'' عالیہ نے ضدی لہجے میں کہا۔

''تمہاری محبت تمہارے اختیار میں ہے لیکن ابتسام ملک کا دل تو تمہارے

اختیار میں نہیں ہے' بھول جاؤ اسے۔ کیا خبر تمہارے مما پپا نے تمہارے لئے کوئی بہت اچھا لڑکا تلاش کر رکھا ہو۔''

''وہ اچھا لڑکا ابتسام ملک تو نہیں ہوگا ضوئی۔'' عالیہ رونے والی ہو رہی تھی۔

''اور بھول جانا اپنے اختیار میں کب ہوتا ہے۔''

''کوشش تو کی جاسکتی ہے نا۔'' ضویا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''نہیں ضوئی! تم نہیں سمجھ سکتیں' تم نے کسی سے محبت نہیں کی نا' اس لیے تم نہیں جانتیں کہ محبت میں آدمی بالکل بے اختیار ہو جاتا ہے۔''

''میں نے محبت نہیں کی؟'' ضویا نے سوچا۔

''چند ماہ پہلے تک تو یہ صحیح تھا' لیکن کیا اب میں پورے یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ میں نے کبھی محبت نہیں کی۔ میں جو خسرو کو اتنا سوچنے لگی ہوں تو کیا یہ محبت نہیں ہے۔ شاید یہی محبت ہوتی ہے کہ ہم کسی کو سوچیں' اس سے ملنے کیلئے' اسے دیکھنے کیلئے بے چین ہوں۔ دل چاہے کہ پوری محفل میں وہ صرف ہمیں دیکھے۔ ہماری طرف توجہ دے اور یہی تو محبت ہے۔''

''کیا تم نے کسی سے محبت کی ہے ضوئی؟'' عالیہ نے یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھا تو ضویا سٹپٹا گئی۔

''پتا نہیں' لیکن میں خسرو کو سوچنے لگی ہوں۔ اگر یہ محبت ہے تو شاید.....اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔ تم نے میرا دھیان اس طرف کیا۔ تم نے بار بار کہا کہ خسرو.....''

''ارے تو کیا ہوا؟'' عالیہ اپنا دکھ بھول کر خوشی سے اچھل پڑی۔

''وہ تمہارا انسپکٹر ہے ہی ایسا کہ اسے چاہا جائے اور پھر تمہارا اور اس کا کتنا خوب صورت کپل ہوگا ہے نا۔'' اس نے بائیں آنکھ کا کونا دبایا۔

''شاید ممکن نہ ہو۔'' ضویا افسردہ سی تھی۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ مما اسے پسند نہیں کرتیں۔''

''ارے مما کے پسند ناپسند کرنے سے کیا ہوتا ہے۔''

عالیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''یہ بتاؤ' وہ تو تمہیں پسند کرتا ہے نا۔''

''شاید نہیں۔'' ضویا مزید افسردہ ہوگئی۔

ان بیتے دنوں میں کوئی ایک لمحہ بھی تو ایسا نہ تھا جب خسرو نے اس پر کوئی ''خاص'' نظر ڈالی ہو۔ حالانکہ ان دنوں میں کتنی ہی بار اس کا اور خسرو کا سامنا ہوا تھا۔ وہ تو ہمیشہ کی طرح ادھر کم ہی آتا تھا۔ آتا بھی تو ابرار شاہ کے پاس بیٹھا رہتا۔ لیکن عالیہ کے کہنے پر اس نے خود ہی انیکسی میں جانا شروع کر دیا تھا۔ پھپھو بہت خوش ہوتی تھیں لیکن خسرو نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ بلکہ شروع شروع میں تو وہ خاصا حیران بھی ہوا تھا اور اس نے اس حیرانی کا برملا اظہار بھی کر دیا تھا۔

اس روز دوپہر کو وہ پھر جھجکتی ہوئی انیکسی میں چلی گئی۔ آمنہ صحن میں دھوپ میں کرسی ڈالے بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر کھل اٹھیں۔

''ارے میری ضوئی آئی ہے۔''

اسے یاد نہیں تھا کہ وہ آخری بار کب آئی تھی۔

ہاں اس کا خیال تھا کہ کالج میں آنے کے بعد وہ ادھر نہیں آئی تھی پھر شاید ایک بار مما نے منع کیا تھا۔

''ضویا! ادھر خسرو بھی ہوتا ہے۔ یوں ہر وقت منہ اٹھائے نہ چلی جایا کرو۔''

وہ مما کی بات سے کوئی مطلب تو اخذ نہ کر سکی تھی' لیکن غیر ارادی طور پر اس نے ادھر آنا کم کر دیا تھا۔

''بیٹا! آج کیسے پھپھو کا خیال آ گیا؟''

آمنہ بہت خوش ہو رہی تھیں۔

''وہ آج کالج سے چھٹی کی تھی تو بور ہو رہی تھی تو میں نے سوچا آپ سے گپ شپ لگاتی ہوں۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں بیٹا!'' آمنہ نے بہت محبت سے کہا تھا۔ اس روز وہ بہت دیر تک بیٹھی رہی۔ بلکہ چائے بھی پی۔ آمنہ نے اس کیلئے شامی کباب فریج سے نکال کر فرائی

کیے' ساتھ میں فرنچ فرائز بنا لیے تھے۔ وہ منع ہی کرتی رہی' لیکن انہوں نے اس کے سامنے کئی چیزیں رکھ دیں۔

''میں کوئی مہمان ہوں۔'' وہ شرمندہ ہو رہی تھی۔

''مہمان تو نہیں ہو بیٹا! لیکن مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے تمہارے آنے سے۔''

''اور اگر میں روز روز آنے لگوں تو؟''

اس نے شامی کباب کھاتے ہوئے شرارت سے انہیں دیکھا۔

''تو میں روز ہی اتنا خوش ہوں گی۔ میں بھی تو سارا دن اکیلی ہوتی ہوں۔ خسرو تو ظاہر ہے گھر پر نہیں ہوتا۔''

''پھپھو! آپ ادھر آ جایا کریں نا ہمارے پاس۔''

تب ہی خسرو آ گیا اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں واضح حیرت نظر آئی تھی اور اس نے اپنی حیرت چھپائی بھی نہ تھی۔

''آپ ضویا! آج ادھر کیسے؟''

''کیوں وہ یہاں نہیں آ سکتی؟'' آمنہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیوں نہیں' اپنا گھر ہے ان کا۔ میں نے تو اس لئے پوچھا کہ پہلے کبھی نظر نہیں آئیں ادھر۔''

''ویسے کیسی ہیں آپ؟'' اس کا انداز بالکل سرسری سا تھا۔ ضویا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''میں اچھی ہوں۔''

''او کے امی! میں کچھ دیر آرام کروں گا۔''

اور وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا بغیر اس کو توجہ دیے اور اس کا یہ انداز اب تک برقرار تھا۔

''اور اس شخص کو اپنی طرف مائل کرنا کتنا مشکل ہے' وہ تو نظر بھر کر مجھے دیکھتا ہی نہیں اور عالیہ کہتی ہے کہ میں نے کبھی کوشش ہی نہیں کہ وہ مجھے دیکھے۔''

''کس سوچ میں پڑ گئی ہو یار؟'' عالیہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی۔

''کچھ نہیں یونہی تمہارے متعلق سوچ رہی تھی کہ اگر ابتسام نے تم سے شادی نہ کی تو۔''

''تو..... نہیں ضویا! وہ مجھ سے شادی ضرور کرے گا ضرور' اور تم میری مدد کرو گی۔''

''میں!'' ضویا نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''میں بھلا تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟''

''پتا نہیں! لیکن اگر کبھی تمہاری مدد کی ضرورت پڑی تو کرو گی نا؟''

''ہاں اگر میرے اختیار میں ہوئی تو' لیکن میں..... کیا تم چاہتی ہو میں ابتسام سے بات کروں تمہارے متعلق۔ مگر میں تو آج تک خسرو سے بات نہیں کر سکی' حالانکہ وہ میرا کزن ہے۔''

''میں نے کہا نا فی الحال میں سوچوں گی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ لیکن یار! تم خسرو سے بات کیوں نہیں کرتیں کیا کرو..... رہا خسرو..... تو وہ تمہارے اس حسن کے جال سے بچ ہی نہیں سکتا۔ تمہیں اپنی خوبصورتی کا خود بھی ادراک نہیں ہے۔ ابتسام نے ایک بار تمہیں دور سے دیکھا تھا' لیکن تم ابھی تک اسے یاد ہو۔''

''پتا نہیں عالی! خسرو بھائی اور طرح کے ہیں کچھ مختلف سے۔''

''کیا مختلف یا اور طرح کا بندہ محبت نہیں کر سکتا۔''

''ضوئی! تم بہت پیاری ہو' چاہے جانے کے قابل۔''

عالیہ نے اس کے دل میں پھر امید کی شمع جلا دی تھی۔ ایک غرور سا اس کے اندر پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا خسرو کب تک۔ آخر کب تک اسے نظر انداز کرے گا اور عالیہ نے اس کے یقین میں اضافہ کیا تھا۔

''دراصل خسرو ایکٹنگ کر رہا ہے بے نیازی کی اور تم سمجھ رہی ہو کہ وہ اور طرح کا بندہ ہے' حسن اسے متاثر نہیں کرتا۔ اب اپنی پھپھو کی طرف جاؤ تو اسے نظر انداز کرنا تم بھی۔ بس پھپھو سے گپ شپ لگا لیا کرنا۔ پھر دیکھو اس کا ردعمل۔''

اور اس نے سر ہلا دیا۔ تب ہی رابیل دروازے پر دستک دے کر اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''چائے میز پر لگ گئی ہے آ جایئے۔''

''میں چائے نہیں پیوں گی۔ اب چلتی ہوں' نانو نے کہا تھا جلدی آنا' اور میں کالج سے یہیں آ گئی۔''

''پھر تو آپ نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا' آ جایئے نا پلیز۔''

''ضویا نے کہا تھا کھانے کو' لیکن میں نے کینٹین سے برگر لے کر کھا لیا تھا۔''

رابیل انہیں چائے کیلئے آنے کی تاکید کرتے ہوئے چلی گئی' ضویا کو یاد آیا۔

''ارے عالی! آج تم ابتسام کی طرف نہیں گئیں؟''

''نہیں' وہ اسلام آباد گیا ہوا ہے۔''

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے باہر آ گئیں جہاں چائے پر زین' رابیل اور بیگم ابرار ان کا انتظار کر رہے تھے۔ بیگم ابرار عالیہ سے اس کے ماما پاپا کی خیریت پوچھنے لگی تھیں اور ضویا چائے بناتے ہوئے پھر سے خسرو کو سوچنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

عبداللہ قنات سے لگے کھڑے تھے۔ بڑے سے میدان میں قناتیں لگی تھیں اور سامنے میزیں جوڑ کر اسٹیج بنایا گیا تھا۔ اسٹیج پر کارپٹ بچھا تھا اور پیچھے ساٹن کی جھالروں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ عبداللہ کی نظریں اسٹیج پر اور کبھی پنڈال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ اسٹیج پر نعت گو حضرات بیٹھے تھے۔ پنڈال تقریباً بھرا ہوا تھا۔ محفل نعت کا یہ اہتمام اہل گاؤں مل جل کر کیا کرتے اور اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اخراجات کیلئے کچھ نہ کچھ دیا کرتے تھے۔ عبداللہ بھی ایک کونے میں گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھے نعتیں سنتے رہے تھے لیکن پچھلے دو تین سالوں سے محفل کا رنگ ڈھنگ بدل گیا تھا۔ جب سے سازوں کے ساتھ نعتیں پڑھی جانے لگی تھیں تو عبداللہ پنڈال میں آنے کے بجائے گلیوں میں چکراتے پھرتے یا پھر ویران مسجد میں جا کر بیٹھ جاتے تھے لیکن آج پھر وہ پنڈال میں کھڑے اسٹیج کو دیکھ رہے تھے۔ لوگ ابھی آ رہے تھے۔ عبداللہ قنات کے ساتھ ساتھ چلتے

ہوئے اسٹیج کی طرف بڑھنے لگے۔

جب پہلا نعت گو مائیک کے سامنے آ کر بیٹھا' تو عبداللہ اسٹیج کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اس نے نعت پڑھنی شروع کی۔ آواز اچھی تھی پہلے تو یکدم پنڈال میں خاموشی چھا گئی۔ پھر سبحانہ اللہ سبحانہ اللہ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ لوگ اٹھ اٹھ کر اسٹیج پر آنے لگے اور نعت گو پر نوٹ نچھاور کرنے لگے۔ اس کے اردگرد نوٹ ہی نوٹ گر رہے تھے اور وہ آنکھیں بند کیے جھوم جھوم کر نعت پڑھ رہا تھا۔ کسی نے عبداللہ کو اسٹیج پر چڑھتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی نعت گو کے سر پر نوٹ نچھاور کرنے والوں کے ساتھ ہی اسٹیج پر چڑھ گئے' لوگوں کا دھیان نعت گو کی طرف تھا' لیکن جب اچانک عبداللہ نے اسے گردن سے پکڑ کر جھٹکا دیا' تو اسٹیج پر بیٹھے ہوئے دوسرے نعت گو ان کی طرف لپکے۔

''ارے ارے کیا کر رہے ہو۔''

''پاگل ہے' دیوانہ ہے شاید۔''

ایک نے بازو سے پکڑ کر انہیں کھینچا۔ لیکن عبداللہ نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑا لیا اور نعت گو کو کندھے سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔

''بے ادبی کرتا ہے۔ نبی ﷺ کے نام پر کاروبار کرتا ہے۔ نبی ﷺ کے نام کو بیچتا ہے' نعوذ باللہ۔ ظلم کرتا ہے ظالم تجارت کرتا ہے۔''

عبداللہ نے پھر اس کی گردن دبوچ لی۔ ان کی آنکھیں لال سرخ ہو رہی تھیں جیسے ابھی ان سے خون ٹپک پڑے گا۔ اب پنڈال سے بھی لوگ اسٹیج پر چڑھ آئے۔ سب نے مل کر عبداللہ کو پکڑ لیا تھا۔ ان کے منہ سے تھوک نکل رہا تھا اور وہ چیخ رہے تھے۔

''نہیں چھوڑوں گا..... مار ڈالوں گا۔ کاروبار کرتا ہے۔''

لوگ انہیں زبردستی اسٹیج سے نیچے لے آئے تھے چند لوگوں نے انہیں مارنا شروع کر دیا۔

''اتنی پاک محفل میں ہنگامہ کر کے تقدس مجروح کرتا ہے۔''

کسی نے کہا تو انہوں نے مڑ کر غصے سے اسے دیکھا اور چلائے۔

''اس نے .....اس نے تقدس مجروح کیا۔اس نے میرے آقا ﷺ کے نام پر کاروبار کیا۔''

''نکالو.....باہر نکالو اس بے دین کو۔'' کوئی چلایا۔

''جاہل..... یہ کیا جانے نبی ﷺ کی حرمت۔'' پھر کئی ہاتھ ان کی طرف بڑھے' مکے اور لاتیں چاروں طرف سے ان پر برس رہے تھے۔گاؤں کے کئی بڑوں نے اٹھ کر روکنے کی کوشش کی۔

''ارے بس کرو مت مارو۔''

''فقیر ہے۔''

''ناسمجھ ہے۔''

''تم ہو نا سمجھدار۔'' عبداللہ دھاڑے۔لیکن لوگ انہیں کھینچتے ہوئے پنڈال سے باہر لے آئے اور پتھریلی زمین پر پٹخ دیا۔کسی نے خدیجہ بیگم کو بھی اس کی خبر کر دی تھی۔ وہ ہانپتی کانپتی پنڈال کے باہر پہنچ گئی تھیں۔

''عبداللہ' عبداللہ!''

انہوں نے بازو سے پکڑ کر انہیں اٹھانے کی کوشش کی۔

''چل.....چل پتر' گھر چل۔''

''نہیں۔'' عبداللہ نے انگلی اٹھا کر خدیجہ بیگم کو دیکھا۔پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔خدیجہ بیگم تڑپ اٹھیں۔

''کیوں' کیوں مارا ظالموں نے تمہیں عبداللہ! چل گھر چل۔''

لیکن عبداللہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے اور خدیجہ بیگم کے کمزور وجود میں اتنی طاقت نہ تھی۔انہوں نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔لوگ انہیں چھوڑ کر واپس پنڈال میں جا چکے تھے۔

''نہیں چھوڑوں گا۔'' عبداللہ نے مڑ کر پنڈال کی طرف دیکھا۔

''نہیں' نہیں۔'' خدیجہ بیگم کانپ گئیں۔

''مار ڈالیں گے وہ تجھے۔''

''مار ڈالیں۔'' عبداللہ نے اٹھنے کی کوشش کی۔

''نہیں.....نہ جانا۔'' خدیجہ بیگم نے فریاد کی۔

''نا آزما مجھے' تجھے تیرے نبی ﷺ کا واسطہ جس کیلئے تو ان سے لڑ پڑا تھا۔ عبداللہ! مت کر میری مامتا پر ظلم۔''

عبداللہ نے ایک تیز نظر خدیجہ پر ڈالی۔شکوہ کرتی' گلہ کرتی جیسے کہہ رہا ہو کیوں دیا میرے نبی ﷺ کا واسطہ کیوں روکا مجھے۔

''ایسا نہ کر عبداللہ! نہ کر ایسا۔''

خدیجہ بیگم کے آنسوان کے جھریوں بھرے رخساروں پر تیزی سے بہنے لگے تھے۔مسجد کی طرف جاتے مولوی ثناءاللہ ان کے پاس رک گئے اور ایک تاسف بھری نظر ان پر ڈالی۔وہ نہ تو عبداللہ کو جانتے تھے نہ خدیجہ بیگم کو' وہ یہاں اجنبی تھے اور دیانت حسین نامی شخص سے ملنے آئے تھے۔جس کی کچھ رقم وہ برمنگھم سے لائے تھے' جو دیانت حسین کے بیٹے نے انہیں دی تھی۔قریبی قصبے میں ان کے والدین رہتے تھے اور وہ دو تین سال بعد اپنے والدین سے ملنے آتے رہتے تھے یوں عرصہ پندرہ سال سے وہ انگلینڈ کے شہر برمنگھم میں ایک اسلامک سینٹر چلا رہے تھے۔

جہاں نہ صرف مسلمانوں کے بچوں کو قرآن کی اور دینی تعلیم دی جاتی تھی' بلکہ دوسرے مسائل بھی حل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔جو بعض اوقات دیار غیر میں موجود مسلمانوں کو درپیش ہوتے تھے۔وہ دیانت حسین کو ڈھونڈتے ہوئے پنڈال تک آئے تھے۔حجام کی دکان سے انہیں پتا چلا تھا کہ دیانت حسین محفل نعت میں گیا ہے۔انہوں نے عبداللہ کو نعت گو کی گردن پکڑتے بھی دیکھا تھا اور پھر لوگوں کو انہیں باہر گھسیٹ کر لے جاتے بھی۔وہ نہ نہ کرتے ہی رہ گئے تھے۔اتنے شور اور ہجوم میں کسی نے ان کی بات نہیں سنی تھی اور اب وہ تاسف سے اس بوڑھی عورت کو روتے دیکھ رہے تھے۔

''ماں جی! آپ کو کہاں جانا ہے' میں چھوڑ آتا ہوں۔''

انہوں نے عبداللہ کے بازو پر ہاتھ رکھا' تو بازو پیچھے کرتے ہوئے عبداللہ

نے ایک غصیلی نظران پر ڈالی۔

''میرا پتر ہے۔ پتر ہی سمجھو بیٹا! اپنے آپ سے غافل اور بیگانہ ہو گیا تھا بھری جوانی میں۔ بس نا سمجھی میں کر بیٹھا' کچھ غلط صحیح کی سمجھ نہیں ہے۔ ادب بے ادبی کی سمجھ نہیں رکھتا۔''

وہ دوپٹے سے عبداللہ کی پیشانی سے بہتا لہو پونچھتے ہوئے بتانے لگیں۔

''غلط کیا ہے اور صحیح کیا ہے۔ اس کا ادراک کسے ہے اور کون بتائے گا کہ کون غلط ہے اور صحیح کون؟'' مولوی ثناءاللہ نے دکھ سے سوچا۔

اندر پنڈال میں پھر نعت گوئی شروع ہو چکی تھی۔ اب سازوں کی آواز بھی شامل ہو چکی تھی۔ لوگ سبحان اللہ کے نعرے لگاتے نعت گو پر روپے وار رہے تھے۔ ویڈیو بن رہی تھی اور اب یہی مووی کیبل کے کسی چینل پر چلا دی جائے گی۔ اجنبی لوگ دیکھیں گے سوچیں گے کہ یہ ہے اسلام' انہیں اپنے اسلامک سنٹر میں آنے والا اک پارسی یاد آ گیا جو کہتا تھا۔ دھمال ڈالنا' مست ہو کر سبز لمبا چغہ پہن کر بھنگڑا ڈالنا' کیا اسلام ہے؟ اس نے کسی مزار پر دھمال ڈالنے والوں کی مووی دیکھ لی تھی اور مولوی ثناءاللہ اسے اسلام کی روح سمجھانے کی کوشش کرتے۔ پتا نہیں وہ مطمئن ہو پایا تھا یا نہیں لیکن سر ہلائے جاتا تھا اور اب جو کبھی وہ یہ مووی دیکھ لے تو کیا سوچے انہیں یاد آیا کہ انہوں نے پڑھا تھا کہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی محفل میں نگاہیں جھکا کر بیٹھتے اور آہستہ آواز میں گفتگو کرتے تھے۔

''تنگ نہ کر عبداللہ! اٹھ میرا پتر' گھر چل' ٹکور کروں گی۔''

خدیجہ بیگم کی آواز پر وہ چونکے اندر پنڈال میں سبحانہ اللہ کا شور مچا تھا۔

ثناءاللہ کے دل میں بھی شور بپا تھا۔ وہ بند لبوں سے خدیجہ بیگم کے جھریوں بھرے چہرے کو آنسوؤں سے تر ہوتا دیکھ رہے تھے۔ ساکت کھڑے اور ان کے اپنے آنسو کہیں اندر گر رہے تھے' قطرہ قطرہ۔ اس قوم کی بے حسی اور بے دینی پر جو قدم بہ قدم تباہی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے' ہاتھوں کا تکیہ بنائے

خسرو آنکھیں موندے نیم دراز سا جانے کیا سوچ رہا تھا۔ آمنہ نے دو تین بار جھانک کر دیکھا۔ وہ اسی طرح آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ تب وہ گھبرا کر اندر چلی آئیں۔

''کیا بات ہے خسرو؟'' خسرو نے آنکھیں کھول دیں۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''وہاں کوئی پرابلم ہے۔ سیٹ نہیں ہو پا رہے تو تمہارے ماموں سے بات کروں۔''

''نہیں امی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' خسرو اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''آپ یونہی پریشان ہو رہی ہیں۔ میں نے پچھلی بار آپ کو بتایا تھا کہ سب ٹھیک ہے۔ ماتحت عملہ اچھا ہے۔ کہنے کو تو وہ قصبہ ہے لیکن آس پاس کے گاؤں والے اسے شہر ہی کہتے ہیں۔ وہاں ساری سہولتیں ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن کتنے کمزور ہو گئے ہو خسرو!''

''ظاہر ہے' پیاری امی کے ہاتھ کے پکے کھانوں اور بازار کے کھانوں سے اتنا فرق تو پڑے گا۔'' خسرو تسلی دینے کے انداز میں مسکرایا۔

''میں یہاں اکیلی پریشان ہوتی رہتی ہوں' رات کو نیند نہیں آتی۔ کئی بار خوف سا محسوس ہوتا ہے۔''

''پہلے جب میں گیا تھا ٹریننگ کیلئے' تب تو آپ کو ڈر نہیں لگتا تھا پھر اب کیوں ڈرتی ہیں؟''

''ارے تب تو زین آ جاتا تھا' کبھی ادھر سونے کیلئے' کبھی میں ادھر چلی جاتی تھی۔''

''تو اب بھی زین سے کہہ دوں۔ بلکہ میں کہہ دیتا ہوں۔''

''نہیں خیر وہ ضویا بھی کہہ رہی تھی کہ جب تک تم نہیں آ جاتے۔ میں رات کو اس کے کمرے میں سو جایا کروں' لیکن مجھے اپنے بیڈ پر ہی نیند آتی ہے۔ بے چینی سی رہتی ہے ادھر' تم اپنی ٹرانسفر کروا لو خسرو یا پھر میری بات مان لو۔''

وہ اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

''کون سی بات؟'' خسرو نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

''یہی کہ شادی کرلو۔ سچ کہتی ہوں' بہت دل گھبراتا ہے اب میرا سارا سارا دن اکیلے رہتے ہوئے۔''

''وہ نہیں آتیں آپ کی لاڈلی بھتیجی؟''

''تمہارے جانے کے بعد دو تین بار ہی آئی ہے لیکن ظاہر ہے وہ سارا وقت تو ادھر نہیں رہ سکتی۔''

''خسرو! میری بات مان' زندگی کا کیا بھروسہ۔ ایک بار اپنی آنکھوں سے تجھے اپنے گھر میں آباد ہنستا کھیلتا دیکھ لوں۔''

ان کی آواز بھرا گئی تو خسرو نے ایک دم ان کے ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگا لیے۔

''آپ ایسی باتیں مت کیا کریں۔ چلیں ٹھیک ہے آپ کا جو جی چاہے کریں۔''

آمنہ بیگم کی نم آنکھوں میں خوشی کے رنگ اتر آئے۔ خسرو نے ماں کے چہرے کو دیکھا اور انگلی کے پور سے ان کے آنسو پونچھے۔

''یہ آنسو کس خوشی میں؟''

آمنہ خاموش بیٹھی اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ دل میں ہلچل سی مچی تھی۔ جانے کیا کیا یاد آرہا تھا۔ سید ظہیر حسین' خسرو کے متعلق جانے کیا کیا منصوبے بنائے بیٹھے تھے۔ ابھی وہ چھوٹا سا ہی تھا تو وہ اس کی تعلیم' اس کے کیریئر سے لے کر اس کی شادی تک کے بارے میں فکرمند ہو جاتے۔ آمنہ مسکرا دیتیں۔

''ابھی اتنا چھوٹا تو ہے اور ابھی سے آپ نے شادی تک کا سوچ لیا۔''

''چھوٹا ہے تو کل کو بڑا بھی ہوگا نا۔'' ظہیر حسین اسے گدگدی کرتے۔

''اللہ اسے زندگی اور صحت دے۔'' آمنہ دعا کرتیں۔ شاید وہ یہ سب باتیں اس لئے کیا کرتے تھے کہ ان کی تعلیم' کیریئر اور شادی کچھ بھی دیکھنا ان کے نصیب میں نہ تھا۔

''اداس ہوگئیں امی؟''

خسرو نے جیسے ان کی سوچ پڑھ لی تھی۔ اس نے یکدم بازو ان کے گرد پھیلا کر انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔ آمنہ سسکنے لگیں۔ بہت دنوں بعد آج انہیں ظہیر حسین شاہ بے طرح یاد آئے تھے اور ساتھ اپنی تنہائی اور محرومیاں۔

خسرو کی زندگی میں رہ جانے والا خلا۔ باپ کے بغیر کتنا لمبا سفر طے کر آیا تھا وہ۔ خسرو نے کچھ دیر انہیں رونے دیا اور پھر آہستگی سے انہیں خود سے الگ کیا۔ خود اس کا دل بھی گداز ہو رہا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے آمنہ کی طرف دیکھا جو ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔

''یہ آنسو کیا آنے والی بہو کے خوف سے بہائے جا رہے ہیں کہ کہیں آتے ہی وہ آپ کی راجدھانی پر قبضہ نہ کرلے۔''

خسرو نے آمنہ کا دھیان بٹانے کیلئے لہجے میں شرارات سمو کر انہیں دیکھا۔

''مجھے اپنی بہو سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' وہ بہت پیاری اور مجھ سے محبت کرنے والی ہوگی؟''

''اچھا تو کیا کوئی ڈھونڈ رکھی ہے' مجھے بھی تو بتائیں اس پری کا کچھ اتا پتا۔''

''مجھے ادھر ادھر ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے' ماشاءاللہ گھر میں لڑکیاں نہیں ہیں کیا؟''

''لیکن امی جان.....؟'' خسرو نے معصومیت سے کہا۔

''میرے لئے تو ایک ہی لڑکی کافی ہوگی۔''

''میرا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا بلکہ میں کہہ رہی تھی کہ تم جو.....۔''

تب ہی خسرو کے موبائل کی بیل ہوئی' خسرو نے نمبر دیکھا تو اسعد کا تھا۔ اسے اسعد سے باتیں کرتا دیکھ کر آمنہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کچے قیمے کے کباب خسرو کو بہت پسند تھے' وہ انہوں نے کل ہی بنا لیے تھے۔ لیکن چکن کڑاہی ابھی بنانی تھی۔ شروع میں تو ہر ویک اینڈ پر آجاتا تھا' لیکن اب پندرہ دن بعد چکر لگتا تھا۔ جمعہ کی رات کو آجاتا اور سوموار کی صبح چلا جاتا۔ شروع شروع میں تو اس کا دل بہت گھبرایا تھا' لیکن اب کچھ دل لگ

ہی گیا تھا۔

لاہور سے اتنی دور اس چھوٹے سے قصبے میں بھی جادو ٹونے کا وہی حال تھا۔ لوگ ویسے ہی ضعیف الاعتقاد تھے اور جگہ جگہ دیواروں پر ''محبوب آپ کے قدموں میں'' کے اشتہار لگے تھے۔ کئی لوگوں نے اپنی دکان کھول رکھی تھی جہاں وہ لوگوں کو بے وقوف بنا رہے تھے۔

''تو تمہارا کیا خیال تھا کہ چھوٹے شہروں' قصبوں اور گاؤں میں یہ جادو ٹونے کا کاروبار نہیں چلتا؟'' اسعد نے اس کی بات سن کر کہا تھا۔

''ہاں' میرا خیال تھا کہ شاید اس طرح نہ ہو جیسے یہاں ہے۔'' خسرو نے مایوسی سے کہا۔

''لوگ بے یقین ہو گئے ہیں۔ اللہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے انسانوں پر اور جادو ٹونے پر بھروسہ کرنے لگے ہیں۔ ساسیں بہوؤں کے خلاف' بہوئیں ساسوں کے خلاف' نندیں بھابھیوں کے لئے' بھابھیاں شوہروں کو قابو میں رکھنے کیلئے ان کا کاروبار چمکا رہی ہیں۔'' اسعد نے تبصرہ کیا۔

''یار! وہاں چھوٹے شہروں میں تو کیبل والوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ یہ بڑے بڑے اشتہار آتے ہیں۔ کم از کم یہاں لاہور میں یہ وبا نہیں ہے۔'' خسرو نے بتایا۔

''ایک روز یونہی میں ایک ہوٹل پر بیٹھا تھا کہ کیبل پر اشتہار آیا۔

''عاملوں کے بادشاہ' ہر قسم کے جادو میں ماہر سارے کام منٹوں میں۔''

''حد ہو گئی۔'' اسعد جھنجھلا گیا۔

''آخر لوگ کیوں اندھے بہرے اور گونگے ہو گئے ہیں۔''

''حکومت نے اخبارات کو ایسے اشتہارات چھاپنے سے منع کیا ہے اور آرمی ٹیم کی تشکیل دی ہے جو ان جادوگروں کا قلع قمع کرے گی۔ خاص طور پر کالا جادو کرنے والوں کے خلاف کچھ نہ کچھ ایکشن ہو گا ضرور۔'' خسرو نے اطمینان بھری سانس لی۔

''چلو' کچھ تو اثر ہوا۔''

''یار! جہاں تک رسائی تھی' وہاں تک تو اپنا مدعا پہنچایا۔ ایک ایم این اے سے ملاقات ہو گئی تھی۔ بہت ہی مخلص' وطن دوست اور نیک آدمی ہیں۔ انہوں نے بہت ساتھ دیا۔ گھر آؤ گے نا تو تفصیل بتاؤں گا۔''

''ہاں' امی کو بھی لاؤں گا۔ بہت اداس ہو رہی ہیں میری عدم موجودگی سے۔ تم لوگوں سے مل کر ذرا طبیعت بہل جائے گی۔''

''یار! کہا بھی تھا امی نے کچھ دن ادھر رہ لیں' لیکن مانی ہی نہیں۔''

''خیر کسی دوسری جگہ رہنا تو ان کیلئے بہت مشکل ہے لیکن آج آئیں گے' رات کا کھانا تمہاری طرف۔'' خسرو خود کو یکدم ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ جو خبر اسعد نے دی تھی' وہ واقعی ایسی ہی تھی' خوش کرنے والی۔ اسعد کو اللہ حافظ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکلا۔ آمنہ کچن میں تھیں۔

''بڑی خوشبوئیں آ رہی ہیں' کیا بن رہا ہے؟''

''کچھ خاص نہیں۔ کباب تیار ہیں اب کڑاہی بنانے لگی تھی۔ تمہارا دل چاہتا ہو کچھ کھانے کو تو بتا دو۔''

''نہیں امی! جو ہے بہت اچھا ہے بلکہ پسندیدہ ہے۔ آپ تیار رہیے گا' کھانے کے بعد پھپھو کی طرف چلیں گے۔ کتنے دن ہو گئے ہیں نا آپ کو ادھر گئے ہوئے۔''

''ہاں ٹھیک ہے' لیکن بیٹا! کھڑے کھڑے ماموں کو بھی سلام کر آؤ۔''

''جی امی! ادھر ہی جا رہا تھا۔ گیارہ بج رہے ہیں۔ ماموں تو اٹھ گئے ہوں گے۔''

وہ انیکسی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تو چونک گیا۔ دروازے کے ساتھ دیوار کے قریب کوئی جھکا ہوا بیٹھا تھا۔

''کون؟'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا' تو بیٹھی ہوئی ہستی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ خسرو حیران رہ گیا۔ وہ ضویا تھی۔

''آپ یہاں..... کیا ہوا؟''

''وہ..... وہ..... چکر آ رہے تھے۔'' ضویا کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔

''اوہ خدایا..... چکر آ رہے تھے۔ تو اپنے کمرے میں بیٹھتیں' یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

''وہ ..... میں ..... پھپھو سے ملنے آئی تھی۔'' ضویا کچھ گھبرائی گھبرائی سی تھی۔ خسرو کی نظریں اس کے ہاتھوں پر پڑیں اور اس کے ناخنوں پر مٹی لگی تھی۔

''آپ گر گئی تھیں؟'' اس نے خود ہی اندازہ لگا لیا۔

''نہیں' بس گرتے گرتے بچی ہوں۔'' اب وہ کچھ سنبھل گئی تھی۔

''امی اندر کچن میں ہیں' آپ چلیں اندر۔ میں ذرا ماموں کی طرف جا رہا تھا۔ امی.....'' اس نے دروازے سے جھانک کر آواز دی۔

''یہ ضویا آئی ہیں۔ انہیں گرم چائے پلوائیں' ساتھ میں انڈا بھی بوائل کر دیں۔ چکر آ رہے ہیں' غالباً بی پی لو ہو گیا ہے۔''

آمنہ گھبرا کر کچن سے باہر نکلیں اور ضویا کا ہاتھ تھاما۔

''آؤ..... بیٹی اندر چل کر بیٹھو۔ یہ آج کل کی لڑکیاں ڈائٹنگ کے چکر میں خود کو بیمار کر لیتی ہیں۔''

خسرو نے مڑ کر بغور ضویا کو دیکھا۔

''اب بھلا ضویا کو کیا ضرورت ہے ڈائٹنگ کی۔ اتنی اسمارٹ تو پہلے سے ہی ہے لیکن.....'' وہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گیا اور ضویا اس کی اتنی سی مہربانی اور التفات پر خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔

''یعنی کہ..... یعنی خسرو کو میرا خیال ہے' احساس ہے' تب ہی تو..... تب ہی تو اس نے پھپھو کو چائے بنانے کیلئے کہا ہے۔'' ایک عجیب طرح کا احساس مسرت اس نے اپنے اردگرد پھیلتے محسوس کیا اور مسکراتے ہوئے آمنہ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

خسرو نے آج کئی بار عمارہ کی طرف غور سے دیکھا تھا۔ سب کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے' ٹیبل پر چائے لگاتے' خاموش سر جھکائے اپنے ناخنوں سے کارپٹ کے دھاگوں کو کھینچتے' ٹی وی دیکھتے ہوئے وہ اسے کسی الجھن اور پریشانی میں مبتلا نظر آئی تھی۔

بلکہ یہ آج کی بات نہ تھی' پچھلے کئی دنوں سے وہ ایسی ہی نظر آ رہی تھی کھوئی کھوئی' الجھی الجھی سی۔ پہلے تو وہ اسے امتحان کی ٹینشن سمجھا تھا' لیکن اب تو وہ امتحانات سے فارغ ہو چکی تھی اور بقول اس کے اپنے پیپرز بھی بہت اچھے ہوئے۔

خسرو نے خاموش سر جھکائے بیٹھی عمارہ کی طرف دیکھا اور پھر اسعد کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس وقت چائے کے بعد وہ' عمارہ' اثر میر' مازیہ اور اسعد ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ آمنہ اور عفت بڑے کمرے میں تھیں۔ حامد شاہ کچھ دیر پہلے ہی یہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اور ان کے جانے کے بعد اسعد نے اسے پوری تفصیل بتائی تھی کہ آرمی کی ٹیم ایکشن میں آ چکی ہے۔ وہ جگہ جگہ چھاپے مار رہے ہیں' لاہور اس کے گرد و نواح میں پولیس بھی ان کی مدد کر رہی ہے۔

خسرو اس ساری کارروائی سے بہت خوش تھا۔

''لیکن میرے اخبار کے ایڈیٹر صاحب سخت ناراض ہیں۔ اتنے بڑے بڑے اشتہار ہاتھوں سے نکل گئے۔''

''ان سے کہنا کہ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور تھوڑا لالچ کم کر دیں۔ محض اپنے فائدے کیلئے دوسروں کی رگوں میں زہر اتارنا کہاں کا انصاف ہے؟ ہو سکتا ہے کبھی کوئی دوسرا یہ زہر تمہاری رگوں میں اتار دے۔''

''خسرو بھائی! پہلے تو میرا دھیان ہی نہیں تھا ان باتوں پر' لیکن آپ کے احساس دلانے پر جب میں نے غور کیا تھا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ برائی تو کئی دوسری برائیوں کی طرح ہماری رگوں میں اتر چکی ہے۔ ادھر ادھر ہر طرف یہی چکر چل رہا ہے۔ وہ میرا دوست ہے ناجس کے والد بیمار تھے اور ڈاکٹروں کو ان کی بیماری سمجھ میں نہیں آئی تھی' میں اس روز ان کے ہاں گیا ہوا تھا تو اچانک چیخوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ اس قدر بھیانک چیخیں تھیں اور اتنی کرب ناک کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ ساتھ والے گھر میں ایک صاحب جو شاہ جی کے نام سے مشہور تھے' کئی دنوں سے عالم نزع میں ہیں۔ یہ چیخیں ان کی تھیں۔ شاہ جی کالا جادو کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان

کے قبضے میں موکل تھے۔ محلے کے کئی گھروں کی تباہی میں ان کا ہاتھ تھا۔ مہینہ بھر پہلے اس شخص کو فالج کا اٹیک ہوا تھا اور اب جانکنی کے عذاب میں مبتلا ہے پورے محلے پر عجیب سی فضا طاری ہے اور اس شخص کے گھر میں تو قدم رکھنا محال ہے۔ اس قدر بدبو ہے اور عجب رونگٹے کھڑے کر دینے والا ماحول ہے۔ نہ دکھائی دینے والا خوف سا طاری ہو جاتا ہے۔ جیسے آس پاس بہت سی ان دیکھی چیزیں ہوں۔ سارے گھر والے بہت خوفزدہ ہیں ہر گھر میں سورۃ یٰسین پڑھی جا رہی ہے تاکہ وہ اس جانکنی کے عذاب سے نجات پائے۔''

''ظاہر ہے برے کاموں کا برا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اہل بابل کا انجام بھول گئے ہیں لوگ۔'' خسرو نے افسردگی سے کہا۔

مازیہ نے جھرجھری سی لی اور کھسک کر عمارہ کے قریب بیٹھ گئی۔

''سچی خسرو بھائی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اگر کسی نے ہم پر جادو کر دیا تو؟''

''بے فکر رہو، تم لڑکیاں خود بہت بڑی جادوگرنی ہوتی ہو۔'' خسرو بولا تو عمارہ نے یکدم ہی سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اسے عمارہ کی آنکھیں نم لگیں۔ وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

''کیا بات ہے عمارہ! تم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟''

''نہیں.....'' اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

''عمارہ آپی آج کل فلسفی بننے کی کوشش کر رہی ہیں۔'' اژمیر نے تبصرہ کیا تو اسعد نے بھی بغور بہن کو دیکھا۔

''عمو! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ اسعد نے فکرمندی سے پوچھا۔

عمارہ نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

''میں ٹھیک ہوں اسعد بھائی! دراصل میں آپ لوگوں کو سن رہی تھی۔ یہ موضوع ایسا ہے کہ جس پر میں بہت دنوں سے سوچ رہی تھی کہ اتنے بڑے ملک میں کہاں کہاں اور کیسے لوگوں کے ذہن بدلیں گے آپ۔ گاؤں سے لے کر چھوٹے شہروں اور بڑے شہروں تک یہ وبا پھیلی ہوئی ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' خسرو نے آہستگی سے کہا۔

''یہ ایک بہت مشکل کام ہے، لیکن جن ذہنوں تک ہماری رسائی ہے، وہاں تک تو کوشش کی جا سکتی ہے۔''

عمارہ نے لمبی بات کر کے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی۔ وہ بہت دیر سے خسرو کی نظریں خود پر محسوس کر رہی تھی۔

''یہ صحیح نہیں ہے۔'' اس نے کئی بار خود کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ ''خسرو نے میرے ساتھ کوئی عہد و پیماں نہیں کیے تھے، پھر میں اس طرح کیوں ری ایکٹ کر رہی ہوں۔ اگر کوئی خیال خود بخود میرے دل کی زمین پر اگ آیا تھا تو اس میں بھلا خسرو کا کیا قصور۔ اس نے تو مجھے کوئی آس نہیں دلائی تھی۔ کسی امید کا دامن میرے ہاتھ میں نہیں تھمایا تھا پھر.....''

لیکن دل تھا کہ کسی طور بہلتا ہی نہیں تھا۔ ایک نامعلوم سی اداسی دل اور وجود کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھی۔ اس نامعلوم لڑکی پر اسے رشک آتا تھا جسے خسرو نے اپنے لیے پسند کیا تھا۔

مازیہ اٹھ کر اسعد کے پاس جا بیٹھی تھی۔ اسعد نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

''ڈر رہی ہو گڑیا؟''

''ہاں۔'' مازیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بعض اوقات بغیر کسی فائدے کے بھی محض عداوت میں لوگ ایسا کر دیتے ہیں۔ اس طرح کے سروے کے دوران میں بہت لوگوں سے ملا ہوں اور بعض اوقات تو ایسی ایسی باتیں سننے میں آئیں کہ میں خود حیران رہ گیا۔ ایک لڑکی ملی تھی جس کی بہن ہاسپٹل میں تھی۔ اس نے بتایا کہ میری بہن بہت ذہین تھی۔ ڈاکٹر بننا اس کا خواب تھا، لیکن اس کی فرینڈز نے اس پر جادو کروا دیا کہ یہ امتحان نہ دے سکے کیونکہ اسے ڈر تھا کہ یہ اس سے زیادہ نمبر لے لے گی۔ پھر اسے میڈیکل کالج میں داخلہ مل جائے گا۔ میری بہن نے چھ سات دفعہ کوشش کی، لیکن ہر دفعہ امتحان سے پہلے شدید بیمار ہو جاتی تھی۔ اب اس بار نا کام ہونے

کے بعد اسے دل کا شدید دورہ پڑا ہے۔"

"او مائی گاڈ۔" مازیہ اسعد سے جڑ کر بیٹھ گئی۔

"لوگ ایسے کیوں ہوتے ہیں بھائی! اتنے حاسد اور کمینے۔"

"شاید اس لئے کہ ان میں صبر نہیں ہوتا' خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا' وہ قانع نہیں ہوتے۔ چاہتے ہیں سب سے زیادہ ان کے پاس ہو۔ ہر معاملے میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی ہوس' سب سے زیادہ امیر ہونے کا لالچ۔"

اسعد نے مازیہ کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔

"لیکن دنیا میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ ہماری مازیہ جیسے' محبت کرنے والے' چاہنے والے۔"

"اور رابیل جیسے بھی۔" مازیہ کو ہر موقع پر رابیل ضرور یاد آتی تھی۔

"سچی رابی بھی بہت اچھی ہے اور سب سے محبت کرتی ہے۔"

"اور رابیل صاحبہ کی سسٹر محترمہ کیسی ہیں؟" اژمیر کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"ضویا آپی!" مازیہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"اچھی ہیں لیکن کم گو ہیں۔"

"کم گو یا مغرور۔" اژمیر نے پھر پوچھا تو خسرو بول اٹھا۔

"میرے خیال میں مغرور تو نہیں' بس کچھ لیے دیے رہتی ہے' بلکہ رہتی تھی' اب تو کافی چینج آیا ہے اس میں۔"

"ہوں۔" اژمیر کھنکارا۔ اسے تو موقع چاہیے ہوتا تھا۔ عمارہ کو لگا جیسے دل میں کسی نے سوئی سی چبھودی ہو۔

"عمارہ بیٹا! پانی پلانا۔" حامد شاہ کی آواز اسے بڑی غنیمت لگی۔ وہ یکدم اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

"یہ چینج کہیں آپ کی وجہ سے تو نہیں آیا بھائی؟" عمارہ نے جاتے جاتے سنا۔ اژمیر' اسعد سے پوچھ رہا تھا۔ اسعد جھینپ گیا۔

"تم بھی اژمی! بس....."

"ہیں..... کیا بات ہے اسعد؟" خسرو چونکا۔

"کچھ نہیں یار! تمہیں پتا تو ہے اژمی کا۔"

"خسرو بھائی! ذرا ان سے پوچھیں تو' آپ کے سید و شریف جانے کے بعد یہ اتنے چکر کیوں لگاتے تھے آپ کے گھر کے۔"

"ظاہر ہے' مامی کی خیر خبر لینے جاتا تھا۔"

"مامی کی یا.....؟"

"فضول باتیں مت کرو اژمی!"

اسعد نے اسے ڈانٹ دیا۔ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ خسرو کی کزن کے متعلق اس طرح بات کی جائے۔ یہ صحیح تھا کہ وہ اسے اچھی لگتی تھی۔ ایک دو بار غیر ارادی طور پر اس کا خیال بھی آیا تھا اسے لیکن ظاہر ہے اسٹیٹس کا اتنا فرق تھا کہ وہ کسی اور خیال سے اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"اوہ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا' مجھے تو جانا تھا۔"

اسعد نے یکدم گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں.....؟" خسرو کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

"تم بھی ساتھ چلو۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"آج آرمی نے ایک جگہ چھاپہ مارا ہے' شالامار باغ سے ادھر تھوڑا آگے ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی' وہاں ایک شخص یہی جادو ٹونے کا کاروبار کرتا تھا۔ یہ پہلا شخص ہے ان تین دنوں میں جو پکڑا گیا ہے' ورنہ اتنے چھاپے مارنے کے باوجود کوئی گرفتار نہ ہو سکا۔ تو مجھے ذرا اس کے متعلق معلومات لینا تھی ادھر ادھر سے' آس پاس والوں سے۔ ایک شخص ملا تھا وہاں ہی' اس نے کہا تھا کہ شام میں آیئے گا' کچھ لوگوں سے ملواؤں گا' جو اس کے خاص بندے تھے۔ اکثر اس کے پاس ہوتے تھے' اس شخص نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کچھ خاص باتیں بتانا چاہتا ہے اس شخص کے متعلق لیکن وہ سامنے نہیں آنا چاہتا۔

"انٹرسٹنگ۔" خسرو بھی کھڑا ہو گیا۔

''میں بھی چلوں بھائی؟'' اژمیر نے پوچھا۔

''نہیں۔'' اسعد نے ہاتھ ہلایا۔

''تم گھر پر ہی رہو' عبدالرحمٰن کا فون آیا تھا صبح' اس نے شام میں آنے کو کہا تھا۔ مجھے تمہیں بتانا یاد نہیں رہا۔ تم سو رہے تھے اس وقت۔''

''اوہ ہاں' یاد آیا۔ خسرو بھائی! میرا یہ دوست عبدالرحمٰن بھی وہیں کا ہی رہنے والا ہے جہاں آپ کی پوسٹنگ ہوئی ہے۔ بتا رہا تھا کہ قریب ہی پندرہ بیس منٹ کی ڈرائیو پر اس کا گاؤں ہے۔''

''اچھا.....'' خسرو نے عمارہ کو دیکھنے کیلئے ادھر ادھر نظر دوڑائی' لیکن وہ باہر کہیں نہ تھی۔

آج وہ عمارہ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ امی کو اپنی پسند بتانے سے پہلے وہ عمارہ کی رائے بھی جاننا چاہتا تھا۔

اسے واپس تو ادھر ہی آنا تھا آمنہ کو لینے تو پھر واپسی پر موقع دیکھ کر وہ بات کر لے گا۔ ظاہر ہے ایسے فیصلے یک طرفہ نہیں ہوتے۔ کیا خبر..... گو اس کے دل کو یقین تھا کہ ایسا نہیں ہو سکتا' پھر بھی امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ عمارہ کے ساتھ کوئی زبردستی ہو اور اس کے ساتھ بہر حال اتنی بے تکلفی ضرور تھی کہ عمارہ ہر بات اس سے کہہ سکتی تھی۔ جو شاید کسی اور سے نہ کہہ سکتی ہو۔ حتیٰ کہ عفت اور مازیہ سے بھی نہیں۔

''تمہیں کہیں باہر تو نہیں جانا؟'' اسعد نے اژمیر سے بائیک کی چابی لی۔

''نہیں' عبدالرحمٰن اور میں نے کمبائن اسٹڈی کا پروگرام بنایا ہے آج۔ دراصل آج کل اس کے کمرے میں اس کے روم میٹ کے دو کزن بھی ٹھہرے ہوئے ہیں' تو پڑھائی نہیں کر پا رہا وہاں۔ آج ادھر ہی رہے گا' ہم لوگ رات کو ڈرائنگ روم میں رہیں گے۔'' اژمیر نے تفصیل بتائی۔

''اژمی! یہ اچھا دوست ہے نا' کہیں جادو وادو تو نہیں کر دے گا تم پر؟'' مازیہ بہت سہمی ہوئی تھی۔

''پگلی!'' اسعد نے جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا۔

''ڈرو مت' اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تمہارا یقین اللہ پر مضبوط ہونا چاہئے اور پھر سورۃ الناس ایسے ہی لوگوں کے شر سے بچنے کیلئے ہی تو اتاری گئی ہے اور کون سی ایسی بات ہے' جس کے متعلق قرآن ہمیں ہدایات نہیں دیتا۔''

''وہ تو میں روزانہ چاروں قل پڑھ کر سوتی ہوں۔'' مازیہ کا ڈر کچھ کم ہوا۔

اسعد مسکرایا اور اللہ حافظ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ باہر نکلتے نکلتے اس نے سنا مازیہ اژمیر کو ہدایات دے رہی تھی۔

''سنو' رات کو چاروں قل پڑھ کر اپنے اوپر پھونک لینا اور آیت الکرسی کا حصار بنا لینا اپنے اردگرد۔ کہیں تمہارا دوست کچھ گڑبڑ نہ کر دے' تمہیں فیل کروانے کیلئے۔''

جواب میں اژمیر کا قہقہہ خاصا بلند تھا۔ خسرو کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''مازیہ بہت ڈر گئی ہے۔''

''ماحول ہی ایسا ہو گیا ہے خسرو! کہ ہر فرد دوسرے سے ڈرتا ہے اور اسے شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ کہیں اس نے اس پر جادو یا تعویذ تو نہیں کروا دیے۔ مازیہ تو بچی ہے' بڑے بڑے ایجوکیٹڈ لوگوں کو میں نے خوف زدہ دیکھا ہے۔''

کچھ ہی دیر بعد وہ شالامار باغ کی طرف جا رہے تھے وہاں پہنچ کر ابھی وہ ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ باغ کے اندر سے سبز لمبا چغہ پہنے ایک شخص باہر آتا دکھائی دیا۔ اس کے گلے میں بڑے بڑے منکوں کی مالا تھی اور ہاتھ میں ڈنڈا' جس پر گھنگھرو بندھے تھے۔ یکدم اس نے ڈنڈا زمین پر مارا۔ گھنگھرو بج اٹھے۔ دوسرا ہاتھ اس نے فضا میں بلند کیا اور گول دائرے میں گھومتے ہوئے گانے لگا۔

''مادھو پیا میری جھولی بھر دے۔ مادھو پیا میری جھولی.....'' وہ مست ہو کر گا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی آواز میں جوش اور حرکت میں تیزی پیدا ہو رہی تھی۔

خسرو اور اسعد دونوں حیرانگی سے اسے دیکھ رہے تھے کہ یکدم پیچھے سے آ کر تین آدمیوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ انہوں نے چادریں لپیٹ رکھی تھیں اور چادروں کی اندر ابھری جگہ ریوالور کی نشاندہی کر رہی تھی۔ خسرو سادہ لباس میں خالی ہاتھ تھا

اور اس کا سروس پستول بھی گھر پر ہی تھا۔

''کون ہو تم لوگ؟'' خسرو نے پوچھا۔

''خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو' نہیں تو.....''

ایک نے آنکھیں دکھاتے ہوئے چادر کے اندر سے اسے پستول چبھویا' تو اسعد نے آنکھوں ہی آنکھوں میں خسرو کو ان کی بات مان لینے کا اشارہ کیا۔

''کہاں لے جا رہے ہو؟'' خسرو نے پھر پوچھا۔

''پتا چل جائے گا۔'' ایک نے ٹہوکا دیا' تو اسعد بولا۔

''میری بائیک!''

''آگے چلو۔'' تینوں اس طرح ان کے دائیں بائیں اور پیچھے ہو گئے تھے کہ بظاہر کچھ پتا نہیں چل رہا تھا لیکن درحقیقت ان تینوں نے انہیں کور کیا ہوا تھا۔ چادروں کے پیچھے چھپے ہوئے پستول کسی بھی لمحہ ان کی ذرا سی حرکت پر انہیں زندگی سے محروم کر سکتے تھے۔ سو وہ خاموشی سے ان کے آگے چل پڑے تھے۔

☆ ☆ ☆

''اچھا بتا کچھ کام بنا' کچھ اثر ہوا تمہارے انسپکٹر پر؟''

عالیہ نے کلاس روم کی طرف جاتے ہوئے ضویا سے پوچھا۔

''ابھی کل ہی تو تعویذ دبایا ہے انیکسی کی دیوار کے ساتھ والی کیاری میں۔''

ضویا کی آواز دھیمی تھی۔

''پھر بھی۔'' اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''میں جوں ہی تعویذ دبا کر کھڑی ہوئی' تو خسرو اندر سے نکل آیا۔ میں تو ڈر ہی گئی لیکن خسرو کو شک بھی نہیں ہوا' بلکہ وہ تو پھپھو سے کہہ رہا تھا کہ مجھے چائے بنا کر دیں اور انڈا بھی بوائل کر دیں۔ شاید بی پی لو ہو گیا ہے۔ دراصل مجھے بھی بروقت بہانہ سوجھ گیا تھا کہ چکر آ گیا ہے اس لئے۔ لیکن اس نے جاتے جاتے پلٹ کر مجھے دیکھا تھا' بہت دھیان سے۔''

''پھر.....'' عالیہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

''بہت باکرامت ہیں یہ والے بابا جی۔ دیکھا' تعویذ ابھی دبایا ہی ہے کہ اثر شروع ہو گیا ہے۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔''

''لیکن مجھے ڈر لگتا ہے عالی! کہیں خسرو کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ کہیں الٹا اثر نہ ہو جائے۔''

''ارے نہیں۔'' کلاس روم میں داخل ہوتے ہوئے عالیہ نے اسے تسلی دی۔

''یہ بالکل بے ضرر سا تعویذ تھا۔ اس کا اثر صرف اتنا ہو گا کہ وہ تمہاری طرف مائل ہو جائے گا۔''

''اچھا.....'' ضویا کو ذرا اطمینان ہوا' ورنہ وہ کل سے بہت پریشان تھی۔ وہ دونوں پچھلی سیٹوں پر جا کر بیٹھ گئی تھیں۔

''پھر سارا دن کوئی بات ہوئی خسرو سے؟'' عالیہ نے پوچھا۔

''نہیں' پھپھو اور وہ تو عفت آنٹی کی طرف چلے گئے تھے۔ کھانے کے بعد اور رات کو بھی واپس نہیں آئے تھے۔ شاید رات ادھر ہی ٹھہر گئے تھے۔''

''یہ تمہاری عفت آنٹی سے خسرو کی کیا رشتہ داری ہے؟'' فائل کھولتے ہوئے عالیہ نے پوچھا۔

''خسرو کی پھپھو ہیں نا وہ۔''

''ان کی لڑکیاں وغیرہ بھی ہیں؟''

وہ دونوں سر نیچے کیے چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں۔

''ہاں ایک تو مازیہ ہے' اپنی رابیل کی کلاس فیلو اور دوسری عمارہ ہیں۔ ماسٹرز کر رہی تھیں۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی امتحان دے کر فارغ ہوئی ہیں۔''

''اچھا کیسی ہیں؟''

''اچھی ہیں۔ بہت اٹریکٹو اور پیاری نیچر کی ہیں۔ میری زیادہ ملاقات تو نہیں ہے' لیکن جتنی بار بھی پھپھو کے ہاں ملیں' اچھی لگیں۔ بہت خوبصورت اور دھیما دھیما لہجہ ہے۔'' ضویا نے بتایا۔

''اوہ۔'' عالی کو تشویش ہوئی۔

''یعنی ان محترمہ سے خطرہ ہے۔ کہیں یہ تمہارے خسرو صاحب ان کی محبت میں تو گرفتار نہیں ہیں؟ تب ہی تمہاری طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔''

''شاید۔'' ضویا کے دل کو کچھ ہوا۔

''خیر، تم فکر نہ کرو ''باباجی'' کے تعویذوں میں بڑی کرامت ہے۔ اب خسرو صرف تمہارا ہی ہے۔''

ضویا کے دل میں ڈر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن اسے عالیہ کے دیے ہوئے تعویذ پر بھی بہت یقین تھا۔ خود عالیہ کو ان باباجی کا پتا اس کی نانو کے گھر کام کرنے والی ماسی نے دیا تھا۔ ایک روز اس کی نانو گھر پر نہ تھیں اور عالیہ بہت پریشان تھیں۔ ابتسام نے اسے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اچھے دوست تو ہیں، لیکن وہ کبھی اس سے شادی نہیں کر سکتا کیونکہ شادی کیلئے اس کے ذہن میں جس طرح کی لڑکی کا تصور ہے، عالیہ اس سے بالکل مختلف ہے۔

اور عالیہ سچ مچ اس کی محبت میں پاگل ہو رہی تھی۔ اس روز روتے ہوئے اس نے فون کیا تھا اور ضویا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کیلئے کیا کرے۔ سوائے تسلی کے چند لفظوں کے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اس کا دل خود محبت سے نیا نیا آشنا ہوا تھا، اس لیے وہ اس کے درد کو اپنے دل میں اترتا محسوس کر رہی تھی۔

اس نے بتایا تھا کہ آج وہ کالج نہ آ سکے گی۔ سو وہ گھر پر تھی، کام کرنے والی ماسی کام کر کے اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔ یونہی اپنا دل بہلانے کیلئے عالیہ نے اس سے باتیں شروع کی تھیں لیکن باتوں باتوں میں اس نے باباجی کا ذکر کیا تھا، جن کے تعویذوں سے اس کی بیٹی کے ہاں دس سال بعد اولاد ہوئی تھی۔ عالیہ کو یکدم خیال آیا تھا کہ وہ بھی ان باباجی سے تعویذ لے لے۔ شاید ابتسام اس پر مہربان ہو جائے، شاید اس کے دل میں عالیہ کیلئے محبت پیدا ہو جائے، سچی اور گہری محبت اور پھر ماسی سے پتا سمجھ کر وہ ضویا کی طرف آئی تھی۔

ضویا اس وقت کالج سے آئی تھی۔ عالیہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کا خیال تھا

کہ عالیہ نے رو رو کر اپنی حالت خراب کر رکھی ہوگی لیکن وہ تو بہت فریش اور مطمئن لگ رہی تھی۔

''عالی! کیا ابتسام مان گیا تم سے شادی کرنے پر؟''

''مان جائے گا۔'' عالیہ نے اطمینان سے اسے ساری بات بتائی تھی۔

''اب تمہیں لینے آئی ہوں۔ میرے ساتھ چلو باباجی کے آستانے پر۔''

''لیکن عالی.....'' ضویا گھبرا گئی۔

''تم میری واحد دوست ہو ضویٰ! کیا اس مشکل کام میں میرا ساتھ نہیں دو گی میں سچ کہتی ہوں، اگر ابتسام مجھے نہ ملا تو میں مر جاؤں گی، خودکشی کر لوں گی۔''

وہ رو پڑی تو ضویا کا دل نرم پڑ گیا۔

''دراصل مجھے ایسی جگہوں پر جاتے ہوئے خوف آتا ہے۔ تم آج کل اخبار پڑھ رہی ہو نا۔ کتنا لکھا جا رہا ہے ان کے خلاف۔'' ضویا اندر سے خوف زدہ تھی۔

''وہ دوسری طرح کے لوگ ہوتے ہیں، سفلی عمل کرنے والے۔ یہ باباجی تو بڑے اللہ والے ہیں۔ ماسی نے مجھے بتایا ہے کہ صرف جائز کام کرتے ہیں۔''

''اچھا، لیکن مما.....''

''میں ان سے کہہ دیتی ہوں کہ ہمیں ایک دوست کے ہاں پارٹی میں جانا ہے۔''

عالیہ اسے نیم رضامند دیکھ کر خوش ہو گئی تھی اور پھر اس نے ہی مما سے اجازت لی تھی۔ عالیہ نے گاڑی باباجی کے دروازے کے پاس روک کر ہارن بجایا۔ دروازہ بند تھا۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ جس کا گیٹ لوہے کا تھا۔ ایک شخص باہر نکلا۔ اس کی آنکھیں اور مونچھیں دیکھ کر ضویا نے خوف سے جھرجھری سی لی۔

''باباجی اس وقت نہیں ملتے بی بی! یہ ان کے آرام کا وقت ہے۔ صبح دس بجے آیئے گا۔''

''لیکن بھائی! ہم بڑی دور سے آئے ہیں۔'' عالیہ میں بلا کا اعتماد تھا۔ وہ ذرا بھی گھبرائی ہوئی نہیں تھی۔ بڑی مشکل سے وہ ان کی درخواست باباجی تک پہنچانے پر رضا

مند ہوا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے' امتحان میں کامیابی؟'' جانے سے پہلے اس نے پوچھا تھا۔

''نہیں' ہم اپنا مسئلہ بابا جی کو ہی بتائیں گے۔''

عالیہ بضد تھی لیکن وہ بھی ایک کائیاں تھا' پوچھ کر ہی ٹلا۔

''جائز محبت پانے کیلئے تو بابا جی کے تعویز بڑے کارآمد ہیں۔ پتھر سے دل کو پگھلا دیتے ہیں۔''

عالیہ کے چہرے پر سرخی آ گئی تھی۔ بابا جی' ضویا کی توقع کے بالکل برعکس تھے۔ داڑھی مونچھ صفاچٹ' چھوٹی چھوٹی آنکھیں جن میں سانپ کی سی چمک تھی۔ جبکہ ضویا کا خیال تھا کہ لمبی سی داڑھی والے صاحب ہوں گے' ہاتھ میں تسبیح ہو گی اور آنکھوں میں جلال کی سرخی ہو گی۔ ضویا کچھ زیادہ متاثر نہیں ہوئی تھی اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی ڈبہ پیر قسم کی شے ہوں گے۔ ایک ہزار نذرانہ دے کر عالیہ نے ابتسام کی محبت حاصل کرنے کیلئے تعویذ حاصل کر لیا تھا اور وہ مطمئن بھی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ تعویذ نے ضرور کچھ نہ کچھ اثر دکھایا ہے۔ تب ہی تو ابتسام ان دنوں کچھ زیادہ ہی مہربان ہے۔

گو ضویا کو اتنا یقین نہیں تھا لیکن پھر عالیہ کو مطمئن دیکھ کر اسے بھی یقین آ گیا تھا۔ اس روز کے بعد بھی دو بار عالیہ ملازم لڑکے کو ساتھ لے کر بابا جی کے پاس سے ہو آئی تھی اور اس کیلئے بھی تعویذ لے آئی تھی۔

''یار! یہ اس کے گھر کی دہلیز کے باہر دبا دینا پھر دیکھنا اس کی کرامت۔''

اس نے تعویذ دبا دیا تھا اور اب کیا ہوا تھا' یہ اسے علم نہیں تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ خسرو کے متعلق اتنا زیادہ سوچنے لگی تھی۔ حالانکہ یہ وہی خسرو تھا' جس کے متعلق اب سے پہلے اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا' بلکہ جب زین اور رابیل اس کی تعریف کرتے تو اسے حیرت ہوتی تھی کہ آخر ایسا کیا ہے خسرو میں' کہ یہ اس کی تعریفیں کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ ٹیچر کب کلاس میں آئیں' انہوں نے کیا پڑھایا اور کب کلاس سے گئیں' وہ تو سر جھکائے فائل کھولے اپنی ہی سوچ میں گم تھی۔

''ضوئی!'' عالیہ اس کا بازو ہلاتے ہوئے شوخی سے مسکرائی۔

''اب خسرو صاحب کے تصور سے باہر آ جاؤ۔ میڈم جا چکی ہیں۔ یہ پیریڈ فری ہے۔ چلو کینٹین چلتے ہیں۔ سخت بھوک لگی ہے مجھے۔''

''تم چلی جاؤ عالی! میرا موڈ نہیں ہے۔''

پتا نہیں کیوں یکدم ہی اس پر تھکن سی غالب آ گئی تھی۔

''یہ سب پتا نہیں صحیح ہے یا غلط' اس روز پھپھو کہہ رہی تھیں کہ ہر شخص کو اس کے نصیب کا ملتا ہے۔ کیا پتا میرے نصیب میں کون ہے یہ ساری تگ و دو بے کار نہ جائے۔''

''یار! یہ کیا منہ لٹکا رکھا ہے تم نے۔ دیکھنا خسرو چند ہی دن میں تمہاری محبت کا دم بھرنے لگے گا۔''

''کیا ابتسام ملک تمہاری محبت کا دم بھرنے لگا ہے عالی!''

''نہیں۔'' عالیہ نے ایک گہری سانس لی۔

''لیکن یقین کرو اس تعویذ کے بعد جو بابا جی نے دیا تھا اور میں نے اس کے گھر کے اندر لان میں دبا دیا ہے' وہ بہت بدل گیا ہے۔ وہ خود مجھے فون کرتا ہے اور دیر تک باتیں کرتا ہے۔''

''تم اس کے گھر گئی تھیں؟''

''ہاں' جاتی رہتی ہوں۔''

''مجھے بتایا تک نہیں۔''

''کیا فائدہ' تم نے کون سا میرے ساتھ جانا تھا۔''

''ہاں' یہ تو ہے۔'' ضویا نے آہستگی سے کہا۔

''اب خدا کرے کہ وہ تم سے شادی کر لے جو تمہاری خواہش ہے۔''

''پتا ہے' میں اس روز گئی تھی بابا جی کے پاس' جب تمہارے لئے تعویذ لائی تھی' تو بابا جی نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر تعویذ سے معاملہ نہ سلجھا تو وہ اپنے مرشد کا پتا دیں گے وہ ہر طرح کا عمل کر سکتے ہیں اور ان کے عمل کا کوئی توڑ نہیں۔ شرطیہ خواہش پوری ہو گی' لیکن وہ ایک لاکھ روپیہ لیں گے۔''

''ایک لاکھ!'' ضویا کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

''ہاں۔''

''تو تم ایک لاکھ روپیہ دے دو گی۔''

''ہاں' میرے اکاؤنٹ میں اس وقت بھی اسی ہزار روپے ہیں۔ بقیہ پپا سے منگوالوں گی۔ کہہ دوں گی کہ کوئی زیور پسند آ گیا ہے' لینا ہے۔''

''اور کیا پتا وہ فراڈ ہو؟'' ضویا نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں' بابا جی نے کہا ہے آدھی رقم پہلے' آدھی کام ہونے کے بعد اور اگر کام نہ ہوا تو وہ لی گئی رقم واپس کر دیں گے۔''

''اچھا۔'' ضویا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''اچھا اب چلو نا' مجھے بھوک لگی ہے۔''

پھر دونوں کلاس روم سے نکل کر کینٹین کی طرف بڑھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

کنکر چن چن گھر بسایا
لوگ کہیں گھر میرا
نہ گھر میرا نہ گھر تیرا
چڑیاں کرن بسیرا

عبداللہ کی آواز سن کر جیسے خدیجہ بیگم کے تن مردہ میں جان پڑ گئی۔ وہ دھوپ میں بان کی کھردری چارپائی پر کھیس اوڑھے لیٹی تھیں۔ دو دن سے انہیں بخار ہو رہا تھا' جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ صبح نکڑ والے حکیم سے دوا کی پڑیا منگوائی تھی۔

لیکن بخار ہنوز نہیں اترا تھا مگر بیٹھک سے آتی عبداللہ کی آواز سن کر وہ اٹھ بیٹھی تھیں۔ اس روز سے عبداللہ نے ایسی چپ سادھی تھی کہ خدیجہ بیگم مخاطب کر کے تھک گئی تھیں لیکن وہ ان کی طرف دیکھتے ہی نہ تھے۔

''عبداللہ کچھ تو بول' ناراض ہو گیا ہے مجھ سے۔''

غصہ ہی کر لے' پر چپ تو توڑ۔''

لیکن عبداللہ تو بس زمین کی طرف تکے جاتے۔ سختی سے ہونٹ بھینچے نہ نگاہ اٹھا کر خدیجہ بیگم کو دیکھتے' نہ ان کی بات کا جواب دیتے۔ کھانا لے کر جاتیں تو ہاتھ سے ٹرے پرے کر دیتے' تین دن ہو گئے تھے کچھ کھائے پیے اور خدیجہ بیگم کی مامتا تڑپ رہی تھی۔

''ہائے' خالی پیٹ مر جائے گا عبداللہ! تو کیوں مجھ بوڑھی جان پر ظلم کرتا ہے۔''

خوراک تو پہلے بھی ان کی کچھ زیادہ نہ تھی' لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کھا لیتے تھے۔ لیکن اب تو بالکل ہی کھانا چھوڑ رکھا تھا۔

''بھوکا پیاسا مر جائے گا عبداللہ!''

وہ سسکتیں لیکن عبداللہ پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا ان کی آہ وزاری کا۔

مولوی ثناء اللہ اس روز نہ صرف انہیں گھر چھوڑ گئے تھے' بلکہ ڈسپنسری سے ایک کمپاؤنڈر بھی پکڑ لائے تھے جس نے آ کر انجکشن لگایا تھا اور کھانے کی ٹیبلٹس دی تھیں۔ پورا جسم نیلو نیل ہو رہا تھا۔ خدیجہ بیگم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے عبداللہ کا غصہ اور ناراضگی ختم کریں۔ عبدالرحمٰن کو بھی نہیں بلا سکتی تھیں وہ بتا گیا تھا کہ اس کے پیپر ہو رہے تھے اور اب وہ سمسٹر ختم ہونے کے بعد ہی آئے گا اور خدیجہ بیگم شاید عبداللہ کے غم میں ہی چارپائی پر پڑ گئی تھیں جوان کی آواز سن کر پھرتی سے چارپائی سے اتریں تو چکر آ گیا۔ وہ خود کب ان تین دنوں میں چین کی نیند سوئی تھیں یا پیٹ بھر کر کھایا تھا۔ یونہی ایک دو لقمے لے کر اٹھ جاتی تھیں۔

عبداللہ بھوکا تھا تو وہ کیسے پیٹ بھر لیتیں۔ وہ چارپائی کا پایا پکڑے کھڑی تھیں کہ کمرے سے چھوٹے دیور کی بیٹی شمو باہر نکلی۔

''کیا ہے تائی؟''

''بیٹی! جا باورچی خانے میں روٹی پڑی ہے چنگیر میں' پلیٹ میں ساگ بھی ڈال لے اور چاچے کو دے آ۔''

''میں.....'' شمو نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں تائی! تو خود ہی دے آ۔ مجھے تو ڈر لگتا ہے چاچے سے۔''

شمو ایک قدم پیچھے ہٹ گئی اور ماں کو دیکھنے لگی' جو تائی کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں کہتی ہوں بھرجائی! کیوں نہیں بات مان لیتی ہماری۔ چھوڑ آ جا کر ایدھی والوں کے پاس۔ بوڑھی جان ہے' تجھ میں اب ہمت نہیں رہی۔ آخر بوڑھے ماں باپ کو بھی تو لوگ چھوڑ آتے ہیں ایدھی سینٹر میں اور عبداللہ سے تیرا کیا رشتہ' نہ کوکھ سے جنم دیا' نہ.....''

خدیجہ بیگم نے سیدھا ہوتے ہوئے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

''کم نصیب ہیں وہ بدبخت' جو والدین جیسی دولت پھینک آتے ہیں اور رہا عبداللہ تو جب تک میری سانس ہے' وہ ادھر ہی رہے گا۔ یہ گھر اس کا بھی اتنا ہی ہے' جتنا تمہارے خاوندوں کا۔ جب ایک بار کہہ دیا تو بار بار بات کیوں دہراتے ہو۔''

دیورانی کندھے جھٹک کر بیٹی کو بازو سے پکڑ کر کمرے میں گھس گئی۔

خدیجہ بیگم کی عمر تو پینسٹھ سال تھی لیکن شوہر اور پھر جوان بیٹے کی موت' عبداللہ کی دیوانگی اور مشقت کی زندگی نے انہیں وقت سے پہلے ہی بوڑھا کر دیا تھا۔ اب تو ان کا پورا چہرہ جھریوں سے بھرا تھا اور جسم ناتواں ہو گیا تھا۔ وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتی باورچی خانے میں گئیں اور پھر کھانا ٹرے میں رکھ کر بیٹھک میں چلی آئیں۔ عبداللہ دری پر بیٹھے تھے اور دری کے ادھرے ہوئے دھاگے توڑتے ہوئے ان کے ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے تھے۔

نہ گھر میرا نہ گھر تیرا
چڑیاں کرن بسیرا

خدیجہ بیگم نے ٹرے زمین پر رکھ دی۔ عبداللہ کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے شاید وہ تین راتوں سے نہیں سوئے تھے۔

''ماں صدقے عبداللہ! دو لقمے لے لے۔''

خدیجہ بیگم بھی دری پر بیٹھ گئیں۔ بخار کی شدت سے آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ عبداللہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ اپنے ماتھے کے زخم کے کھرنڈ پر ہاتھ لگایا اور

پھر وہ ہاتھ ہونٹوں تک لے جا کر انگلیوں کو چوما اور پھر خدیجہ بیگم کو دیکھنے لگے۔

''عبداللہ پتر! مجھ سے غلطی ہوئی ہے' تو معاف کر دے۔ اب رب کا واسطہ' کھا لے کچھ۔''

عبداللہ نے نظریں جھکا لیں۔ ان کا پورا وجود یکدم کانپنے لگا۔

''عبداللہ..... عبداللہ.....''

خدیجہ بیگم الحمد شریف پڑھ کر پھونکیں مارنے لگیں۔ کچھ دیر بعد لرزا کم ہوا تو انہوں نے ایک نظر خدیجہ بیگم پر ڈالی' ان کے چہرے پر وحشت اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ ٹرے اپنی طرف کھینچی اور لقمہ توڑ کر پھر ان کی طرف دیکھا۔ خدیجہ بیگم کا چہرہ انہیں لقمہ توڑتے دیکھ کر پرسکون ہو گیا تھا۔ عبداللہ کے ہونٹ تھوڑے سے کھلے۔ بے حد خوبصورت دانت۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سامنے کے دو دانتوں میں ذرا زیادہ فاصلہ۔ گاؤں کی عورتیں کہتی تھیں۔

''عبداللہ بڑا خوش نصیب ہے۔ ایسے دانتوں والے بڑی قسمت والے ہوتے ہیں۔''

''لیکن میرا عبداللہ تو گلیوں میں رلنے والا نصیب لے کر آیا ہے۔'' خدیجہ بیگم نے دل میں سوچا۔

''ہوں..... ہوں میں نصیب والا۔ اونچے نصیب والا۔'' عبداللہ نے ہاتھ زمین پر مارا۔ خدیجہ بیگم نے حیرت سے سہم کر انہیں دیکھا۔

''ہاں' ہوں۔'' عبداللہ نے دہرایا اور پھر سر جھکا کر چھوٹے چھوٹے لقمے توڑ کر منہ میں ڈالنے لگے۔

☆ ☆ ☆

ابرار شاہ دونوں ہاتھ پیچھے باندھے ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ آمنہ ہاتھ گود میں دھرے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور چہرہ ستا ہوا۔

''اسی لئے' اسی لیے کہتا تھا' مت جاؤ پولیس میں۔'' انہوں نے چلتے چلتے رک کر آمنہ کی طرف دیکھا۔

''تمہاری بنجر زندگی.....اتنی طویل مسافت' تنہا ایک ننھے بچے کا ساتھ۔ کیا مجھے تمہاری اس ویران زندگی کا دکھ نہیں تھا؟ کیا میں راتوں کو اٹھ کر تمہارے لئے نہیں رویا آمنہ! کیا مجھے ظہیر کے اس طرح جانے کا دکھ نہیں تھا۔ بہت پیارا تھا وہ مجھے' بہت عزیز تھا پہلے بھی اور پھر تمہارے ناتے سے اور بھی پیارا ہو گیا تھا۔ میں نے اگر تمہاری شادی کی تھوڑی مخالفت کی تھی' تو صرف اسی لئے کہ وہ بھی ایسا ہی تھا۔ خسرو جیسا جذباتی اور بہادر.....اور پولیس میں رہ کر یہ دونوں چیزیں اسے نقصان پہنچا سکتی تھیں اور پھر وہی ہوا' جذباتی ہو کر اپنی بہادری کے زعم میں اکیلا چل پڑا ڈاکوؤں کا مقابلہ کرنے کیلئے اور پھر عمر بھر کیلئے تمہاری جھولی میں آنسوؤں کی سوغات ڈال گیا۔''

''منوں.....!'' وہ اس کے قریب ہی دوزانو بیٹھ گئے اور ان کے ٹھنڈے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''میں نے کبھی اظہار نہیں کیا' تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے تم سے محبت نہیں رہی یا میرے اور تمہارے رشتے میں کوئی فرق آ گیا ہے۔ مجھے نہ اپنا بچپن بھولا ہے نہ لڑکپن' مجھے سب یاد ہے' جب میری ننھی سی بہن میرے لئے راتوں کو جاگتی تھی' جب کبھی مجھے دوستوں کے ساتھ فلم دیکھنے جانا ہوتا تھا۔ سوجی سوجی آنکھوں کے ساتھ جب تم میری ایک ہی دستک پر آ کر گیٹ کھولتی تھیں۔ تمہاری نیند میں ڈوبی آنکھیں دیکھ کر میں سوچتا تھا میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں' جس کی اتنی محبت کرنے والی بہن ہے' اتنی پیاری منوں!'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''میں نے ہمیشہ تمہارے سکھ کیلئے دعا کی۔ تم ظہیر کے ساتھ خوش تھیں' تو میرا دل بھی پرسکون ہو گیا تھا پھر ظہیر چلا گیا اور تمہارے پاس صرف خسرو رہ گیا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ ہمیشہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہے' اسی لیے میں نے خسرو کے پولیس میں جانے کی اتنی مخالفت کی تھی۔ مجھے اسی لمحے سے خوف آتا تھا کہ کہیں کسی روز وہ جذباتی لمحے میں کچھ ایسا کر بیٹھے کہ.....''

''نہیں بھائی جان! نہیں' خسرو کو کچھ نہیں ہو سکتا۔''

آمنہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا اور ضبط کی ساری طنابیں ان کے ہاتھ

سے چھوٹ گئیں۔ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگیں۔

''حوصلہ کرو آمنہ! پلیز.....حوصلہ۔ کچھ نہیں ہو گا خسرو کو' انشاء اللہ۔ میری ابھی آئی جی صاحب سے بات ہوئی ہے۔''

آمنہ کے یوں رونے پر ان کا لہجہ یکدم نرم ہو گیا۔ ان کے سر کو سینے سے لگائے وہ کتنی ہی دیر انہیں تھپکتے رہے۔ آمنہ ان کے سینے سے لگی سسکتی رہیں۔ پوری رات انہوں نے جاگ کر گزاری تھی' بلکہ پورا گھر ہی جاگتا رہا تھا۔ آمنہ کا خیال تھا کہ آٹھ بجے تک گھر واپس چلی جائیں گی' کیونکہ صبح خسرو کو جلدی نکلنا تھا تاکہ نو بجے تک اپنی ڈیوٹی پر پہنچ جائے لیکن جب دس بجے تک خسرو اور اسعد واپس نہ آئے تو انہیں بے چینی سی ہونے لگی۔

''اتنی دیر ہو گئی ہے' آخر یہ دونوں کہاں چلے گئے۔ حالانکہ دونوں کو پتا ہے کہ حامد شاہ نو بجے تک کھانا کھا لیتے ہیں۔''

جب ساڑھے دس ہوئے تو عفت نے عمارہ سے کہا کہ ''وہ حامد شاہ کو کھانا دے دے۔ ہو سکتا ہے دونوں کو کسی وجہ سے دیر ہو گئی ہو۔''

''اژمی بیٹا! موبائل پر رابطہ کرو۔''

انہوں نے ڈرائنگ روم میں جا کر اژمیر سے کہا تو اس نے بتایا کہ وہ دو تین بار کوشش کر چکا ہے لیکن کوئی رسپانس نہیں مل رہا۔

''اچھا.....'' وہ بے چین سی ہو کر باہر لاؤنج میں ہی بیٹھ گئیں۔ عمارہ اور عفت انہیں مسلسل تسلی دے رہی تھیں' لیکن بارہ بجے تو عفت کی ہمت بھی جواب دے گئی۔

''کہیں کوئی حادثہ.....'' ان کا دل جیسے ڈوبنے لگا۔

''بائیک تھی ان کے پاس۔'' تب گھبرا کر انہوں نے اژمیر سے کہا۔

''اژمی بیٹا! کہیں کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو۔''

سب ایک ہی بات سوچ رہے تھے۔ مازیہ نے تو رونا شروع کر دیا تھا۔ حامد شاہ بھی کمرے سے نکل آئے تھے۔

''پریشانی کی کیا بات ہے عفت! بارہ ہی تو بجے ہیں' کوئی مسئلہ ہو گیا ہو گا۔''

آمنہ کی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

''خسرو کو صبح سیدو شریف جانا تھا۔ وہ جاتے ہوئے بھی کہہ گیا تھا کہ وہ جلد واپس آ جائے گا۔ پھر اگر کسی وجہ سے دیر ہو گئی تھی تو فون کر سکتا تھا۔ اسے پتا ہے نا میرا۔''

''ٹھیک ہے' میں دیکھتا ہوں۔''

حامد شاہ بھی پریشان ہو گئے تھے' لیکن وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ پھر حامد شاہ اور اژمیر نے تقریباً ہر ہاسپٹل میں ہی فون کیا تھا لیکن کہیں سے کوئی اطلاع نہ مل سکی تھی۔ اس چکر میں ایک بج گیا' اب تو سب کے حوصلے جواب دے گئے تھے۔ اسعد اور خسرو کے موبائل خاموش تھے۔ مازیہ اور عمارہ مسلسل ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''میرا خیال ہے' ہم خود پتا کرتے ہیں۔'' عبدالرحمٰن جو اس رات وہیں تھا' اژمیر سے بولا۔

''تمہیں کچھ پتا ہے' انہوں نے کہاں جانے کا ذکر کیا تھا۔'' اور اژمیر کو اسعد کی بات یاد آ گئی۔

''اسعد بھائی کو کسی شخص سے ملنے جانا تھا' شالامار باغ کی طرف۔''

''تو بس چلتے ہیں۔''

''اس وقت؟'' حامد شاہ نے ان کی طرف دیکھا۔

''کنونیس مل جائے گی؟''

''میں نے اپنے ایک دوست کو فون کیا ہے' وہ گاڑی لے کر آ رہا ہے پندرہ بیس منٹ میں۔''

''میں بھی چلوں تمہارے ساتھ؟'' گاڑی کے ہارن کی آواز آئی تو حامد شاہ نے پوچھا۔

''نہیں انکل!'' عبدالرحمٰن نے انہیں تسلی دی۔

''آپ گھر پر رہیں۔''

اور پھر کچھ ہی دیر بعد اژمیر کا فون آ گیا تھا کہ ان کی بائیک شالامار باغ کے باہر کھڑی ہے۔ حیرت کی بات تھی کہ کسی نے وہاں سے اسے اٹھایا نہیں تھا۔

''بائیک وہیں تھی تو وہ دونوں کہاں تھے؟''

یہ ایسا سوال تھا جس نے سب کو پریشان کر دیا تھا۔ عفت اور آمنہ تو مسلسل رو رہی تھیں۔ عمارہ کبھی آمنہ کو سنبھالتی' کبھی عفت کو۔ حامد شاہ اپنے جاننے والوں کو فون کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن اور اژمیر نے اسعد کے اخبار کے ایڈیٹر کو فون کیا تھا۔ پوری رات ہی بھاگ دوڑ میں گزری تھی لیکن خسرو اور اسعد کا پتا نہیں چل سکا تھا۔ آمنہ تو وضو کر کے جائے نماز پر بیٹھ گئی تھیں۔ صبح کے وقت تھکے ماندے اژمیر اور عبدالرحمٰن گھر میں داخل ہوئے تھے۔

خسرو اور اسعد کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ صبح کے وقت اسعد کے ایڈیٹر مجید صاحب نے دونوں کو تسلی دے کر گھر بھیجا تھا۔

''میں ناشتہ کر کے ایس پی کی طرف جاتا ہوں۔ دراصل یہ مجھے ان ہی لوگوں کی سازش لگتی ہے جن کے خلاف اسعد آج کل لکھ رہا تھا اور آرمی نے آپریشن شروع کر رکھا ہے''۔ وہ قیامت کی رات تھی جو گزر گئی تھی۔

صبح آمنہ کو ابرار شاہ کا خیال آیا تھا۔ تب حامد شاہ نے انہیں فون کر کے صورت حال بتائی' تو وہ فوراً ہی آ گئے تھے۔ وہ اتنے بڑے بزنس مین تھے اور ان کے تعلقات بہت اوپر تک تھے۔ آتے ہی انہوں نے ڈی آئی جی سے بات کی تھی۔ آئی جی نذیر اعوان صاحب سے تو ان کی عرصہ سے بہت دوستی تھی انہوں نے بڑی تسلی دی تھی کہ انشاءاللہ بہت جلد صورت حال واضح ہو جائے گی لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتے جو خسرو کے غائب ہونے کی خبر سنتے ہی ڈوب سا گیا تھا۔

''اتنا غیر جان لیا تھا تم نے مجھے' کہ رات کو خبر نہ دی۔ تم رات کو اطلاع کر دیتیں تو شاید اب تک کچھ نہ کچھ ہو چکا ہوتا۔''

آمنہ کو الگ کرتے ہوئے انہوں نے شکوہ کیا تو آمنہ شرمندہ سی ہو گئیں۔

''میں نے سوچا' اتنی رات گئے آپ آرام کر رہے ہوں گے' ڈسٹرب ہو جائیں گے۔''

آمنہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

''میرا آرام تمہاری پریشانی سے بڑھ کر تھا آمنہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں' کیوں

اتنی غیریت برتنے لگی ہو۔"

آمنہ کیا کہتیں' خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہیں۔ کیسے کہتیں کہ یہ اجنبیت اور غیریت بھائی کے رویے کی وجہ سے خود بخود ہی پیدا ہوگئی ہے۔ ورنہ شادی سے پہلے دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کے کتنے قریب تھے کہ کسی چھوٹی سی بات' ذرا سی پریشانی پر آمنہ' ابرار شاہ کے پاس دوڑی چلی جاتی تھیں۔

"پھپھو پلیز..... یہ چائے لے لیں۔"

عمارہ نے ان کے سامنے چائے لا کر رکھی اور ابرار شاہ کی طرف دیکھا۔

"انکل! آپ ناشتے میں کیا لیں گے؟"

"کچھ نہیں بیٹا! بس ایک کپ چائے دے دو۔"

ابرار شاہ نے عمارہ کی طرف دیکھا۔ روئی روئی آنکھیں بھیگی پلکیں۔ سارے خاندان نے پوری رات کرب میں گزاری تھی۔

"تو پھر یہ سلائس اور بوائل انڈا تو لے لیں پلیز۔ مامی جان کو بھی کہیں کچھ کھالیں۔ رات سے بھوکی ہیں۔"

"سب کو چائے دو اور کچھ کھانے کو بھی۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے عمارہ کو تسلی دی۔ تب ہی ان کے موبائل کی بیل ہوئی۔

دوسری طرف آئی جی تھے۔ انہوں نے آئی جی کی بات سن کر آمنہ کو تسلی دی۔

"آئی جی صاحب بہت تسلی دے رہے ہیں۔ ہر طرف پولیس چھاپے مار رہی ہے۔ شالامار باغ سے ایک شخص گرفتار ہوا ہے' خود کو مادھو شاہ لعل کی خانقاہ کا مجاور کہتا ہے لیکن ایس پی صاحب کا خیال ہے کہ کام کا آدمی ہے' اس سے بہت کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔"

انہوں نے جلدی سے چائے ختم کی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم تسلی رکھو اور اللہ سے دعا کرو' دونوں بچے خیریت سے آجائیں۔ میں خود جا رہا ہوں اعوان صاحب کے پاس۔" آمنہ نے صرف سر ہلا دیا۔

"یارب العالمین! دونوں کا بال بھی بیکا نہ ہو۔ یارب العالمین! انہیں اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔"

وہ مسلسل دعا مانگ رہی تھیں اور سامنے پڑی چائے ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ظہر کی نماز پڑھ کر عمارہ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو پلکوں سے اس کے آنسو ہاتھوں کی اوک میں گرنے لگے۔

"یارب العالمین! اسعد بھائی اور خسرو کی حفاظت کرنا۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں' انہیں اپنی پناہ میں رکھنا۔ انہیں زندگی دینا میرے مولا۔"

صبح سے دوپہر ہوگئی تھی' ابھی تک خسرو اور اسعد کی کچھ خبر نہ تھی۔ عبدالرحمٰن اور اژمیر تھوڑی تھوڑی دیر بعد فون کر کے تسلیاں دے رہے تھے۔ حامد شاہ' ابرار شاہ' اژمیر اور عبدالرحمٰن صبح سے نکلے' ابھی تک گھر نہ لوٹے تھے۔ آمنہ کو اس نے ٹرنکولائزر دے کر زبردستی بستر پر لٹایا تھا۔ عفت بڑے صبر اور حوصلے سے تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

"یا اللہ....." عمارہ کے آنسو مسلسل اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے اور ہونٹوں پر دعائیں تھیں۔ تب ہی مازیہ بھاگتی ہوئی آئی۔

"آپی..... آپی....." اس نے کندھوں سے پکڑ کر اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"وہ..... وہ مل گئے اسعد بھائی اور خسرو بھائی۔ وہ ٹھیک ہیں' بالکل ٹھیک ہیں۔ اژمی کا فون آیا ہے کہ وہ لوگ ابھی آ رہے ہیں۔ بیان وغیرہ لکھوا کر۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

عمارہ بے اختیار سجدے میں گر گئی۔ عفت اور عمارہ بھی اس کی آواز سن کر کمروں سے نکل آئی تھیں۔

"مبارک ہو مامی! خسرو بھائی کی زندگی مبارک ہو۔" سب کی آنکھوں میں خوشی اور تشکر کے آنسو تھے۔ سب سے پہلے عفت نے ہی خود کو سنبھالا تھا۔

"میں ذرا شکر کے نفل پڑھ لوں آمنہ! تم بیٹھو اور مازیہ بیٹا! آپ کھانا وغیرہ بناؤ' ابھی سب آتے ہوں گے۔ رات سے کسی نے کچھ کھایا پیا نہیں بلکہ یوں کرو۔ پڑوس

سے کسی بچے کو بلا کر کڑاہی وغیرہ بازار سے منگوالو۔ کھانا زیادہ منگوالینا۔ اژمی کے دوست بھی ہوں گے اور وہ بچہ عبدالرحمٰن' وہ بے چارہ تو رات سے ہمارے ساتھ ہی پریشان ہو رہا ہے۔ رات کا قیمہ آلو بھی پڑا ہوگا۔''

وہ اسے ہدایت دے کر چلی گئیں تو آمنہ بھی ان کے پیچھے ہی کمرے میں چلی گئیں۔ عمارہ باہر نکلی تو باہر کوئی نہیں تھا۔ مازیہ شاید کچن میں تھی' وہ یونہی باہر پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کل رات سے اب تک کیسی اذیت سہی تھی اس نے۔ کل رات ہی اسے پتا چلا تھا کہ خسرو کی زندگی اس کیلئے کتنی اہم تھی' کتنی ہی بار اس نے اللہ سے دعا مانگی تھی۔

''یا اللہ وہ بھلے میرا رفیق سفر نہ بنے' لیکن میرے مولا اسے زندگی دینا' اسے کوئی نقصان نہ پہنچانا۔''

حالانکہ جب آمنہ نے بتایا تھا کہ خسرو شادی کیلئے رضامند ہوگیا ہے اور اس نے کہا کہ وہ انہیں اپنی پسند کے متعلق جلد ہی بتائے گا تو اس کا دل لمحہ بھر کو ڈوب سا گیا تھا۔ وہ آنسو چھپائے آمنہ کے پاس سے اٹھ آئی تھی۔

''کیا تھا اگر مامی کہتیں انہیں عمارہ پسند ہے اور یہ کہ وہ اپنے خسرو کیلئے عمارہ کو مانگنا چاہتی ہیں۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ عفت کا رنگ بھی لمحہ بھر کو مدھم سا ہوگیا تھا۔ شاید وہ بھی دل سے چاہتی تھیں کہ ان کے اکلوتے بھائی کا اکلوتا بیٹا ان کا داماد بنے۔ بہت بار انہوں نے انہیں ابی جان سے کہتے سنا تھا کہ وہ عمارہ کیلئے فکرمند نہ ہوں لیکن دل کا کیا اعتبار۔

''میں خسرو سے ضرور لڑوں گی کہ اس نے اپنے دل کی بات مجھ سے شیئر نہیں کی۔ اس نے مجھے اتنی بڑی بات نہیں بتائی۔ اس کے دل نے کسی لڑکی کو ہمیشہ کیلئے اپنا رفیق زندگی بنانے کیلئے پسند بھی کرلیا اور مجھے خبر تک نہیں ہونے دی۔ بھلا دوستوں سے بھی کوئی ایسے کرتا ہے۔'' تب ہی دروازہ کھلا' سب سے آگے اژمی تھا۔ زور زور سے پکارتا ہوا۔

''امی..... امی..... کہاں ہیں آپ۔ آپ کے بھگوڑے آگئے۔''

''اف..... او..... تھک کے چور ہوگیا ہوں۔''

وہ دھم سے عمارہ کے پاس پڑی کرسی پر گرا تو ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں

پونچھتے ہوئے عمارہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''اژمی! کون تھے وہ لوگ؟ کیوں لے گئے تھے۔ کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟''

''نہیں۔'' اژمیر نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کر عمارہ کی طرف دیکھا۔

''میں اب سونے جارہا ہوں باقی کی تفصیل ان سے خود ہی پوچھ لیجئے گا۔''

اس نے ٹانگیں پھیلائیں اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ عمارہ ایک نظر اس پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کچن میں کام کرتی مازیہ کو دیکھ کر ذرا کی ذرا رکی۔

''مازی! میں ابھی آتی ہوں۔ پھر دونوں مل کر کچھ کر لیتے ہیں۔ وہ سیدھی عفت کے کمرے میں آئی' عفت نفل پڑھ چکی تھی آمنہ بھی جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں۔

''اژمی آگیا ہے۔ دوست کی بائیک پر آیا ہے' شاید اس نے ڈراپ کیا ہے باقی لوگ آرہے ہیں۔''

وہ آمنہ یا عفت کے جواب کا انتظار کئے بغیر باہر آگئی۔ سب سے پہلے حامد شاہ نے گیٹ کے اندر قدم رکھا تھا۔ پھر ان کے پیچھے باقی سب تھے۔ خسرو اور اسعد کو آتے دیکھ کر وہ بے اختیار ایک قدم آگے بڑھی تھی' پھر یک دم پیچھے ہٹ گئی۔ خسرو اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ مازیہ بھاگتے ہوئے کچن سے نکلی اور اسعد سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ آمنہ اور عفت بھی باہر نکل آئی تھیں۔ آمنہ کبھی خسرو کو لپٹاتیں' کبھی روتیں کبھی اللہ کا شکر ادا کرتیں۔ عفت کی آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو تھے۔

''امی پلیز! ریلیکس ہوجائیں اب.....'' خسرو نے انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ آمنہ نے ہتھیلیوں کی پشت سے آنسو صاف کئے اور اسعد کی طرف بڑھیں اور پھر اس کے بازو پر بندھی پٹی دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔

''یہ کیا ہے بیٹا! کیا انہوں نے.....؟''

''کچھ نہیں مامی!'' اسعد مسکرایا۔

''انہوں نے کچھ نہیں کیا۔ کمرے میں بند کرنے سے پہلے دھکا دیا تو میرا بازو لوہے کے میز کے کنارے پر لگا۔ جو ٹوٹا ہوا تھا۔ لوہا لگا تھا تو پھر.....''

''ڈونٹ وری آمنہ! ابھی راستے میں انجکشن لگواتے ہوئے آئے ہیں۔'' ابرار شاہ نے آمنہ کو تسلی دی۔

''مگر یہ سب ہوا کیسے؟ کون لوگ تھے؟ کیا دشمنی تھی انہیں تم دونوں سے؟'' عفت کو خیال آیا تو حامد شاہ مسکرائے۔

''یہ جذباتی سین ختم ہو تو چل کر اندر بیٹھیں پھر تفصیل بتاتے ہیں۔''

''ہاں..... ہاں اندر چلیں۔'' آمنہ کو بھی خیال آیا۔

اس سارے ہنگامے کے دوران اژمیریوں ہی پاؤں پھیلائے' آنکھیں موندے کرسی کی پشت سے سر ٹکائے لیٹا رہا۔ جانے سچ مچ سو رہا تھا یا یونہی آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ سب اندر ٹی وی لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ مازیہ ابھی تک اسعد سے جڑی بیٹھی تھی۔ اسعد نے مختصراً بتایا کہ وہ لوگ ان ہی جھوٹے عاملوں اور جادو کرنے والوں کے کارندے تھے جن کے خلاف اسعد ان دنوں کالم پر کالم لکھ رہا تھا۔ ان لوگوں کا ارادہ انہیں قید کرنے اور مارنے کا نہیں تھا۔ صرف دھمکی دینے اور ڈرانے کیلئے انہیں بند کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر اسعد نے ان کے خلاف کالم لکھنے اور خسرو نے ان کے خلاف ایکشن لینا بند نہ کیا' تو وہ اپنے موکلوں کے ذریعے انہیں نقصان پہنچائیں گے جس کی تلافی بھی ممکن نہ ہو گی۔

''اوہ.....!'' مازیہ نے جھرجھری سی لی۔

خسرو مسکرا دیا۔ ''اور میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

''یہ تو ہے۔'' حامد شاہ نے تائید کی۔

''پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ میں آج آئی جی صاحب سے بات کرتا ہوں تمہاری ٹرانسفر کیلئے' آئندہ تم ان کے معاملے میں ٹانگ مت اڑاؤ۔'' ابرار شاہ نے سمجھایا۔

''تم تنہا کچھ نہیں کر سکتے۔ ایک بگڑے ہوئے نظام کو ایک یا دو افراد درست

نہیں کر سکتے جو چیز لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ چکی ہے' تم اسے نکال نہیں سکتے۔ بظاہر نہ سہی پوشیدہ طور پر کام جاری رہے گا۔''

''لیکن ماموں جان کوشش تو کی جا سکتی ہے۔ اگر ہر بندہ یہ سوچنے لگے کہ تنہا کچھ نہیں کیا جا سکتا تو پھر تو معاشرے کا بگاڑ کبھی درست نہیں ہو سکتا۔''

''لیکن تم کیا کر سکتے ہو اس سے زیادہ' جتنا تم نے کیا ہے؟'' ابرار شاہ نے آمنہ کی حالت دیکھی تھی۔ خود انہوں نے اس مختصر عرصہ میں جو کچھ سوچ ڈالا تھا' وہ اتنا اذیت ناک تھا کہ وہ کم از کم خسرو کو اس کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔

''شاید کچھ نہیں' لیکن ماموں جان! بدی کو اپنی زندگی کے خوف سے ڈر کر پھیلنے دینا' اس کی راہ نہ روکنا بھی تو غلط ہے۔ کیا خبر یہ بدی چل کر کل خود ہمارے گھر تک آ جائے۔''

''تم بالکل اپنے باپ کی طرح ہو خسرو!'' ابرار شاہ نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں چاہتا ہوں کہ ابھی آپ آئی جی صاحب سے ٹرانسفر کی بات نہ کریں۔ آپ نہیں جانتے کہ وہاں چھوٹے شہروں اور دیہاتوں میں بھی یہ وبا کس بری طرح پھیل چکی ہے۔ مجھے ابھی وہاں کام کرنا ہے۔ بس ایس پی صاحب سے بات کرنا تھی۔''

''انکلی! آپ کو نہیں پتا ان کا ایک پورا نیٹ ورک ہے جو صرف پاکستان میں ہی نہیں' اب تو یورپ تک پھیل چکا ہے۔ وہاں بھی ان کے کارندے موجود ہیں مختلف صورتوں میں۔''

''دراصل مذہب سے دوری نے آج کے انسان کو مضطرب کر رکھا ہے۔ بہت کچھ پا لینے کی ہوس' سیدھے راستوں کے بجائے آسان طریقہ اختیار کرنے کی خواہش' دوسروں کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لینے کی طلب' حسد لالچ ان سب نے ان کے کاروبار کو وسعت دی ہے۔'' حامد شاہ نے بھی تبصرہ کیا۔

''ایک دن اخبار کے آفس میں ایک شخص آیا پیشے کے لحاظ سے ماہر سرجن ہے' پچھلے پچیس سال سے امریکہ میں رہائش پذیر ہے۔اس نے جو کچھ بتایا وہ بہت حیران کن اور تکلیف دہ ہے۔ان دنوں وہ پاکستان آیا ہوا ہے۔میری تحریریں اس نے پڑھیں تو میرے پاس آیا۔اس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے جو واقعات بتائے ہیں انہیں عقل تسلیم نہیں کرتی لیکن وہ کوئی جاہل' ان پڑھ اور توہم پرست شخص نہیں ہے۔بہت مدلل خیالات رکھنے والا شخص ہے۔''

اسعد نے مختصراً اس شخص کے ساتھ پیش آنے والے واقعات بتائے کہ کس طرح اس کے عزیزوں رشتہ داروں میں سے کوئی اس پر سفلی عمل کروا رہا ہے اور وہ نہیں جانتا کیوں! حالانکہ وہ اپنے عزیزوں کی حتی الامکان مدد کرتا رہتا ہے۔اس کا کسی کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں۔غالباً حسد کہ اس کے پاس دولت کیوں ہے۔پچھلے کئی سالوں سے تسلسل سے اس کے ساتھ یہ واقعات پیش آ رہے ہیں۔مسلسل نقصانات ہوتے رہتے ہیں۔اپنے آس پاس کسی نادیدہ چیز کا احساس ہوتا ہے۔طبیعت بیٹھے بیٹھے گھبراتی ہے۔کئی دفعہ اچانک اتنا بڑا نقصان ہوا کہ حیرت ہوتی ہے۔

ایک بار وہ اپنے والدین کے گھر میں تھا اور صحن میں تلاوت کر رہا تھا کہ اچانک اس نے دو عجیب و غریب پرندے آسمان کی طرف سے تیر کی طرح اپنی طرف آتے دیکھے ان کے رنگ سرمئی تھے۔ان کی آواز بہت مکروہ تھی۔وہ قرآن ہاتھ میں لئے تیزی سے پیچھے ہٹا۔پرندے اس کے قریب آ کر اچانک مڑے اور فضا میں غائب ہو گئے۔ابھی وہ صحن میں ہی کھڑا تھا کہ اس کے گھر کے متعلق اس کے پڑوسیوں نے بتایا کہ وہ جل کر تباہ ہو گیا ہے۔دو منزلہ نیا گھر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

اور عزیزوں' رشتہ داروں کے ڈرانے پر کہ اس پر کسی نے کوئی عمل کر دیا ہے۔وہ مختلف عاملوں کے پاس گیا۔سب نے حساب لگا کر یہی بتایا کہ اس پر کالا جادو کیا گیا ہے لیکن ابھی تک اس کا توڑ نہیں ہو سکا' حالات بدستور ہیں۔ہر دوسرے تیسرے روز اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔آدمی مضبوط قوت ارادی کا مالک ہے اور اس کا ایمان بھی پختہ ہے۔سو ان باتوں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔لیکن اس نے میرے کالم پڑھنے کے بعد سوچا کہ

یہ واقعات مجھے بتائے۔

''مائی گاڈ!'' ابرار شاہ نے ایک گہری سانس لی۔

☆ ☆ ☆

عفت تاسف سے سر ہلاتے ہوئے عمارہ کی طرف مڑیں۔

''عمارہ بیٹا! کھانا لگواؤ۔بچے بھوکے ہوں گے۔''

آمنہ کے کہنے پر وہ باہر نکل گئی۔

تب ہی فون کی بیل ہوئی۔اسعد نے فون ریسیو کر کے ابرار شاہ کی طرف دیکھا۔

''آپ کا فون ہے گھر سے۔'' دوسری طرف ان کی بیگم تھیں۔

''کہاں ہیں آپ؟ موبائل بھی آف کر رکھا ہے۔صبح سے غائب ہیں۔ایسی کیا آفت نازل ہو گئی۔خسرو بچہ تو نہیں ہے کہ اب تک آپ اسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔آفس سے بھی فون آ چکے ہیں کئی بار زبیری صاحب کے۔بھول گئے شاید آپ کہ کوئی میٹنگ تھی آپ کی۔''

ابرار شاہ نے بہت تحمل سے ان کی بات سنی۔

''خسرو آ گیا ہے۔''

''خسرو آ گیا ہے تو آپ بیٹھے وہاں کیا اب تک آمنہ بیگم کے آنسو پونچھ رہے ہیں' انہیں بھی لاڈ کروانے کی عادت ہے اب تک۔''

یکدم ابرار شاہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔

''انکل پلیز..... آپ پہلی دفعہ تو ہمارے گھر آئے ہیں۔کھانا کھا کر جایئے گا۔آنٹی سے کہہ دیں آپ.....''

مازیہ سمجھی شاید بیگم ابرار انہیں گھر بلا رہی ہیں۔

انہوں نے مڑ کر مازیہ کی طرف دیکھا اور خود کو کمپوز کرتے ہوئے مسکرائے۔

''سامعہ! میں یہیں سے آفس چلا جاؤں گا۔مجھے ڈسٹرب مت کرنا اب۔''

ریسیور کریڈل پر ڈال کر انہوں نے اپنا موبائل نکالا اور زبیری صاحب کا

نمبر ملایا۔

''زبیری صاحب میں آج نہیں آسکوں گا۔ میرے ساتھ آج جس کی بھی میٹنگ ہے وہ کینسل کردیں۔ ہاں' ہاں خیریت ہے۔''

وہ بات کر کے واپس حامد شاہ کے پاس آ بیٹھے۔ کتنے سالوں بعد وہ یہاں اس گھر میں آئے تھے۔ ظہیر کی موت کے بعد شاید پہلی بار' جب آمنہ کی شادی نہیں ہوئی تھی تو ظہیر شاہ کے ساتھ کبھی کبھار حامد شاہ کی طرف آجاتے تھے' انہیں حامد شاہ پسند تھے۔ صاف دل' اور محب وطن' آخری بار وہ کب آئے تھے۔ شاید اسعد کی پیدائش پر' انہیں یہاں سب کے ساتھ بیٹھنا باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ جانے وہ کیسے زمانے ہوتے تھے' جب آدمی کے پاس بہت فرصتیں تھیں۔ اب تو ان کے پاس بچوں کے لیے بھی وقت نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ حامد شاہ کے بچوں میں جہاں خود اعتمادی تھی۔ وہاں اپنے بڑوں کیلئے احترام اور محبت بھی تھی۔

پورے ماحول میں اپنائیت سی رچی ہوئی تھی۔ حامد اور عفت میں بہت انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ جب کہ سامعہ نے کبھی ان کی بات سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

کبھی بھی ان سے متعلقہ رشتوں سے محبت نہیں کی تھی بلکہ وہ شروع دن سے ہی ان سب کیلئے اپنے دل میں بغض رکھتی تھیں۔ یہ ان کی ہمت تھی کہ انہوں نے رشتوں میں توازن قائم رکھا۔ نہ سامعہ کے ساتھ کوئی زیادتی کی نہ ماں اور بہن کے ساتھ کوئی زیادتی ہونے دی لیکن اس کوشش میں وہ ہانپ ہانپ گئے تھے۔

ہاں اس کوشش میں شاید بچے نظر انداز ہوئے تھے۔ ضویا کچھ کچھ مغرور اور موڈی سی تھی۔

لیکن زین اور رابیل کے مزاج میں دھیما پن' محبت اور خلوص تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ بچے تھے تو انہیں آمنہ کی گود ملی تھی۔ آمنہ کو پسند نہ کرنے کے باوجود اپنی سہل پسندی کی وجہ سے بچوں کی ذمہ داری سامعہ اکثر آمنہ پر ڈال دیتی تھیں۔ ہاں جب وہ بڑے ہوئے تو اس کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ کم سے کم آمنہ کی طرف جائیں' لیکن رابیل اور زین پھر بھی موقع نکال کر چلے ہی جاتے تھے۔ لیکن ضویا کو انہوں نے کبھی آمنہ کی طرف

جاتے' ان سے بات کرتے نہ دیکھا تھا۔

''اب خسرو بھائی کی شادی ہونا چاہیے۔''

جانے کب موضوع بدلا تھا انہوں نے چونک کر مازیہ کی طرف دیکھا' جو اسعد کے پاس سے اٹھ کر اب آمنہ کے پاس جا بیٹھی تھی۔

''ہاں' ہاں کیوں نہیں۔''

آمنہ نے مسکرا کر خسرو کی طرف دیکھا جو پانی پینے کے خیال سے اٹھا تھا۔

''بس دیکھو' یہ خسرو کب ہری جھنڈی دکھاتا ہے۔''

خسرو مسکراتے ہوئے ٹی وی لاؤنج سے باہر نکل گیا۔ ابرار شاہ کی نظروں نے دور تک خسرو کا تعاقب کیا۔ لمحہ بھر کیلئے ضویا کا خیال ان کے ذہن میں آیا تھا۔ خسرو اور ضویا اور یہ خیال آج نہیں کئی بار پہلے بھی آیا تھا۔

وہ جب بھی خسرو کو دیکھتے' اس کی ذہانت' اس کی تابعداری' ظاہری شخصیت وہ ہر طرح سے سامنے والے کو متاثر کرتا تھا۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ سامعہ ایسا کبھی نہ چاہیں گی ایک بار انہوں نے یونہی اشارتاً ذکر کیا تھا سامعہ سے' تب سے وہ خسرو کو ''دو ٹکے کا پولیس والا'' کہہ کر بلانے لگی تھیں اور اگر خسرو ان کی بات مان لیتا' ان کے ساتھ ان کے بزنس میں شامل ہو جاتا' تو شاید..... شاید وہ ضد بھی کرتے اور کوشش بھی لیکن اب..... پھر ضویا۔ ضویا بہت حد تک اپنی ماں کی طرح ہی سوچتی تھی۔ سامعہ کا بہت اثر تھا اس پر۔

''ہاں آمنہ! اب تم خسرو کی شادی کر ہی دو۔ تمہاری تنہائی بھی دور ہو جائے گی۔''

موضوع گفتگو خسرو اور پھر اسعد کی شادی کی طرف مڑا' تو ماحول میں ایک خوشگوار سی تبدیلی آ گئی۔ سب ہی بولنے لگے تھے۔ اژمیر بھی آنکھیں ملتا ہوا اندر آ گیا تھا۔ مازیہ بڑے زور و شور سے مختلف لڑکیوں کے نام لے رہی تھی کہ فلاں لڑکی! اسعد بھائی کے لئے مناسب رہے گی اور فلاں لڑکی.....''

ابرار شاہ بہت دلچسپی اور شوق سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

خسرو نے جاتے جاتے اپنی شادی کا ذکر سنا تھا اور اب جاتے جاتے کچن

کے دروازے پر ہاتھ رکھے' مسکراتی نظروں سے عمارہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پانی کا گلاس خسرو کو پکڑاتے ہوئے عمارہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ یک دم ہی گلاس پکڑا کر مڑی اور سلاد کی پلیٹ ٹرالی میں رکھنے لگی۔

''عمارہ.....!'' خسرو نے بہت آہستگی سے اسے پکارا تھا۔ وہ اس سے اپنے متعلق پوچھنا چاہتا تھا' اس کی رائے جاننا چاہتا تھا۔ اب بھی اسی خیال سے باہر آیا تھا۔ لیکن عمارہ کا گریز اور خاموشی سے وہ ذرا ٹھٹک گیا تھا۔ اب اس کے پیپرز ہو چکے تھے۔ اسعد اور وہ بھی بخیریت واپس آ گئے تھے' پھر وہ اتنی اداس کیوں تھی۔ ورنہ اگر وہ پہلے والی عمارہ ہوتی' تو اس وقت کم از کم اس کی طرف متوجہ ہوتی۔ اس سے ضرور اس حادثے کے متعلق کوئی بات کرتی۔

عمارہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے' تم اتنی چپ چپ کیوں ہو؟ اتنی پریشان اور الجھی ہوئی۔ تمہارے امتحان ختم ہو گئے۔ سو اب تم یہ بیان مت دینا کہ امتحان کی وجہ سے پریشان ہو۔ میرا خیال ہے عمارہ! ہم اچھے دوست تھے۔ میں نے ہمیشہ ہر بات تمہارے ساتھ شیئر کی ہے اور.....''

''تم ہر بات شیئر کرتے تھے' لیکن اب نہیں۔''

عمارہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

''اب میں نے کون سی بات تم سے شیئر نہیں کی؟'' خسرو کو حیرت ہوئی۔

''اپنی زندگی کی ہر اہم بات میں تم سے شیئر کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ آفس کے معاملات بھی۔ اسلم کی گرفتاری کی خبر سب سے پہلے تمہیں بتائی۔''

''اپنی زندگی کی سب سے اہم بات تو آپ نے مجھ سے شیئر نہیں کی۔ اپنے لیے زندگی کا ساتھی پسند کیا اور مجھے بتایا تک نہیں۔ کون ہے وہ! ظاہر ہے یہ پسند صرف ایک دن یا ایک نظر میں تو نہیں ہوئی ہوگی' پسند کو فیصلہ بننے میں وقت تو لگتا ہے نا اور.....''

خسرو کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ ابھری' لیکن چہرہ موڑتے ہوئے اس نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کی۔

''اب ادھر کیا دیکھ رہے ہیں۔ جب آپ نے دوست نہیں جانا تو پھر میں کیوں بتاؤں۔''

''نہیں۔ میں نے دانستہ تو تم سے کچھ نہیں چھپایا۔'' خسرو نے اس پر ایک گہری نظر ڈالی اور اس کی آنکھوں کی نمی اس سے چھپی نہ رہ سکی۔

''تو یہ بات تھی عمارہ بی بی!'' وہ دل ہی دل میں مسکرایا۔

''بس وقت ہی نہیں ملا اور تم نے صحیح کہا' پسندیدگی ایک دن' ایک نظر کی تو نہیں۔''

''کون ہے وہ؟'' عمارہ کیلئے خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

''بتاؤں گا' لیکن پہلے تم اپنی پریشانی کی وجہ بتاؤ کب سے نوٹ کر رہا ہوں۔''

''کوئی خاص نہیں' بتایا تو تھا پیپرز کی وجہ سے۔ بہت اچھے نہیں ہوئے نا۔''

اس نے نظریں چرا لیں۔ خسرو اس کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ لڑکی وہ خود ہے۔ یکدم ہی اس کا ارادہ بدل گیا۔ اس کا دل شرارت پر مائل ہو گیا تھا۔ عمارہ کی بھیگی پلکوں نے سب کچھ عیاں کر دیا تھا۔

''کیا ضویا.....؟'' اس نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھائیں۔ مگر فوراً ہی جھکا لیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے' میں ضویا کے ساتھ خوش رہ سکوں گا؟''

''بہت پیاری ہے وہ اور پھر آپ کے ماموں.....''

''آپی..... آپی پلیز..... جلدی کریں نا' انکل ابرار کو آفس جانا ہے۔''

''تم ادھر آؤ۔ یہ ٹرالی لے جاؤ' پلیٹیں وغیرہ لگاؤ۔ میں اتنے میں سالن ڈونگوں میں ڈالتی ہوں۔''

وہ بات یونہی ادھوری چھوڑ کر مازیہ کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

خسرو' مازیہ کے سر پر چپت لگاتا ہوا واپس مڑ گیا۔ مائیکرو ویو میں سے ڈش نکالتے ہوئے' اس نے خسرو کو جاتے دیکھا۔ اس کا دل جیسے اندر ہی اندر ڈوبنے لگا۔ وہ وہیں ایک سائیڈ پر پڑی کرسی پر بیٹھ گئی اور ہونٹ بھینچے بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو

روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

''مگر عالی! میں..... میں کیسے تمہارے ساتھ جا سکتی ہوں۔ ماما اجازت نہیں دیں گی۔ پھر جانے کب واپسی ہو۔ کتنی دیر ہو جائے۔''

''بہت دیر نہیں ہو گی ضویا! ہم شام تک آ جائیں گے۔'' عالیہ نے منت کی۔

''پلیز..... انکار مت کرو ضویٰ! میرا تمہارے سوا کوئی دوست نہیں ہے کیا تم میری مدد نہیں کرو گی۔ مجھے اکیلے جانا عجیب سا لگتا ہے۔ پلیز تم میرے ساتھ چلو۔''

وہ عالیہ کو انکار بھی نہیں کر سکتی تھی اور اس کے ساتھ جاتے ہوئے بھی اسے خوف آ رہا تھا۔ عالیہ آج صبح سے اس کے گھر آئی ہوئی تھی۔ ان دنوں وہ امتحان دے کر فارغ تھی۔ سارا دن گھر میں اس کی صرف ایک ہی مصروفیت تھی۔ کیبل دیکھنا اور کبھی کبھار آمنہ کی طرف چلے جانا۔ خسرو اب ہر ویک اینڈ پر نہیں آتا تھا۔ بلکہ اب تو اسے ایک ماہ ہو گیا تھا گھر آئے ہوئے۔ آمنہ نے بتایا تھا کہ وہ ان دنوں بہت مصروف ہے۔ البتہ ہر روز فون ضرور کرتا تھا۔ کتنی ہی بار اس نے سوچا کیا خبر آج وہ اسے بھی فون کر لے۔ کئی بار تو ایسا بھی ہوا تھا کہ وہ پھپھو کے پاس ہی بیٹھی تھی جب خسرو کا فون آیا۔

''پھپھو میرا بھی سلام کہہ دیجئے گا۔''

اور پھپھو کے سلام کہنے پر جواباً اس نے پرزور ''وعلیکم السلام'' کہلوا دیا تھا' لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

''سامی کے ساتھ آج میں میکڈونلڈ گئی تھی۔''

''لگتا ہے تعویذ اثر کر رہے ہیں۔''

''اور شادی.....؟'' ضویا پوچھتی۔

''نہیں' ابھی تو نہیں۔''

''لیکن وہ بات ضرور کرے گا۔ دراصل اس کی ماما آنے والی ہیں امریکہ سے۔ ایک دن کہہ رہا تھا میں تمہیں اپنی ماما سے ملواؤں گا۔ شاید وہ پہلے مجھے ماما سے ملوانا

چاہتا ہو۔''

یہ سب عالیہ اسے فون پر بتایا کرتی تھی اور اب پچھلے کئی دنوں سے تو وہ فون بھی نہیں کر رہی تھی۔ نہ ہی اس کے فون کرنے پر ملتی اور آج جب وہ آئی تھی' تو ضویا ایک لمحے کو تو اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''یہ تم ہو عالی! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟''

''اجڑی اجڑی صورت' بکھرے بال' ملگجے کپڑے۔''

''مجھے..... مجھے عشق ہو گیا ہے ابتسام ملک سے اور اس کی ماما نے اس کیلئے وہاں نیویارک میں ہی ایک لڑکی پسند کر لی ہے' وہ جلد ہی اس کی شادی کرنے والی ہیں۔''

وہ ضویا کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ بڑی مشکل سے بہت دیر بعد اس کے آنسو تھمے تو اس نے ضویا کو اپنے ساتھ مرشد جی کے پاس چلنے کو کہا۔

''وہ قصور کے قریب ہی ایک ویرانے میں رہتے ہیں۔ میرے پاس ایڈریس ہے۔''

''لیکن وہ..... وہ بھلا کیا کر سکتے ہیں؟'' ضویا نے پوچھا۔

''وہ کر سکتے ہیں' مجھے پتا چلا ہے وہ تو سالوں سے رکے ہوئے کام کروا سکتے ہیں۔''

''اور وہ ایک لاکھ روپیہ.....''

''وہ ہے نا میرے پاس' بتایا تو تھا۔''

''لیکن اگر وہ پیسے لے کر کام نہ کر سکے تو؟''

''وہ آدھے پیسے پہلے لیں گے۔ آدھے کام کے بعد اور کام نہ ہونے کی صورت میں آدھے پیسے واپس۔''

''تو کیا وہ جادو کریں گے؟'' ضویا کو خوف محسوس ہوا۔

''پتا نہیں۔'' عالیہ نے لاعلمی ظاہر کی۔

''تمہیں پتا ہے عالی! یہ لوگ بہت خوفناک ہوتے ہیں۔ ابھی پچھلے مہینے یہ لوگ خسرو اور اس کی پھپھو کے بیٹے کو پکڑ کر لے گئے تھے' کہیں تمہیں بھی نقصان نہ پہنچا

دیں۔"

"تب ہی تو تمہیں ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔"

"مجھے ساتھ لے کر؟"

"ہاں! تم میرے ساتھ چلو گی نا؟"

اس نے جلدی سے ماما کی اجازت کا بہانہ بنایا۔

"ماما سے اجازت تو میں لے لوں گی' کہہ دوں گی کسی دوست کی شادی

"اور اگر مما کو پتا چل گیا کہ....."

"کیسے پتا چلے گا ضوئی! تم میرے ساتھ جاؤ گی اور میں ہی تمہیں واپس چھوڑ جاؤں گی۔ پلیز انکار مت کرو۔ ضویا! میں زہر کھالوں گی۔ میں سچ کہتی ہوں ضوئی میں مر جاؤں گی۔"

"لیکن عالی! یہ جادو وغیرہ نقصان بھی تو پہنچا سکتے ہیں۔"

"ہاں' لیکن ہمیں خسرو وغیرہ کی طرح ان کے خلاف تو کام نہیں کرنا۔ ہمیں تو مدد لینی ہے۔ وہ ہمیں کیوں نقصان پہنچائیں گے۔"

"ہمیں نہ سہی' لیکن ابتسام ملک کو تو نقصان پہنچ سکتا ہے نا۔" ضویا خوفزدہ تھی۔

"پاگل ہو گئی ہو ضوئی! میں بھلا ایسا چاہوں گی کہ سامی کو نقصان پہنچے۔ اسے تو کانٹا بھی چبھے' تو تکلیف میرے دل کو ہوتی ہے۔ میرا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ وہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنے لگے جیسی میں اس سے کرتی ہوں۔ اتنی ہی شدت سے۔ اسے لگے جیسے وہ میرے بغیر ادھورا ہے۔ میری رفاقت کی چاہ ہو اسے۔"

میرے بنا وہ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہ کر سکے۔" وہ یکدم جذباتی ہو گئی تھی اور آنسو ایک بار پھر اتنی روانی سے اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔

"تم..... تم شاید میرے احساسات و جذبات کو سمجھ نہیں سکتیں ضویا! اس لیے کہ تم نے خسرو سے ایسی محبت نہیں کی جیسی میں نے کی ہے سامی سے۔ تم محبت کو نہیں سمجھ

سکتیں۔ اس خیال سے ہی میرا دل کٹنے لگا ہے کہ اگر سامی میرا نہ ہو سکا' میری زندگی سے نکل گیا تو..... میں سچ کہتی ہوں ضوئی! میں جی نہ پاؤں گی۔"

"ریلیکس یار..... پلیز عالیہ! ریلیکس....."

ضویا اسے تسلی دیتے ہوئے سوچنے لگی۔

"یہ صحیح ہے کہ میں نے شاید خسرو سے ایسی محبت نہیں کی' جیسی عالیہ' ابتسام ملک سے کرنے لگی ہے۔ لیکن پھر بھی میں نے اس سے محبت تو کی ہے۔ میرے شب و روز' میری صبحیں اور شامیں اسی کے خیال میں گزرتی ہیں۔ کمرۂ امتحان میں پیپرز دیتے ہوئے بھی وہ یک دم تصور میں آ جاتا تھا۔ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ اور اس کو اس کی محبت کو نہ پا سکنے کا خیال مجھے بھی جس اذیت سے دوچار کرتا ہے وہ بالکل نئی اور انوکھی ہے۔"

عالیہ نے کچھ دیر بعد خود کو سنبھالتے ہوئے اپنے آنسو پونچھے۔

"تم تیار ہو جاؤ۔ میں آنٹی سے اجازت لیتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایسے..... ایسے جاؤ گی مما کے پاس؟" ضویا نے بغور اسے دیکھا۔

بھیگی پلکیں' بکھرے بال کیسی اجڑی اجڑی سی لگ رہی تھی وہ' ضویا کا دل کانپ گیا۔ جب پہلی بار وہ عالیہ سے ملی تھی تو کتنی زندہ دل سی تھی۔ چیونگم چباتی' اپنی لیدر کی جیکٹ کی پاکٹوں میں ہاتھ ڈالے' وہ اسے کلاس روم سے باہر ملی تھی۔

"میں عالیہ ہوں۔" اس نے خود ہی اپنا تعارف کروایا تھا۔

"تم پہلے منہ ہاتھ دھو کے فریش ہو جاؤ پلیز' مما کیا سوچیں گی تمہاری یہ شکل دیکھ کر۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" وہ واش روم میں گھس گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر وہ باہر آئی تھی' تو آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اس نے جلدی جلدی بالوں میں برش کیا۔ ضویا اسے بالوں میں برش کرتی اور لپ اسٹک لگاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اب وہ قدرے بہتر لگنے لگی تھی۔ آئینے میں اپنا جائزہ لے کر وہ ضویا کی طرف مڑی۔

"اب ٹھیک ہے؟"

ضویا نے اثبات میں سر ہلا دیا' وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ ضویا یوں ہی ہاتھ

گود میں دھرے ساکت بیٹھی رہی۔

''یہ محبت کیا ہے؟ کیوں ہو جاتی ہے؟ آخر اس کے بغیر بھی تو گزارا ہو جاتا ہے۔ پھپھو کہہ رہی تھیں' میاں بیوی کے درمیان محبت کا رشتہ خود بخود تخلیق پاتا ہے۔ نکاح کے دو بولوں سے دونوں ایک دوسرے کیلئے جو جذبہ محسوس کرتے ہیں' وہ محبت میں ڈھل جاتا ہے۔ پھر بھلا عالی کو کیا ضرورت ہے اتنا تردد کرنے کی۔ کیا پتا اس کی شادی جس شخص سے ہوتی' وہ ابتسام سے کہیں اچھا ہوتا۔ پھر ابتسام ملک اگر عالیہ سے محبت نہیں کرتا' تو زبردستی محبت کروانے کا کیا فائدہ۔ جب جادو کا اثر ختم ہو تو کیا پتا یہ محبت بھی ختم ہو جائے۔''

اسے اپنی مثبت سوچ پر حیرت سی ہوئی۔

''میں بھی تو خسرو سے محبت کرنے لگی ہوں، میں بھی تو چاہتی ہوں کہ خسرو مجھ سے محبت کرنے لگے، میں نے بھی تو وہ تعویذ انیکسی کے باہر مٹی میں دبایا تھا۔ کیا پتہ وہ جو خسرو کو کچھ لوگوں نے پکڑ لیا تھا' تو وہ اس کی وجہ سے ہوا اور وہ جو عالیہ نے چینی پانی میں ڈالنے کو دی تھی اور ایک روز پھپھو کی نظر بچا کر میں نے پانی کے کولر میں ڈال دی تھی۔ عالیہ نے کہا تھا۔ یہ پانی پی کر خسرو میری طرف مائل ہوگا' پھپھو تو ہمیشہ سے ہی سب سے محبت کرتی ہیں۔ میں وہ تعویذ نکال کر پھینک دوں گی اور چینی ہاں وہ چینی.....''

اس نے بیڈ کی سائیڈ دراز کھول کر چھوٹی سی پڑیا نکالی اور ڈسٹ بن میں پھینک دی۔

''اگر خسرو کو کچھ ہو جاتا تو پھپھو کیا کرتیں؟ اگر خسرو مجھے پسند نہیں کرتے تو نہ سہی' مگر میں اب ایسا کچھ نہیں کروں گی۔'' اس نے سوچا اور دل جیسے کہیں پاتال میں گرنے لگا۔

''پتا نہیں کیوں میں خسرو کو نہیں دکھتی۔ حالانکہ عالیہ کہتی ہے' میرا حسن بہت قاتل ہے' اس سے شاید ہی کوئی بچ پائے۔ عالیہ ہی نہیں سب فرینڈز ہی کہتی ہیں کہ میں بہت خوبصورت ہوں۔'' وہ اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''پھر خسرو کیوں نہیں! کیوں نہیں میری طرف متوجہ ہوتا۔'' اب وہ آمنہ کی طرف بہت جانے لگی تھی۔ خسرو کی موجودگی میں بھی۔ خسرو اس سے بات بھی کرتا تھا اسے دیکھتا بھی تھا'

لیکن اس کی نظریں پیغام نہیں دیتی تھیں۔ وجود میں ہلچل نہیں مچاتی تھیں۔

''شاید عالیہ صحیح کہتی ہے کہ خسرو کہیں اور انٹرسٹڈ ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مجھے اگنور کرے۔''

اس نے یونہی بالوں کو ہاتھوں سے درست کیا اور ڈریسنگ ٹیبل کے پاس سے ہٹ گئی۔

''چلو..... بھئی۔ آنٹی نے اجازت دے دی۔'' اسی وقت عالیہ بہت خوش خوش اندر آئی۔

''ارے! تم تیار نہیں ہوئیں؟''

''میں ٹھیک ہوں ایسے ہی' تم نے مما سے کیا کہا؟''

''یہی کہ ایک دوست کے گھر جانا ہے سارا دن ادھر ہی رہیں گے شام کو گھر آ جائیں گے۔''

''مما نے پوچھا نہیں کون سی دوست؟''

''نہیں۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔ البتہ جب میں ان کے بیڈروم سے نکلی تو آواز دے کر بولیں۔ بہت دیر نہ کرنا۔ البتہ ٹی وی لاؤنج میں رابیل سے ملاقات ہوئی تھی تو اس نے پوچھا تھا کہ کون سی دوست۔ میں نے کہہ دیا' میری کزن ہے ابوظہبی سے آئی ہے تم نہیں جانتیں۔''

ضویا نے حیرت سے عالیہ کو دیکھا۔ وہ کتنی روانی سے جھوٹ بول لیتی تھی اور کس طرح برجستہ' ذرا بھی نہ گھبراتی جبکہ وہ عالیہ کے سکھانے کے باوجود کبھی بھی دھڑلے سے جھوٹ نہ بول پاتی، گھبرا جاتی تھی۔

''چلیں۔'' عالیہ کھڑی تھی۔

''چلو.....!'' ضویا نے ریک سے جوگرز نکال کر پہنے۔ عالیہ نے ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔

''تمہیں راستہ تو اچھی طرح پتا ہے نا۔ بھول تو نہیں جاؤ گی؟''

اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ضویا نے پوچھا۔

عالیہ نے محض اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ قصور کی طرف جا رہی تھیں۔ ضویا گھبرائی ہوئی تھی جبکہ عالیہ بہت پراعتماد اور مطمئن لگ رہی تھی۔ وہ خاصی ویران جگہ تھی۔ آس پاس کوئی آبادی نہ تھی۔ ضویا پر تو اردگرد کی ویرانی دیکھ کر گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی۔

''ڈرومت!'' عالیہ نے اسے تسلی دی۔

درختوں کے جھنڈ میں چھوٹی سی کٹیا بنی ہوئی تھی۔ باہر ایک منڈے ہوئے سر والا شخص بیٹھا تھا۔ تیل لگا سر دھوپ میں چمک رہا تھا۔ اس نے صرف ایک نظر عالیہ کی طرف دیکھا اور پھر دروازہ سے ہٹ گیا اندر جو کوئی بھی تھا قدرے اندھیرے میں تھا۔ ضویا نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ سامنے ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی' جو بند تھی البتہ چھت کے ساتھ چھوٹے چھوٹے روشن دان سے جو روشنی آ رہی تھی وہ ناکافی تھی۔ عالیہ اس کونے کی طرف بڑھ گئی جہاں کوئی چادر لپیٹے بیٹھا تھا۔ جبکہ ضویا چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ مٹی کی مٹکیاں، ہانڈیاں اور ڈولیاں وغیرہ۔ ایک طرف رکھی تھیں اور کمرے میں کوئی ہلکی سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک کونے میں ایک مورتی پڑی تھی۔ کیبل پر ڈرامے دیکھنے سے وہ یہ تو جان گئی تھی کہ اس بہت سارے ہاتھوں والی دیوی کی ہندو پوجا کرتے ہیں۔ اس مورتی کی یہاں موجودگی ظاہر کر رہی تھی کہ یہ شخص ہندو ہے۔ ایک طرف ایک ہانڈی میں کچھ جل رہا تھا اور اس میں سے ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ شاید وہ خوشبو اسی دھویں سے نکل کر پھیل رہی تھی۔ نیند طاری کرتی ہوئی سی خوشبو۔

عالیہ بہت آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہی تھی۔

وہ ایک طرف کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ شاید اس آدمی نے بھی کچھ کہا تھا لیکن ضویا ان دونوں کی آواز نہیں سن پا رہی تھی۔ پھر اس نے عالیہ کو اپنا پرس کھولتے اور ہزار ہزار کے نوٹوں کی گڈیاں اس کی طرف بڑھاتے دیکھا۔ پھر عالیہ اٹھ کر اس کے قریب آئی اور آہستگی سے پوچھا۔

''ضوئی! تمہارے لئے بات کروں؟''

ضویا کو اس کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی۔ اسے اپنے سر کے اوپر

کسی پرندے کے پروں کی پھڑپھڑانے کی آواز محسوس ہوئی لیکن شاید وہاں کوئی پرندہ نہیں تھا۔

''نہیں.....'' غیر ارادی طور پر اس کے ہونٹوں سے نکلا اور اس نے بہت مضبوطی سے عالیہ کا بازو پکڑ لیا۔

''آؤ چلیں۔'' عالیہ نے اس کے خوف کو محسوس کر لیا تھا۔

وہ یونہی اس کے بازو پر ہاتھ رکھے اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی کٹیا سے باہر نکل آئی۔ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر اس نے لمبے لمبے سانس لیے۔ یوں جیسے کسی قید سے رہا ہوئی ہو۔

''تھینک گاڈ!'' اس نے عالیہ کا بازو چھوڑ دیا۔

''تمہارا کام ہوگیا؟''

''ہاں! انہوں نے کہا کہ وہ جمعرات سے عمل شروع کر دیں گے۔''

''اور تم؟ تمہیں کیا کرنا ہے؟''

''مجھے کچھ نہیں کرنا۔'' عالیہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بتانے لگی۔

''جو کچھ کرنا ہے۔ انہوں نے خود ہی کرنا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر عمل کامیاب رہا تو اگلے چالیس دنوں میں کسی بھی روز اچانک میرے کمرے میں ایک یا دو بڑے بیر آ کر گریں گے اور اگر نہ گریں تو سمجھ لینا عمل کامیاب نہیں ہوا۔ پھر وہ ایک اور عمل کریں گے۔ بیر گرنے کے بعد مجھے وہ بیر لے کر ان کے پاس جانا ہے۔''

ضویا کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی پراسرار کہانی سن رہی ہو لیکن عالیہ بہت مطمئن اور پرسکون تھی۔ جیسے اسے یقین ہو کہ سب ٹھیک ہوگا۔ بالکل ایسے ہی جیسے اس شخص نے کہا تھا۔

''تم نے مورتی دیکھی تھی؟'' ضویا نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں..... یہ شخص ہندو ہے۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' عالیہ نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

''ہمیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے۔''

وہ گاڑی کے اندر بیٹھ چکی تھی۔ ضویا دوسری طرف سے آ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

چابی لگاتے ہوئے عالیہ نے ضویا کی طرف دیکھا۔

''میں نے تمہارے لئے بھی بات کی تھی ضویٰ! لیکن تم.....''

''ہاں میں.....'' ضویا کھوئی کھوئی سی تھی۔

''تم شاید پیسوں کی وجہ سے.....لیکن میں نے کہا تھا ان سے کہ معمولی سا کوئی عمل ہو کہ خسرو تمہاری طرف توجہ دینے لگے اور انہوں نے اس کیلئے کوئی رقم بھی نہیں مانگی تھی۔ بلکہ کہہ رہے تھے اتنی خوبصورت ناری سے کون ہے جو محبت نہ کرے گا وہ شخص بن رہا ہوگا' اپنی اہمیت جتانے کیلئے۔''

''مگر.....مگر میں تو ادھر کھڑی تھی اور وہ میری طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔''

''ایسے لوگوں کی ہزار آنکھیں ہوتی ہیں۔''

عالیہ ہنسی۔ وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔ شاید ابتسام کو پا لینے کا تصور ہی اتنا دل کش تھا کہ اس کی ساری اداسی ختم ہوگئی تھی اور یہ محبت' کیا ہوتی ہے یہ محبت.....کیسی جادوگر اور ظالم۔ لمحوں میں فسوں طاری کرتی کبھی ہنساتی کبھی رلاتی' کبھی ڈراتی ہوئی۔

محبت دشت فرقت میں
بنا رخت سفر چلتے
کسی مجذوب کے دل سے نکلتا ایک نوحہ ہے
محبت راستوں کے جال میں بھٹکا ہوا راہی
کسی کے بام پر ٹھہرا ہوا اک اجنبی چہرا
محبت خواب بن جائے تو تعبیریں نہیں ملتیں
محبت ایک بارش ہے
جو اک اک بوند کر کے تن سے من میں جب اترتی ہے
سریلے ساز بجتے ہیں انوکھے باب کھلتے ہیں

محبت جلتے تپتے راستوں پر پھیلتا سایہ
محبت موسموں کو حسن کا پیغام دیتی ہے

اسے بہت پہلے کہیں پڑھی ہوئی نظم یاد آ رہی تھی اور عالیہ گنگنا رہی تھی۔ ضویا سر جھٹک کر اس کی گنگناہٹ سننے لگی۔

☆ ☆ ☆

فروری کے آخری دن تھے۔ دھوپ گو تیز نہ تھی پھر بھی زیادہ دیر باہر بیٹھا نہ جا سکتا تھا لیکن عبداللہ بہت دیر سے دھوپ میں بچھی چارپائی پر بیٹھے تھے ان کے کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا وہ سر جھکائے پاؤں کے انگوٹھے سے زمین کرید رہے تھے۔ عبداللہ نے سر اٹھا کر خدیجہ کو دیکھا۔ یکا یک ہی ایک مرغی نے پر پھیلا کر اڑان بھری تو عبداللہ نے ہاتھ بڑھا کر اسے دبوچ لیا۔

''آج مرغی پکا لو۔''

خدیجہ نے ان کے ہاتھ سے مرغی پکڑ لی۔ ان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ کتنے سالوں بعد عبداللہ نے کوئی فرمائش کی تھی۔ بچپن میں کبھی کبھی بہت لاڈ سے خدیجہ بیگم سے مرغی کا شوربہ بنانے کی فرمائش کرتے اور تندوری روٹیوں کے ساتھ شوربے والی مرغی بہت شوق سے کھاتے تھے۔

''ابھی.....میں ابھی ذبح کروا کے لاتی ہوں حاجی سعید سے.....ابھی دکان پر ہی ہوگا۔'' خدیجہ بیگم خوشی سے بولیں۔

''شوربے والی کھائے گا نا۔''

''موٹے آٹے کا گڑ والا حلوہ بھی بنا لو۔''

اور خدیجہ بیگم کو لگا جیسے اللہ نے ان کی برسوں کی دعائیں سن لی ہوں۔ عبداللہ بیگانگی سے ہوش کی طرف پلٹ رہا تھا۔

ایک چولہے پر مرغی چڑھا کر وہ دوسرے پر آٹا بھوننے لگیں۔ حلوہ دم پر رکھ کر مرغی کے نیچے آگ دھیمی کر کے وہ اخروٹ کی گریاں لینے کیلئے باہر نکلیں تو عبداللہ کی چارپائی خالی تھی اور دروازہ تھوڑا کھلا ہوا تھا۔ جانے کب وہ باہر نکل گئے تھے۔

''آ جائے گا ابھی۔'' خدیجہ نے اپنے دل کو تسلی دی۔

''آخر خود ہی فرمائش کی ہے اور گڑ کے حلوے میں اخروٹ کی گریاں عبداللہ کو کتنی پسند ہیں۔ دوپٹے کے پلو سے پیسے کھولتے ہوئے وہ دیور کے بیٹے کو آواز دینے لگیں۔

تب ہی عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھ خسرو نے اندر صحن میں قدم رکھا۔ پورے صحن میں مرغی کے سالن دیسی گھی اور گڑ کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

''واؤ!'' عبدالرحمٰن نے نعرہ لگایا۔

''لگتا ہے۔ اماں کو ہمارے آنے کی خبر پہلے ہی ہوگئی تھی۔''

خدیجہ نے مڑ کر عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھ کھڑے خسرو کو دیکھا۔

''اماں جی! کیسی ہیں آپ؟'' عبدالرحمٰن نے ہمیشہ کی طرح خدیجہ بیگم کے گرد اپنے بازو حمائل کرتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام کر انہیں چوما۔

''یہ خسرو ہے میرے دوست کا بھائی' اژمیر کا۔''

اس نے خسرو کا تعارف کروایا۔ خسرو نے ادب سے سلام کیا۔ خدیجہ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا لیکن ان کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش تھی۔

''آپ نے آج مرغی پکائی ہے۔'' عبدالرحمٰن نے ناک سکیڑ کر صحن میں پھیلی خوشبو کو اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا اور دیسی گھی میں بنا گڑ کا حلوہ بھی۔ سچ بتائیں کیا آپ کو الہام ہوگیا تھا کہ میرے ساتھ مہمان آ رہا ہے؟''

''مجھے۔'' پہلے خدیجہ بیگم کی آنکھیں نم ہوئیں۔ پھر ان سے جھر جھر چشمے پھوٹ پڑے۔ وہ وہیں صحن میں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگیں۔

''کیا ہوا..... کیا ہوا جو عبداللہ..... پاگل' دیوانہ یا مجذوب ہے۔'' وہ روتے ہوئے دھیرے دھیرے بول رہی تھیں اور باہر صحن کے دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ خدیجہ بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے رکھتے حیران ہو کر عبدالرحمٰن پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ خسرو حیران کھڑا انہیں روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

خسرو کو اپنا سر پھٹتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اپنے سرہانے یونہی الٹ کر رکھ دی۔ پورے جسم میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ صبح سے اب تک اس نے تین ٹیبلٹس کھائی تھیں۔

لیکن درد میں افاقہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے درد کی شدت میں اضافہ ہی ہوا ہو۔ اور یہ درد پچھلے دو ماہ سے ہو رہا تھا۔ کبھی ہلکا کبھی زیادہ اور درد کے ساتھ ہی دل پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی تھی۔ کئی بار تو وہ رات کو اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا۔ کمرے میں زیادہ دیر گھبراہٹ ہوتی تھی۔ سر بوجھل بوجھل لگتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید کام کی زیادتی کی وجہ سے ہو۔ پچھلے دنوں وہ بہت مصروف رہا تھا۔ ایس پی ممتاز چوہدری نے آئی جی سے اسے خصوصی اجازت دلوا دی تھی اور اس نے اس سارے عرصے میں سید و شریف اور اس کے آس پاس کے گاؤں اور دیہی علاقوں میں ان جادو ٹونا کرنے والوں کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔

ان کالا جادو اور سفلی عمل کرنے والوں کی وجہ سے ڈبہ پیروں اور جھوٹے عاملوں کا کاروبار بھی خوب چل رہا تھا۔ ہر گلی کوچے میں ان کے اشتہار لگے تھے اور بھولے بھالے عوام کو خوب لوٹ رہے تھے۔ حقیقی عامل کون تھا۔ یہ جاننا اور پہچاننا بہت مشکل تھا۔ وہ اس سلسلے میں بھی کئی لوگوں سے ملا تھا لیکن کہیں بھی اس کا یقین ٹھہرا نہیں تھا۔ ہر جگہ فراڈ دھوکا۔ حتیٰ کہ کئی بڑے بزرگ صورت اشخاص سے بھی ملاقات ہوئی۔ جو قرآنی آیات سے جادو کا توڑ کرتے تھے لیکن جب ان کے کارندوں کو رقم وصول کرتے دیکھا تو خسرو کا دل برا ہوگیا۔

ایک شخص نے خسرو کو تھوڑا متاثر کیا تھا۔

وہ ایک عمر رسیدہ شخص تھا۔ سفید داڑھی۔ ماتھے پر سجدوں کا نشان۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ پچھلے کئی سالوں سے اس جادو ٹونے کے خلاف کام کر رہا ہے اور ایک کتاب بھی لکھی ہے لیکن وہ یہ کتاب چھپوا نہیں پا رہا۔ کیونکہ اس کو چھپوانے کی راہ میں باطل قوتیں حائل ہو رہی ہیں۔

''لیکن کیوں..... کیا ہے اس کتاب میں؟''

''جادو کی حقیقت..... اہم راز' موکلوں کے متعلق' جادو کرنے والے اور کرانے والے کے متعلق احادیث اور قرآن کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ یہ لوگ جہنمی ہیں۔ پھر میں نے مختلف آیات سے اس کا توڑ بتایا ہے۔ لیکن یہ باطل قوتیں کتاب چھپنے نہیں دے رہیں۔ مجھ پر حملے کرتی ہیں۔ میں نے اگر اپنے گرد آیت الکرسی کا حصار نہ بنا رکھا ہو تو یہ ہلاک کر دیں گے مجھے۔''

''اور تم.....'' وہ مسکرائے۔

''تم پر بھی یہ باطل قوتیں حملہ کر سکتی ہیں۔ آیت الکرسی پڑھ کر اپنے گرد حصار بنا لیا کرو۔''

خسرو نے ان کی باتوں پر کچھ یقین کیا تھا' کچھ نہیں۔ رات کو سونے سے پہلے آیت الکرسی پڑھنے کی اس کی بچپن سے عادت تھی۔

بہر حال سید و شریف اور اس کے گرد و نواح میں یہ آپریشن کلین اپ اس کے خیال میں کامیاب رہا تھا۔

لاہور' راولپنڈی' فیصل آباد میں آرمی اس آپریشن کلین اپ میں مصروف تھی اور اسعد کا اخبار یہ ساری خبریں چھاپ رہا تھا۔ ابرار علی شاہ کی کوششوں سے اسے دوبارہ تھانہ سمن آباد میں تعینات کر دیا گیا تھا اور کل اسے چارج لینا تھا۔ وہ ایک دن قبل ہی سید و شریف سے آیا تھا۔

''اف!'' اس نے بوجھل ہوتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبایا اور پھر آنکھیں موندتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے عبداللہ آ گئے۔ عبدالرحمٰن کے بابا عبداللہ۔

عبدالرحمٰن اسے اچانک ہی مل گیا تھا وہ اپنے ایک اے ایس آئی کے والد کی تعزیت کے لئے اس کے گاؤں گیا تھا۔ جب وہ واپس آ رہا تھا تو اسے لاری اڈے کی طرف سے عبدالرحمٰن آتا دکھائی دیا۔

''ارے خسرو بھائی آپ!'' عبدالرحمٰن اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا اور پھر اس

نے خسرو کی ایک بات نہیں سنی۔

''آپ اس طرح میرے گاؤں سے نہیں جا سکتے آپ ہمارے پاس رہیں۔''

اور وہ عبدالرحمٰن کے خلوص سے مجبور ہو گیا تھا اور پھر خدیجہ بیگم کا رونا۔

اور مولوی ثناء اللہ کی آمد۔

وہ مولوی ثناء اللہ سے بہت متاثر ہوا تھا۔ ان کے دل میں اسلام کا درد تھا۔ وہ مسلمانوں کی بہتری چاہتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کی مذہب سے دوری بے حد تکلیف دیتی تھی۔

انہوں نے بتایا تھا کہ وہ انگلینڈ واپس جا رہے تھے تو ان کا بے اختیار جی چاہا کہ وہ عبداللہ سے ملیں۔

خدیجہ بیگم کچے صحن میں زمین پر بیٹھی رو رہی تھیں جب عبدالرحمٰن مولوی ثناء اللہ کا ہاتھ پکڑے آیا تھا۔

''اماں جی! دیکھیے ایک اور مہمان۔''

خدیجہ بیگم نے سر اٹھا کر مولوی ثناء اللہ کو دیکھا اور آنسو پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''کیسے ہو پتر؟'' وہ دل ہی دل میں ان کی احسان مند تھیں کہ اس روز انہوں نے عبداللہ کو ان ظالموں سے بچایا تھا۔

''اماں! آج تو آپ کے گھر میں رحمتیں اتر آئی ہیں۔'' عبدالرحمٰن نے مسکراتے ہوئے ایک بازو ان کے گرد حمائل کیا۔

''اور مولوی جی! میری اماں کو تو جیسے پہلے ہی خبر ہو گئی تھی کہ گھر میں مہمان آنے والے ہیں۔''

''مجھے نہیں..... عبداللہ..... عبداللہ نے کہا تھا۔ مرغی بنا لو۔'' خدیجہ بیگم کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''کیا' بابا نے؟'' عبدالرحمٰن کو حیرت ہوئی۔

''ہاں!' خدیجہ بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور وہ خود کہاں ہیں؟''

''پتا نہیں کہاں نکل گیا۔'' خدیجہ بیگم کے چہرے پر افسردگی تھی۔

''میں سمجھی شاید اس کا جی چاہ رہا ہے مجھے کیا پتا تھا.....''

وہ بات ادھوری چھوڑ کر ثناء اللہ اور خسرو کو دیکھنے لگیں۔

''بیٹھ بیٹا! عبدالرحمٰن پتر! اندر بیٹھک میں جا کر بیٹھو میں چائے بناتی ہوں۔''

''نہیں اماں! ابھی کھانے کا وقت ہے۔ پہلے کھانا کھائیں گے۔ پھر چائے۔''

عبدالرحمٰن اسے اور مولوی ثناء اللہ کو بیٹھک میں لے آیا۔

''میں تو بابا عبداللہ سے ملنے آیا تھا۔'' مولوی ثناء اللہ نے عبدالرحمٰن سے کہا۔

''میں ابھی دیکھتا ہوں۔ وہ باہر ہی کہیں ہوں گے۔''

عبدالرحمٰن کے جانے کے بعد خسرو نے مولوی ثناء اللہ سے باتیں کیں تو بہت حیران ہوا کہ وہ لوگ ایک غیر ملک میں رہ کر اسلام کیلئے کام کر رہے ہیں۔ پھر بھی اس کا کچھ اثر کیوں نہیں ہو رہا۔ دنیا میں چاروں طرف مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے انہیں دبایا جا رہا ہے۔ بہت دنوں سے یہ سوال خسرو کے دل میں تھا۔ مولوی ثناء اللہ کی علمیت سے متاثر ہو کر وہ پوچھ بیٹھا تو مولوی ثناء اللہ مسکرائے۔

''ہمارا کام تو محض کوشش کرنا ہے۔ اسباب کی تاثیر مشیت الٰہی سے مشروط ہے کہ بغیر مشیت الٰہی کے تنہا اسباب کچھ نہیں کر سکتے۔ مشیت اسباب کی محتاج نہیں وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔''

''تو کیا اللہ.....؟''

''ہاں.....!'' مولوی ثناء اللہ نے خسرو کو بات مکمل نہیں کرنے دی۔

''لیکن سوچنے کی بات یہ ہے خسرو شاہ کہ کیوں؟ کیوں ہماری دعاؤں میں تاثیر نہیں رہی۔ کیوں اللہ ہم سے ناراض ہے کیوں ہمارے جذبے ہماری کوششیں بے اثر جا رہی ہیں۔ کئی سالوں سے کشمیر میں، فلسطین میں لوگ شہید ہو رہے ہیں ان کا لہو کیوں

رائیگاں جا رہا ہے۔ کچھ تو ہے نا، کہیں تو کجی ہے۔''

خسرو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ایمان کی کمزوری، جھوٹ، فریب، منافقت، حسد، لالچ، ہوس، دکھاوا یہ سب مل کر اسلامی معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ خسرو نے مولوی ثناء اللہ کو اپنے اس آپریشن کلین اپ کے متعلق تفصیل بتائی تو انہوں نے اسے سراہا۔

''یہ بہت اچھی بات ہے خسرو میاں! سچ تو یہ ہے کہ اس بار میں پاکستان آ کر بہت مایوس ہوا۔ ایک زمانہ تھا کہ میرے عربی، فلسطینی، مصری دوست کہتے تھے کہ پاکستان وہ واحد ملک ہے جہاں اسلام سب سے زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ اسلامی اقدار کی پابندی جتنی یہاں کی جاتی ہے اور کہیں نہیں اور پاکستانی عورت میں جتنی حیا اور وفا ہے وہ دنیا کے کسی ملک کی عورت میں نہیں۔ تو مجھے اپنے پاکستانی ہونے پر فخر محسوس ہوتا تھا۔ لیکن اس بار میں نے دیکھا کہ لباس سے لے کر ثقافت تک زندگی کے ہر عمل میں سے اسلامی رنگ رخصت ہوتا نظر آ رہا ہے۔ پاکستانی عورت کو دیکھ کر دل ایک لمحہ کو شک میں پڑ جاتا ہے آیا یہ لڑکی ہندوستانی ہے کہ پاکستانی۔

خسرو شاہ! تمام مخلوقات میں سے انسان سے زیادہ کمزور کوئی مخلوق نہیں۔ لیکن باوجود اس کے، وہ خدا کی نافرمانی کرنے میں سب سے زیادہ جری اور بہادر ہے اور پتا نہیں وہ وقت کب آئے گا جب.....''

عبدالرحمٰن کچھ دیر بعد آیا تو اس کے ساتھ عبداللہ نہیں تھے۔ مولوی ثناء اللہ کو مایوسی ہوئی۔

''بابا عبداللہ نہیں ملے کیا؟''

''ملے تو ہیں لیکن وہ حاجی سعید کی بیٹھک میں بیٹھے ہیں۔ حاجی صاحب نے کہا ہے کہ میں جاؤں مہمانوں کے پاس۔ وہ لے آئیں گے انہیں۔''

پھر کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ گرم گرم تندوری روٹی کے ساتھ دیسی مرغی کے سالن نے بہت مزہ دیا، اس پر میٹھے کے طور پر موٹے آٹے کا حلوہ دیسی گھی اور گڑ میں بنا ہوا۔ خسرو اور مولوی ثناء اللہ دونوں نے ہی بہت شوق سے اور پیٹ بھر کر کھایا

تھا۔ خدیجہ بیگم کی آنکھوں کے رنگ بجھے ہوئے تھے۔ ذرا سی دروازے پر آہٹ ہوتی تو وہ بے اختیار کہہ اٹھتیں۔

''عبداللہ آ گیا شاید۔''

شام ہونے کو تھی جب مولوی ثناءاللہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں حاجی صاحب کے گھر میں ہی ان سے ملاقات کر لیتا ہوں۔''

خسرو بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ''چلئے میں بھی چلتا ہوں میرے پاس سرکاری گاڑی ہے۔ شہر تک اکٹھے چلتے ہیں۔''

تب ہی عبداللہ نے گھر میں قدم رکھا۔

ننگے پاؤں' سر جھکائے' کرتے کے بٹن کھلے ہوئے۔ خدیجہ بیگم لپک کر ان کی طرف آئیں۔

''کھانا لاؤں عبداللہ.....؟''

لیکن عبداللہ جواب دیئے بغیر صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئے تو مولوی ثناء اللہ آگے بڑھے۔

''السلام علیکم' کیسے ہیں آپ؟ آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تھا۔ ایک دو روز تک واپسی ہے۔'' عبداللہ نے سر اٹھا کر بس ایک نظر انہیں دیکھا۔

''ایک درخواست ہے۔ ہمارے لیے' ہم مسلمانوں کیلئے دعا کیجئے۔''

''دعا.....'' عبداللہ کے ہونٹ کھلے۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔

''تو خود کیوں نہیں کرتا دعا۔''

''ہماری دعاؤں میں تاثیر نہیں رہی۔''

''تو تاثیر پیدا کرو..... گڑگڑا کر..... مانگو.....''

تب ہی ان کی نگاہ خسرو پر پڑی تو وہ خاموش ہو کر اسے گھورنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں ایک دم وحشت اتر آئی تھی۔

''بابا! یہ خسرو بھائی ہیں۔ میرے دوست کے بڑے بھائی' لیکن عبداللہ نے

جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔ وہ تیر کی طرح اٹھ کر خسرو پر جھپٹے تھے۔

خسرو یکدم دو قدم پیچھے ہٹ گیا لیکن وہ خسرو کو نہیں دیکھ رہے تھے بلکہ خسرو کے دائیں بائیں جیسے کسی نادیدہ چیز پر جھپٹ رہے تھے۔ یوں جیسے ہاتھوں سے اسے دھکیل رہے ہوں اور ان کے منہ سے گالیاں نکل رہی تھیں۔ خسرو حیران کھڑا تھا جبکہ مولوی ثناءاللہ بہت غور سے ان کی حرکات دیکھ رہے تھے۔

عبدالرحمٰن حیرت سے باہر نکلا تو اس نے آگے بڑھ کر انہیں اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔ لیکن وہ مچل مچل کر اس کے بازوؤں سے نکل کر خلا میں ہاتھ چلا رہے تھے۔ ان کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے عبدالرحمٰن انہیں بازوؤں میں لیے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ہولے ہولے وہ پرسکون نظر آنے لگے۔ خدیجہ بیگم پانی کا گلاس بھر کر لے آئیں۔

''لے..... لے پتر' پانی پی لے۔ عبداللہ صبر کر پتر۔''

انہوں نے پانی کا گلاس ان کے منہ سے لگا دیا۔

انہوں نے ایک ہی گھونٹ میں سارا گلاس خالی کر دیا۔

خدیجہ نے اپنے دوپٹے کے پلو سے ان کا منہ پونچھا۔

''روٹی لاؤں عبداللہ! مرغی پکائی ہے' تو نے کہا تھا نا۔''

اور پھر عبداللہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ روٹی لینے چلی گئیں تو مولوی ثناء اللہ نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگائے اور انہیں بوسہ دیا۔

''آپ دعا ضرور کرنا مسلمانوں کیلئے۔ اپنے نبی ﷺ کی امت کیلئے۔''

عبداللہ کے چہرے کا رنگ بدلا پہلے سرخ ہوا پھر سفید پڑ گیا۔ خسرو کو کھڑے کھڑے لگا کہ پچھلے کئی دن سے جو اس کا سر جکڑا ہوا تھا ایک دم جیسے کسی نے اس کے سر سے بوجھ اتار دیا ہو اور وہ ہلکا پھلکا سا ہو گیا ہو۔

''اب اجازت دیجئے۔'' مولوی ثناء اللہ کھڑے ہو گئے۔ خسرو نے بھی عبدالرحمٰن سے اجازت چاہی۔

خدیجہ بیگم کھانا ٹرے میں لگا کر لائیں تو عبداللہ نے اس میں سے روٹی کا ایک ٹکڑا توڑ لیا اور ہاتھوں میں لے کر کھڑے ہوئے اور سوکھی روٹی کھانے لگے۔ سالن کی طرف انہوں نے دیکھا تک نہیں تھا۔ دو تین نوالے توڑ کر انہوں نے بقایا روٹی ٹرے میں رکھ دی پھر مولوی ثناءاللہ کی طرف دیکھا۔

''تو دعا کروں میں۔ ہاں دعا کروں۔ میں دعا کروں اور تم کچھ نہ کرو۔ میں اس سے لڑتا رہوں' لڑلڑ کر مناؤں' جوڑوں' بناؤں اور تم توڑ دو' سب تباہ کر دو' آگ لگا دو' ہیں۔''

انہوں نے مولوی ثناءاللہ کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھا کر چند لمحے بعد پھر نیچے گرا دیے۔

''تو کہتا ہے نا کہ اسباب کی تاثیر مشیت کے ساتھ مشروط ہے تو پھر کیوں نہیں راضی کرتا اسے' کیوں نہیں مناتا اسے۔''

''کیسے' کیسے مناؤں بابا جی؟'' مولوی ثناءاللہ کی آواز بھرا گئی۔ پلکیں بھی نم ہو گئی تھیں۔

''کیسے راضی کروں؟''

''میں تو خود نہیں جانتا۔ کیسے راضی کروں۔''

عبداللہ کے چہرے پر بے بسی سی نظر آئی پھر آنکھیں برسنے لگیں۔ پہلے سسکیاں' پھر چیخیں۔ وہ تڑپ تڑپ کر رو رہے تھے مچل رہے تھے۔ عبدالرحمٰن اور خدیجہ بیگم انہیں سنبھال رہے تھے۔

خسرو پر اس واقعہ کا کئی دن تک اثر رہا۔ راستے میں مولوی ثناءاللہ نے انہیں عبداللہ کے متعلق بتایا تھا۔

''اس شخص کی دیوانگی میں بھی کچھ ہے۔ کبھی کبھی ایسی بات کر جاتا ہے کہ حیران کر دیتا ہے۔ عبدالرحمٰن نے مجھے بتایا تھا کہ بابا عبداللہ جوانی سے ہی شب بیدار تھے پھر پتا نہیں کیا ہوا کبھی کبھی انسانی دل و دماغ اور وجود اتنا بوجھ نہیں سہار پاتا شاید اس لیے۔ لیکن مجھے ان کے پاس اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت محسوس ہوئی اور تم خسرو! پہلی فرصت

میں کسی بزرگ اور اچھے عامل کے پاس جاؤ۔ مجھے ان کے رویے سے گمان گزرا ہے کہ تم پر کچھ اثر ہے۔ شاید کسی نے کچھ کروایا ہے۔ کوئی دشمن ہے تمہارا.....؟''

''نہیں تو۔'' خسرو کو حیرت ہوئی۔

''کوئی تکلیف؟''

''بس ایک ماہ سے سر میں درد رہتا ہے اور کندھے ٹوٹتے سے محسوس ہوتے ہیں جیسے کسی نے ان پر منوں بوجھ لاد رکھا ہو۔''

''ہوں..... آیت الکرسی اور چاروں قل پڑھا کرو۔''

مولوی ثناءاللہ نے ہدایت کی اور تب ہی خسرو کو لگ رہا تھا وہ جو کچھ دیر پہلے عبدالرحمٰن کے گھر میں اسے اپنا سر ہلکا پھلکا محسوس ہوا تھا۔ اب پھر بوجھل ہو رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

''خسرو بیٹا! کیسی طبیعت ہے۔ سر کا درد کچھ ہلکا ہوا؟''

آمنہ نے کمرے کے دروازے پر کھڑے کھڑے پوچھا تو خسرو نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

''نہیں۔ بلکہ درد جیسے بڑھ گیا ہے۔''

''بیٹا! کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ کہیں کچھ اور مسئلہ نہ ہو۔ وہ پریشان ہو کر اندر چلی آئیں۔''

''جی ذرا طبیعت بہتر ہوتی ہے تو نکلتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''کھانا کب تک کھاؤ گے؟''

''ابھی جی نہیں چاہ رہا۔''

''لیکن ناشتے میں بھی تم نے صرف چائے پی کر اسپرین کھالی تھی۔ اب تو کچھ کھالو۔''

''ٹھیک ہے' جب آپ کا موڈ بنے کھانے کا تو اس وقت میں بھی کھالوں گا۔'' وہ مسکرایا۔

''اور ماموں جان کی طرف بھی چلے جانا۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں پہلے نہالو۔

فریش ہو جاؤ گے تو شاید سر کا درد بھی کم ہو جائے۔''

''جی' میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''میں کپڑے نکال دیتی ہوں۔''

''نہیں امی جان! میں خود نکال لیتا ہوں۔'' وہ شرمندہ ہو گیا۔

''آپ آئیں ادھر میرے پاس آ کر بیٹھیں اور سنائیں' کیا حال ہے آپ کی بھتیجی اور بھابھی کا؟''

''ٹھیک ہیں۔ سچی خسرو! ضویا نے اس بار میرا بہت خیال رکھا۔ گھر میں تھی تو اکثر میرے پاس چلی آتی تھی بلکہ کئی بار تو یہیں سو جاتی تھی۔'' وہ خوش خوش بتانے لگیں۔

''میں سمجھتی تھی ضویا کا مزاج اپنی ماں پر پڑا ہے۔ لیکن اب اندازہ ہوا کہ وہ مزاجاً اپنی ماں سے بہت مختلف ہے۔ شاید فطرتاً کم گو ہے۔''

''چلیں اچھا ہے۔ آپ کی تنہائی کا علاج ہو گیا۔''

''لیکن یہ مستقل علاج نہیں ہے۔ کل کو ضویا کی شادی ہو گئی تو..... یوں بھی بھابی کہہ رہی تھیں کہ ضویا بی۔ اے کر لے تو وہ اس کی شادی کر دیں گی۔ ایک دو رشتے آئے ہیں اس کے.....'' انہوں نے ذرا رک کر خسرو کی طرف دیکھا۔

''میرا تو بڑا دل چاہتا ہے کہ ضویا تمہاری دلہن بنے۔ بچپن سے میرا خیال تھا۔ بہت پیاری لگتی تھی مجھے۔ لیکن اب پتا نہیں تمہاری کیا مرضی ہے۔ تم نے پھر کچھ بتایا بھی نہیں۔ حالانکہ کہا بھی تھا۔''

خسرو حیران سا انہیں دیکھنے لگا۔

''آپ نے ضویا کو میرے لئے پسند کیا ہے جبکہ ممانی جان کا پتا ہے آپ کو؟''

''ہاں لیکن دل میں پیدا ہونے والی آرزوئیں تو یہ سب نہیں سوچتیں۔ یہ آرزو تو اس روز میرے دل میں پیدا ہوئی تھی جب ہاسپٹل میں نرس نے آ کر ضویا کی خبر دی تھی۔''

''امی جان!'' خسرو سنجیدہ ہو گیا۔

''اگر آپ کی آرزو پوری نہ ہو' اگر میں ایسا نہ چاہوں تو.....؟''

''تو..... تمہاری آرزو اور خواہش تو مقدم ہے بیٹا! میں نے تو اپنی خواہش بتائی تھی تمہیں۔''

''آپ کو عمارہ کیسی لگتی ہے؟''

''بہت اچھی' بہت پیاری۔ اگر میرے دو بیٹے ہوتے تو ایک کو عمارہ سے بیاہتی اور دوسرے کو ضویا سے۔''

''لیکن اب تو آپ کا ایک ہی بیٹا ہے' اب آپ کیا کریں گی؟'' خسرو نے مسکرا کر آمنہ کی طرف دیکھا۔

''میرے لیے میرے بیٹے کی خوشی سب سے اہم ہے۔ چاہے اس کی خوشی کہیں بھی ہو۔ بیٹا! زندگی تو تم نے گزارنی ہے۔''

''اوہ مائی سویٹ مام!'' خسرو نے محبت سے ان کے گرد بازو حمائل کیے

''میرے لیے' آپ کی آرزو اور خوشی بہت محترم ہے لیکن زندگی کے ساتھی کا جو تصور میرے ذہن میں ہے عمارہ بالکل ویسی ہی ہے۔ سادہ' باوقار' مخلص' محبتوں سے گندھی' سب کا خیال رکھنے والی۔''

''تو میں آج ہی بات کرتی ہوں عفت اور حامد بھائی سے۔''

آمنہ یکدم خوش ہو گئیں۔

''عمارہ واقعی بہت اچھی لڑکی ہے مجھے یقین ہے تم بہت خوش رہو گے۔ اور یقیناً حامد بھائی اور عفت کو بھی اعتراض نہیں ہو گا۔ تم مجھے آج لے چلنا ادھر.....''

''ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' خسرو مسکرایا۔

''میں بھی یہاں ہوں اور عمارہ بھی یہیں ہے۔''

''ہاں' لیکن جتنی جلدی ممکن ہو میں عفت کے کان میں بات ڈال دوں تو اچھا ہے۔ آج کل عمارہ کے ایک دو رشتے آئے ہوئے ہیں۔''

خسرو کو ایک لمحہ کے لیے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ مسکرا دیا ''ٹھیک ہے میں لے چلوں گا لیکن کل۔''

یک دم سر میں درد کی شدید لہر سی اٹھی اور خسرو نے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیوں کو دبایا تو آمنہ نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔

''میں کھانا لگاتی ہوں۔تم کھانا کھا کر ابھی ڈاکٹر کی طرف چلے جاؤ۔خسرو بیٹا! لاپروائی مت کرو۔اتنے دن ہو گئے لیکن یہ درد کیوں نہیں ختم ہو رہا۔''

''جی اچھا.....''

''آج تمہارے ماموں سے بھی بات کرلوں گی کہ میرا ارادہ عمارہ کے لئے ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''جیسے آپ کی مرضی۔'' خسرو بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں باتھ لے لوں۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔تم نہالو۔میں کھانا گرم کرتی ہوں۔''

آمنہ کچن میں چلی گئیں اور خسرو باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے سوچنے لگا کہ جب عمارہ کو علم ہوگا تو اس کا ردعمل کیا ہو۔وہ روئی روئی سی گلہ کرتی آنکھیں اس کے تصور میں آئیں تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

''زندگی یقیناً تمہارے سنگ بہت خوبصورت ہوگی عمارہ! بالکل میرے تصور کی طرح بہت خوبصورت اور میں بہت خوش قسمت ہوں گا کہ مجھے تمہاری رفاقت ملے گی۔ اس کے اندر اس رفاقت کے تصور نے چراغاں سا کر دیا۔یہاں وہاں ہر جگہ دیئے جل اٹھے تھے۔

☆ ☆ ☆

''آپی آپ کو پتا ہے خسرو بھائی واپس لاہور آ گئے ہیں۔'' مازیہ نے عمارہ کو کمرے سے باہر آتے دیکھ کر بتایا۔

''ہاں!'' اس نے ہاتھوں سے بالوں کو پیچھے کیا۔وہ ابھی گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی۔حالانکہ وہ دن میں سونے کی عادی نہ تھی لیکن پتا نہیں کیوں کھانا کھا کر وہ یونہی ذرا آرام کرنے کو لیٹی تو نیند آ گئی۔

''اژمی نے رات کو بتایا تھا کہ خسرو واپس آ گئے ہیں۔''

وہ مازیہ کے پاس ہی بیٹھ گئی۔وہ صحن میں نیچے کارپٹ پر اپنے ارگرد کتابیں بکھرائے بیٹھی تھی۔چند روز تک اس کے فرسٹ ایئر کے پیپر ہونے والے تھے۔

''اور اہم خبر یہ ہے کہ ممانی جان جلد ہی خسرو بھائی کی منگنی اور شادی کرنے والی ہیں۔یعنی چٹ منگنی پٹ بیاہ۔''

''اچھا!'' عمارہ کا دل ڈوب کر ابھرا۔

''کس سے.....؟ کیا ضویا سے؟''

''پتا نہیں۔'' مازیہ نے کندھے اچکائے۔''لیکن اسعد بھائی اور اژمی باتیں کر رہے تھے۔امی جان سے کہ ممانی جان اب جلد ہی خسرو کی شادی کرنا چاہتی ہیں اور یہ بھی کہ خسرو بھائی شادی سے پہلے اپنے گھر منتقل ہو جائیں گے اور انہوں نے کرایہ داروں سے دو ماہ تک گھر خالی کرنے کو کہہ دیا ہے۔''

''شادی اپنے گھر میں کریں گے؟'' وہ کھوئی کھوئی سی تھی۔

''یہ صحیح ہے۔ورنہ ضویا اپنے ہی گھر سے رخصت ہو کر اپنے ہی گھر کی انیکسی میں جائے۔کچھ عجیب سا نہیں لگے گا۔کچھ تو مختلف ہونا چاہئے نا۔''

مازیہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

''لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ خسرو بھائی کی شادی ضویا سے ہی ہو رہی ہو۔ کوئی اور لڑکی بھی تو ہو سکتی ہے ان کی پسند کی۔میں تو کہہ دوں گی ممانی جان سے کہ میرے پیپرز کے بعد سارے فنکشنز رکھیں۔''

''ہاں تم بات کر لینا ممانی جان سے۔وہ تمہاری بات نہیں ٹالیں گی۔''

''تو اور کیا بھلا میرے بغیر ان کی منگنی ہو سکتی ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''بعض اوقات ایسا ہوتا نہیں مازی! جیسا ہم سوچتے ہیں۔ہماری امیدیں اور توقعات ہمیں بہت دکھ دیتی ہیں۔ہو سکتا ہے تمہارے بغیر بھی.....''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' مازیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''اتنا مان اچھا نہیں ہوتا گڑیا۔ٹوٹے تو بہت دکھ پہنچتا ہے۔'' اس کی دلکش آنکھوں میں اداسی کے رنگ بہت گہرے تھے۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے آپی؟'' مازیہ نے بغور اسے دیکھا۔

''اوہ ہاں!'' وہ چونکی اور اس نے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی۔

''کیا آپ کو خسرو بھائی کی کسی بات سے رنج پہنچا ہے؟'' مازیہ نے پوچھا۔

''نہیں تو..... میں تو یونہی ایک عام سی بات کر رہی تھی۔ دوسرے کے دل کی تمہیں کیا خبر مازی! کیا پتا تم اس کے لیے اتنی اہم نہ ہو جتنا تم سمجھتی ہو کہ تم اس کیلئے ہو۔''

''کسی دوسرے کے دل کی مجھے خبر ہو یا نہ ہو لیکن یہ کسی دوسرے کے دل کی بات نہیں ہے' خسرو بھائی کے دل کی بات ہے اور مجھے اس کی خوب خبر ہے۔''

''اچھا!'' عمارہ طنز سے مسکرائی۔

''تب ہی تو تمہیں ان کی پسندیدہ لڑکی کا نام معلوم ہے۔''

''یہ الگ بات ہے۔ لیکن اس سے میرے مان کا کیا تعلق ہے؟''

''تم اگر انہیں عزیز ہوتیں تو وہ کم از کم تم سے اس لڑکی کا ذکر تو ضرور کرتے جس سے وہ منگنی کرنے جا رہے ہیں۔''

''وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے اسعد بھائی کرتے ہیں اور رہی لڑکی کی بات تو آج رات ممانی جان اور خسرو بھائی آ رہے ہیں۔ پتا چل ہی جائے گا لیکن آپ کیا.....'' اس نے ایک گہری نظر عمارہ پر ڈالی۔

''آپ خسرو بھائی کو پسند کرتی ہیں؟''

''عمارہ' مازیہ کی بات پر چونکی لیکن اس نے مازیہ کی طرف دیکھا نہیں۔

''خسرو ہمارے ماموں کے بیٹے ہیں مازیہ! انہیں ناپسند کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔''

''ہاں لیکن میرا مطلب دوسرا تھا اور آپ سمجھ بھی گئی ہیں میرا مطلب' لیکن مجھے ٹالنا چاہتی ہیں۔ میں بہت دنوں سے آپ کو اداس اور چپ چپ دیکھ رہی ہوں۔ شاید تب سے جب ممانی جان نے خسرو بھائی کی پسند کا ذکر کیا۔ میں نے بھی کئی بار سوچا کہ کاش ان کی پسندیدہ لڑکی آپ ہی ہوں۔ اس روز آپ کے ساتھ کھڑے وہ بہت اچھے لگ رہے تھے اور میں نے دل ہی دل میں دعا بھی کی تھی کہ کتنا اچھا ہوا گر خسرو بھائی اور آپ..... لیکن

سب دعائیں قبول تو نہیں ہوتیں آپی! تو پھر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم اپنے پیاروں سے خفا ہو جائیں۔ ہمیں تو ان کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے۔ ہمیں خسرو بھائی سے کتنا پیار ہے اور وہ بھی ہم سب کا کتنا خیال رکھتے ہیں کتنی محبت کرتے ہیں ہم سب سے۔

یاد ہے بچپن میں جب ایک بار اژمیر چھت سے گر پڑا تھا اور اس کا بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا تو خسرو بھائی ایک بوتل خون دینے کے بعد بھی بار بار ڈاکٹر سے کہتے رہے تھے کہ ان کا سارا خون لے لیں تاکہ اژمی صحت مند ہو جائے۔ تو ایسے لوگ جو دل میں رہتے ہوں' جو اتنے اپنے ہوں ان کی خوشی میں دل سے شامل ہونا چاہیے نا۔ بھلے اس میں ہماری خوشی شامل نہ ہو اور وہ خوشی ہمیں کچھ آنسوؤں کی سوغات ہی کیوں نہ دے جائے۔ ہمیں تو اپنے آنسو چھپانے چاہئیں نا آپی!''

اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ عمارہ نے دل ہی دل میں بے حد ندامت محسوس کی۔ مازیہ اس عمر میں کتنی چھوٹی تھی لیکن اس کا دل کتنا بڑا تھا اور اس کی سوچ کتنی ارفع اور ایک وہ تھی کہ نہ جانے کب سے سوگ منائے جا رہی تھی۔ اس کی محبت خود غرض محبت تھی۔ صرف اپنی خوشی پانے کی چاہت تھی اسے' جب کہ محبت تو محبوب کی خوشی میں خوش ہونے کا درس دیتی ہے۔

''تم صحیح کہہ رہی ہو مازی! وہ لڑکی کون ہے' کیسی ہے' ہمیں اس سے کیا غرض' ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ خسرو کی پسند ہے سو ہمیں بھی پیاری ہونی چاہیے۔''

آنسوؤں نے گلے میں پھندا سا لگایا۔ تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اوکے۔ تم بے فکر ہو کر پڑھو۔ خسرو کی منگنی تمہاری شرکت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ مجھے یقین ہے۔''

اس نے مسکرانے کی کوشش کی اور پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔ باہر صحن میں دیوار کے ساتھ ساتھ کیاریاں بنی ہوئی تھیں جن میں کہیں کہیں پھول کھل رہے تھے اور کچھ دنوں تک یہ ساری کیاریاں پھولوں سے بھر جاتیں۔ گلاب' چنبیلی' موتیا اور کئی دوسرے پھول اس نے لگا رکھے تھے۔

''یار! یہ پھولوں اور پودوں کی وجہ سے رات کو مچھر بہت تنگ کرتے ہیں۔

ان کو ختم نہ کر دیں۔'' اسعد نے ایک بار کہا تھا تو وہ اس سے لڑ پڑی۔

''جی نہیں پتا نہیں کہاں کہاں سے قلمیں منگوا کر لگائی ہیں اور آپ کیسے رائٹر ہیں جنہیں پھولوں سے محبت نہیں ہے؟''

اور اسعد ہنس پڑا تھا۔

''یعنی تم مجھے رائٹر تب تسلیم کرو گی جب میں تمہارے پھولوں کو تسلیم کروں گا۔''

وہ کچھ دیر گلاب کی کیاری کے پاس کھڑی رہی۔

یہ سرخ گلاب تھا اور اس میں بہت بڑے بڑے گلاب لگتے تھے لیکن ابھی صرف منہ بند کلیاں تھیں۔ صحن کے ایک طرف چھت کی طرف جانے والی سیڑھیاں تھیں وہ سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ نگاہیں پھولوں کی طرف تھیں لیکن ذہن نہ جانے کہاں تھا۔ اندر مچلتے آنسوؤں کو وہ روک نہ پا رہی تھی۔ جی چاہتا تھا جی بھر کر رو لے تاکہ جب رات کو خسرو اور ممانی جان آئیں تو وہ خوش دلی سے ان کی خوشی میں شریک ہو سکے۔

''بہت سی آرزوئیں یونہی ناتمام رہ جاتی ہیں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں کے کٹورے میں ٹھوڑی رکھتے ہوئے سوچا۔

خسرو کی رفاقت کی تمنا جانے کب دل کے آنگن میں چھپ کر آ بیٹھی تھی۔ کتنا مشکل ہے اپنی آرزو سے دستبردار ہونا۔ لیکن کبھی کبھی زندگی میں بہت سارے مشکل کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ سو یہ بھی سہی۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''یہ خود بخود کیوں مسکرایا جا رہا ہے؟'' خسرو جانے کب کھلے دروازے سے اندر آ گیا تھا۔

''آپ!'' اس نے چونک کر دیکھا۔

''ہاں میں۔'' خسرو نے بہت گہری نظر اس پر ڈالی۔ کافی دیر سے تمہیں دیکھ رہا تھا۔''

''آپ کب آئے مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔''

''کچھ دیر پہلے۔ باہر کا دروازہ کھلا تھا سو چلا آیا تم اتنی گم تھیں اپنے آپ میں

کہ میرے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔ کیا سوچ رہی تھیں؟'' خسرو اس کے قریب ہی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔

''ارے آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے۔ چلیں اندر..... امی اپنے کمرے میں ہیں۔''

''کچھ دیر یہیں بیٹھتا ہوں۔ تم سے بات کرنا تھی۔''

''مجھ سے؟'' اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں، کیا تم سے بات نہیں کر سکتا۔ تم نے کہا نہیں تھا اس روز کہ یہ کیسی دوستی ہے کہ مجھے ابھی تک آپ نے اپنی پسندیدہ لڑکی کا نام نہیں بتایا۔ تو میں نے سوچا کہ چلو تمہارا گلہ دور کر دوں اور سب سے پہلے تمہیں ہی بتا دوں۔''

خسرو کی آنکھوں میں شرارت تھی لیکن عمارہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

''آپ کو تو رات میں آنا تھا ممانی کے ساتھ۔ مازیہ بتا رہی تھی۔''

''ہاں، رات میں آنا تھا۔ رات میں امی آئیں گی ماموں جان کے ساتھ۔ میں شاید نہ آ سکوں۔ اس وقت میں یہاں قریب ہی ڈاکٹر کے پاس آیا سوچا تم سے ملتا چلوں اور اپنی پسند کے متعلق تمہاری رائے لے لوں۔''

''ہاں، اسعد بھائی نے بتایا تھا آپ کے سر درد کے متعلق۔ کیا کہا ہے ڈاکٹر نے؟''

''فی الحال تو کچھ نہیں۔ میڈیسن دی ہے۔''

''کوئی پریشانی والی بات تو نہیں؟''

''نہیں۔''

''تھینک گاڈ۔'' عمارہ نے شکر ادا کیا۔

''تمہاری رائے لینا ہے۔''

''میری رائے کا کیا ہے خسرو! آپ کی پسند یقیناً اچھی ہو گی اور ہم سب آپ کی خوشی میں خوش ہیں۔''

''یہ تو مجھے پتا ہے کہ میری پسند اچھی ہے اور یہ بھی پتا ہے کہ میری خوشی میں

یقیناً تمہاری خوشی ہے پھر بھی تمہاری رائے لینا چاہتا ہوں۔''

''لیکن میں پتا نہیں اسے جانتی بھی ہوں یا نہیں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی لہجے میں افسردگی در آئی تھی۔ خسرو کے ہونٹوں پر دبی دبی سی مسکراہٹ تھی۔

''تم اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں عمارہ!''

''ضویا!'' اس کے لبوں سے بہت ہلکی سی آواز نکلی تھی۔

''بہت اچھی ہے بہت پیاری اور پھر آپ کے ماموں جان کی بیٹی ہے۔'' باوجود کوشش کے دل بھر بھر آ رہا تھا۔

''یا اللہ مجھے مضبوط رکھنا۔ کہیں خسرو یہ نہ سمجھ لیں کہ میں خود غرض ہوں۔ ان کی خوشی میں خوش نہیں۔'' اس نے دل ہی دل میں بے آواز دعا کی تھی۔

''لیکن اگر کوئی اور مجھے اس سے زیادہ پیارا لگتا ہو تو؟'' خسرو نے مزید اسے تنگ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

''وہ لڑکی تم ہو۔ میرے دل نے تمہاری رفاقت کی چاہ کی ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہاری رائے بھی جان لوں۔ میں امی جان سے ذکر کرنے سے پہلے تم سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن بس موقع ہی نہ مل پایا اور امی جان نے پھپھو سے بات بھی کر لی۔ وہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتی ہیں۔ آج ماموں جان کے ساتھ باضابطہ طور پر رشتے کی بات کرنے آ رہی ہیں۔ تمہاری رائے میرے لیے محترم ہے عمارہ! اگر تم مجھے پسند نہ کرتی ہو' بطور شریک زندگی تو پلیز بلا جھجک بتاؤ۔ ابھی امی جان اور ماموں جان نہیں آئے۔ ہم بہت اچھے دوست ہیں۔ بہرحال زندگی میں ہمیں وہ سب کچھ نہیں مل پاتا جو ہم چاہتے ہیں میں بھی سمجھوں گا کہ میں نے ایک لاحاصل خواہش کی تھی اور.....''

''خسرو.....خسرو!'' عمارہ نے یکدم کہا اور دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''ارے.....ارے کیا ہوا.....؟'' خسرو نے گھبرا کر کہا۔

''پلیز روؤ مت عمارہ.....'' لیکن وہ روئے چلی گئی۔

''بھئی اگر یہ غریب پولیس انسپکٹر تمہیں پسند نہیں ہے تو صاف صاف کہہ دو

اب تمہارے آنسوؤں سے میں کیا اخذ کروں۔ بعض اوقات خوشی میں بھی ایسی ہی کیفیت طاری ہوتی ہے۔''

خسرو نے بظاہر اپنے لہجے کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی لیکن اندر جیسے دل کی دھڑکنیں مدھم پڑ رہی تھیں۔

لیکن عمارہ بدستور روئے جا رہی تھی۔

''اوکے۔ تو تمہارے آنسوؤں کا مطلب ہے.....کہ تم مجھے پسند نہیں کرتیں۔'' خسرو کھڑا ہو گیا۔ ''ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔ امی جان کو بتا دوں جا کر۔''

''نہیں.....نہیں.....پلیز.....نہیں۔'' عمارہ نے چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بے اختیار کہا تو خسرو نے ایک شوخ نظر اس پر ڈالی۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ میں تمہیں قبول ہوں۔'' عمارہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''نہیں بھئی۔ زبان سے بولو۔'' خسرو کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ عمارہ نے بمشکل پلکیں اٹھائیں۔ بھیگی بھیگی پلکیں اور رخساروں پر پھیلتے دھنک کے رنگ۔ خسرو نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''آپ بہت خراب ہیں خسرو!'' وہ تیزی سے اندر کی طرف بھاگی۔

''یار! ایک بات تو بتاتی جاؤ' تمہاری پریشانی کیا اسی لیے تھی؟''

لیکن عمارہ اس کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہو گئی۔

''یہ لڑکیاں بھی بس عجیب ہی ہوتی ہیں۔''

خسرو کان کھجاتے ہوئے عفت بیگم کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

☆ ☆ ☆

''یار تمہیں کیا بتاؤں' کل رات کیا ہوا۔'' عالیہ بہت ایکسائٹڈ ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی اور ضویا کی حالت سے بے نیاز اپنی ہی کہے جا رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' ضویا کھوئی کھوئی سی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور وہ ٹی وی دیکھنے کے بجائے آنکھیں موندے لیٹی تھی اور کمرے میں اداس سی موسیقی پھیلی

ہوئی تھی' لیکن عالیہ نے اپنی خوشی میں کسی بات کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔

''ضویا! تمہیں کیا بتاؤں۔ آج میں کتنی خوش ہوں۔''

''وہ تو لگ رہا ہے۔''

ضویا نے اس کی طرف دیکھا۔ میرون اور گرے کمبینیشن کے ٹراؤزر شرٹ میں وہ بہت کھلی کھلی لگ رہی تھی۔

''لیکن تم یہ بتاؤ کل رات کیا ہوا۔ کیا ابتسام ملک نے پروپوز کر دیا؟''

''نہیں۔ اس نے پروپوز تو نہیں کیا ابھی' لیکن کر دے گا۔ شاید ایک دو روز میں۔ پتا ہے آج کل وہ مجھے خود فون کرتا ہے۔ کہتا ہے پتا نہیں تم نے کیا کر دیا ہے عالی! تم بن چین نہیں آتا۔ تم سے بات نہ کروں تو یوں لگتا ہے جیسے کچھ کھو سا گیا ہے۔ تمہیں پانے کی' تمہارے قرب کی خواہش بہت بے چین کرتی ہے۔''

''اچھا..... پھر تو مبارک ہو۔'' ضویا افسردگی سے مسکرائی۔

''یہ سب اس عمل کی وجہ سے ہوا جو ان بابا جی نے کیا ہے۔ رات اچانک میرے کمرے میں نجانے کہاں سے ایک بڑا سبز بیر میرے بستر پر گرا، اور تمہیں یاد ہے نا، بابا جی نے کیا کہا تھا اور آج مجھے قصور جانا ہے ان بابا جی کو یہ سب بتانے۔ پلیز میرے ساتھ چلو۔''

''میں.....'' ضویا حیرت سے بولی۔

''ہاں یار! تم نہیں تو اور کون؟ میں کسی اور کو تو ساتھ نہیں لے جا سکتی۔''

''لیکن آج تو میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیا ہوا ہے تمہیں.....؟'' عالیہ نے پہلی بار غور سے اسے دیکھا۔

''ارے تم تو بہت کمزور لگ رہی ہو۔ کیا بیمار رہی ہو تم؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر کیا ہوا؟ اتنی پیلی ہو رہی ہو اور یہ آنکھیں بھی سرخ ہو رہی ہیں۔ کیا روتی رہی ہو؟'' عالیہ پریشان ہو گئی تھی۔

ضویا نے نفی میں سر ہلایا لیکن اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''ارے ارے کیا ہوا؟'' عالیہ نے اسے لپٹا لیا۔

عالیہ کی ہمدردی پا کر اس کی آنکھیں برس پڑیں۔

''یار کچھ بتاؤ تو سہی۔۔۔۔۔۔ پلیز اس طرح مت روؤ۔'' عالیہ کسی ننھے بچے کی طرح اسے تھپک رہی تھی کچھ دیر بعد وہ خود ہی سنبھل گئی۔

''او کے ڈیر اب بتاؤ۔ کیا مسئلہ ہے؟''

''وہ..... وہ خسرو کی منگنی ہو گئی ہے اپنی کزن سے۔'' ضویا کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''وہی جو ماسٹرز کر رہی تھی؟'' عالیہ نے پوچھا تو ضویا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا تم خسرو سے محبت کرنے لگی تھیں؟''

''پتا نہیں۔'' ضویا کو خود کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیوں اتنی ڈسٹرب ہو گئی ہے۔

''مگر تم تو کہتی تھیں کہ تم اس سے محبت نہیں کرتیں۔ لیکن خیر! اتنا زبردست بندہ قریب ہو تو محبت ہو جانا کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔''

عالیہ نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

''میں نے خسرو کے متعلق اس طرح کبھی نہیں سوچا تھا۔ تم جانتی ہو نا عالی.....! تم نے ہی مجھے احساس دلایا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ کب' کیسے مگر عالی! جب پپا نے بتایا کہ انہیں جانا ہے پھپھو کے ساتھ خسرو کے رشتے کیلئے تو مجھے یوں لگا کہ جیسے میرا دل کرچی کرچی ہو رہا ہو۔ تب سے..... تب سے عالی!''

اس نے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔

''حالانکہ میں جانتی ہوں عالی! کہ یہ ناممکن تھا۔ مما کبھی بھی خسرو کے لئے رضامند نہ ہوتیں۔ البتہ پپا اداس سے تھے۔ میں نے سنا کہ وہ مما سے کہہ رہے تھے۔ خسرو بہت اچھا لڑکا ہے اور حامد شاہ خوش قسمت ہیں کہ انہیں خسرو جیسا داماد ملا۔ میری کتنی خواہش تھی کہ میں خسرو کو اپنا بیٹا بناتا لیکن صرف تمہاری وجہ سے اور آمنہ نے بھی صرف تمہاری وجہ

سے خسرو کیلئے باہر لڑکی پسند کی ہے ورنہ میں جانتا ہوں کہ اس کی کتنی خواہش تھی ضویا کیلئے۔'' اس نے سسکی لی۔

''لیکن مما نے کہا ان کی زندگی میں تو یہ ممکن نہیں تھا کہ خسروان کا داماد بنتا تو.....تو..... یہ ناممکن تھا۔

پھر..... پھر..... کیوں میرے دل نے خسرو کے ساتھ کی تمنا کی؟ کیوں میں نے چاہا کہ میں اور خسرو ایک ساتھ زندگی بسر کریں ایک دوسرے کی ہمراہی میں۔ کتنا مشکل کرلیا میں نے خود اپنے لیے اپنی زندگی کو۔'' وہ پھر سے رونے لگی۔

''ریلیکس' پلیز ضویٰ! اب مت رونا۔ نہیں تو میں بھی رونے لگوں گی۔ یہ میری غلطی ہے۔ میں نے تمہاری توجہ خسرو کی طرف مبذول کروائی۔ سوری مجھے معاف کردو پلیز' لیکن اب بھی تم چاہو تو خسرو تمہاری طرف مائل ہوسکتا ہے۔ میں آج بابا جی سے بات کروں گی کہ وہ تمہارے لیے بھی کچھ کریں۔''

''نہیں' پلیز نہیں۔ میرے لیے بات مت کرنا۔ کسی کو پریشرائز کرکے اس کی محبت حاصل کرنا یا اسے پالینا مجھے پسند نہیں ہے۔ محبت تو ایک خوبصورت جذبہ ہے نا۔ وہ تو بن مانگے ملے۔ تب ہی خوشی اور سکون دیتی ہے۔''

''ہاں شاید تم صحیح کہتی ہو۔ شاید میں نے غلط کیا ہے۔ لیکن میں نے جب بھی سوچا کہ ابتسام ملک مجھ سے بچھڑ جائے گا تب مجھے یوں لگا جیسے میرا دل پھٹ جائے گا۔ ہم جب اکٹھے رہیں گے ساتھ تو شاید محبت خود بخود پیدا ہوجائے۔ تم دعا کرنا۔'' ضویا نے سر ہلا دیا۔

''چلو اٹھو۔ اب منہ ہاتھ دھولو پھر دیر ہوجائے گی۔''

''اور مما؟'' ضویا نے اٹھتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''مما سے کیا کہنا ہے؟''

''شاپنگ..... شاپنگ کا کہہ دو۔''

''اور اگر دیر ہوگئی تو.....''

''میں فون کردوں گی کہ تم شاپنگ کے بعد میرے ساتھ گھر آ گئی ہو' ہم کچھ

دیر تک آتے ہیں۔ میرے پاس موبائل ہے نا۔''

''اچھا.....'' ضویا واش روم میں گھس گئی اور کچھ دیر بعد وہ دونوں تیار ہوکر قصور کی طرف جارہی تھیں۔ راستہ بھر دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش کچھ سوچتی رہیں۔ جھنڈ کے پاس عالیہ نے گاڑی روکی تھی۔ آج بھی وہاں کا ویسا ہی ماحول تھا۔

عالیہ نے اسے ساری بات بتائی تو اس نے زور سے ہنکارا بھرا۔

''تیرا کام ہوگیا لڑکی!''

یک دم فضا میں کسی پرندے کے اڑنے کی آواز آئی۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں چمکیں۔

''تیرے پاس کیا ہے؟ کوئی قرآنی آیت۔'' اس بندے کی آواز عجیب پھٹی پھٹی سی تھی۔

''نہیں.....'' عالیہ نے سر ہلایا۔

''تیری سہیلی کے پاس۔''

''اس کے گلے میں لاکٹ ہے آیت الکرسی والا۔''

''پھر اسے باہر بھیج دے۔ یہاں ڈسٹربنس ہورہی ہے اس کے کھڑے ہونے سے۔'' عالیہ نے مڑ کر ضویا کو دیکھا تو ضویا تیزی سے باہر نکل گئی اور گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔

''کیا واقعی اب عالیہ کی خواہش پوری ہوجائے گی اور ابتسام ملک اس سے شادی کرلے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شخص کوئی فراڈ ہو۔ اگر یہ کالے جادو کے زور سے ابتسام ملک کا دل پلٹ سکتا ہے تو جادو سے پیسہ بھی تو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ اتنے روپے کیوں لیتا ہے۔ شاید کچھ زیادہ بھی مانگا ہو عالیہ سے مگر اس نے مجھ سے چھپالیا ہو۔'' اور اس کے دل کو جیسے یقین ہوگیا کہ یہ ناممکن ہے۔ ابتسام اس طرح کسی جادو کے زیر اثر عالیہ سے شادی نہیں کرے۔ بے چاری عالیہ' اتنی شدید محبت کرنے لگی ہے ابتسام ملک سے کہ اسے پانے کی خاطر کیا کچھ کررہی ہے۔ کوئی سنے تو کیا سوچے کہ اتنی پڑھی لکھی سمجھ دار لڑکی جادو ٹونے کے چکر میں پڑی ہے۔

وہ اردگرد سے بے خبر صرف عالیہ کے متعلق سوچے جا رہی تھی کہ اچانک کسی نے اسے آواز دی۔

''ضویا..... تم..... آپ یہاں؟''

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ کچھ فاصلے پر خسرو کھڑا تھا پولیس یونیفارم میں اور اس کے ساتھ اسعد تھا کندھے پر کیمرا لٹکائے۔ ضویا کی نظریں خسرو کی طرف اٹھیں اور وہ جیسے اپنی جگہ کھڑے کھڑے پتھر کی ہو گئی۔

''ضویا! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

خسرو نے اس کی طرف قدم بڑھائے اب وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا اور اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

ضویا نے بولنا چاہا لیکن اسے لگا جیسے اس کا حلق بالکل خشک ہو گیا ہے اس نے بمشکل بولنے کی کوشش کی۔

''وہ.....'' عالیہ کٹیا سے نکل کر ادھر ہی آ رہی تھی۔ اس نے عالیہ کی طرف اشارہ کیا۔

''اسے..... عالی کو کام تھا ادھر۔''

خسرو نے مڑ کر عالیہ کی طرف دیکھا۔ عالیہ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ ذرا سا گھبرائی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''السلام علیکم خسرو بھائی! کیسے ہیں آپ؟'' کہتے ہوئے وہ ان کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

ضویا کا رنگ یکدم زرد ہو گیا تھا۔ وہ بار بار اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

''آپ یہاں کیسے.....؟'' خسرو اب عالیہ کو دیکھنے لگا۔

''یہاں ایک بزرگ کا کسی نے بتایا تھا' اپنی مما کے لیے دعا کروانے آئی تھی پچھلے دنوں ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی..... تو.....''

ضویا نے ایک پرسکون سی سانس لی۔ وہ عالیہ کی اس خوبی کی ہمیشہ معترف

رہی تھی کہ وہ فوراً ہی بغیر گھبرائے معاملہ سنبھال لیتی ہے۔

''اور آپ یہاں کیسے؟''

''میں بھی اسی بزرگ کی شہرت سن کر ادھر آیا ہوں۔''

خسرو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''لیکن آپ لوگوں کو یہاں اس ویران علاقے میں اکیلے نہیں آنا چاہئے تھا۔''

اس نے ایک تیز نظر ضویا پر ڈالی۔ ضویا نے نظریں جھکا لیں۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوف زدہ تھی کہ اگر خسرو نے مما یا پپا سے ذکر کر دیا تو مما پھر کبھی عالیہ سے بھی اسے ملنے نہ دیں گی اور عالیہ اس کی واحد دوست ہے۔ عالیہ نے اس کی زرد ہوتی رنگت کو دیکھا تو خسرو سے درخواست کی۔

''پلیز' انکل یا آنٹی سے ضویا کا ذکر مت کیجئے گا وہ تو آ ہی نہیں رہی تھی میں زبردستی اسے ساتھ لائی ہوں۔ ایکچوئلی میں مما کے لئے بہت پریشان تھی تو بس اچانک ہی پروگرام بن گیا ورنہ تو ہم شاپنگ کیلئے نکلے تھے۔''

''اوکے۔'' خسرو نے خاموش سر جھکائے کھڑی ضویا پر ایک نظر ڈالی اور درختوں کے جھنڈ کی طرف مڑ گیا۔ ضویا نے نہ جانے کب کا رکا ہوا سانس آزاد کیا اور عالیہ سے بغیر کچھ کہے گاڑی کا دروازہ کھول کر سیٹ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔ عالیہ بھی کچھ کہے بنا گاڑی میں بیٹھ گئی اور کچھ دیر بعد وہ دونوں لاہور کی طرف جا رہی تھیں۔ اپنی اپنی سوچوں میں گم۔

☆ ☆ ☆

''بابا..... بابا پلیز آنکھیں کھولیں۔ اس طرح نہ کریں۔ میں اور اماں کیا کریں گے آپ کے بغیر۔ ہم تو بالکل اکیلے ہو جائیں گے بالکل تنہا اور اماں تو بالکل اکیلی ہو جائیں گی۔''

عبداللہ کا ہاتھ تھامے ان کی چارپائی کے پاس عبدالرحمٰن بیٹھک میں دری پر دوزانو بیٹھا ہوا تھا۔ عبداللہ کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرہ پرسکون تھا اور ہونٹ تھوڑے سے نیم وا

تھے۔چارپائی کی دوسری طرف حکیم صاحب کرسی پر بیٹھے تھے۔کبھی کبھی وہ ہاتھ بڑھا کر عبداللہ کی کلائی تھام لیتے' نبض چیک کرتے' سینے پر کان رکھ کر دل کی دھڑکن سنتے پھر سیدھے ہو جاتے۔پائنتی کی طرف خدیجہ بیگم کھڑی تھیں۔تھوڑی تھوڑی دیر بعد ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔جنہیں وہ کبھی ہاتھوں کی پشت اور کبھی دوپٹے کے پلو سے صاف کرتیں۔ان کے ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے۔عبدالرحمٰن کچھ دیر پہلے ہی لاہور سے پہنچا تھا۔جوں ہی اس نے حاجی سعید کا فون سنا تھا کہ عبداللہ کی حالت ٹھیک نہیں۔فوراً پہنچو۔'' وہ اسی وقت روانہ ہو گیا تھا۔

سرخ سرخ آنکھوں سے اس نے خدیجہ بیگم کی طرف دیکھا۔

''بابا کی یہ حالت کب سے ہے؟''

''پرسوں شام سے۔'' خدیجہ بیگم چارپائی کے کنارے پر ٹک گئیں۔چھ دن پہلے ان کا دل جیسے کھٹک سا گیا تھا۔رات کو ان کی آنکھ اچانک کھلی تھی وہ پانی پینے کی غرض سے صحن میں آئیں تو انہوں نے صحن کے بیچوں بیچ تاروں کی چھاؤں میں عبداللہ کو زمین پر بیٹھے دیکھا وہ سجدوں پر سجدے کیے جا رہے تھے۔

اس وقت رات کے اس پہر شاید دو بجے تھے یا ڈھائی بجے تھے۔ہر طرف سناٹا تھا۔خدیجہ بیگم حیران سی صحن میں پڑی چارپائی پر ٹک کر انہیں دیکھنے لگیں اور عبداللہ سجدے پر سجدے کرتے رہے' روتے رہے۔اچانک عبداللہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چارپائی کے پاس ان کے قدموں کے قریب بیٹھ گئے۔

''عبداللہ!'' خدیجہ بیگم نے بے چینی سے انہیں پکارا۔

''عبداللہ! تو ٹھیک ہے نا؟''

''بھرجائی!'' عبداللہ نے چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''کیا ہے عبداللہ!.....بول کیا بات ہے؟''

''میں نے تجھے بہت ستایا ہے نا۔بہت تنگ کیا ہے۔''

''تو نے بھلا مجھے کہاں ستایا ہے عبداللہ!'' وہ بالکل دیوانے نہیں لگ رہے تھے۔

''مجھے معاف کر دینا بھرجائی! میری جنت تیرے قدموں میں نہیں ہے لیکن مجھے تو اپنی جنت ہمیشہ تیرے ہی قدموں میں نظر آئی۔تو معاف کر دینا مجھے.....ناراض نہ ہونا۔مجھے پتا ہے میں نے تمہیں بہت پریشان کیا ہے۔تنگ کیا ہے تجھے۔''

''نہیں.....نہیں پتر! بھلا مائیں اپنے بچوں سے تنگ ہوتی ہیں۔تو' تو میرے لیے ہمیشہ عبدالرحمٰن جیسا ہی رہا ہے جھلیا۔میں ماں ہوں تیری۔''

عبداللہ نے سر جھکا لیا۔کچھ دیر وہ یونہی سر جھکائے بیٹھے رہے اور خدیجہ بیگم ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہیں۔پھر یک دم وہ اٹھے اور تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے بیٹھک میں چلے گئے۔تو وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں لیکن اس رات خدیجہ بیگم کو پھر نیند نہ آئی۔وہ بار بار باہر نکل کر دیکھتیں۔بیٹھک کا دروازہ بند تھا اور اندر سے عبداللہ کے سسکنے رونے اور گڑگڑا کر دعا مانگنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔وہ اس حالت میں کبھی بھی انہیں مخاطب نہیں کرتی تھیں سو بے چین سی کبھی صحن میں کبھی برآمدے میں چکراتی پھریں۔

خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔گاؤں میں زندگی جاگی تو انہوں نے لسی بنائی۔گرم گرم روٹی پکا کر اس پر تازہ مکھن رکھا اور چنگیر میں روٹی رکھ کر بیٹھک میں آئیں۔

''عبداللہ.....عبداللہ.....'' چنگیر ان کے ہاتھوں سے گر گئی۔ان کی چیخ سن کر دونوں دیور باہر نکل آئے۔عبداللہ کو سیدھا کیا اور بڑے بیٹے کی مدد سے اٹھا کر چارپائی پر ڈالا۔عبداللہ بے ہوش تھے۔حکیم صاحب نے آ کر بتایا۔

''کمزوری ہے۔''

عبدالرحمٰن نے ساری بات سن کر پھر عبداللہ کی طرف دیکھا۔اس کے ہاتھ ابھی تک ان کے بازو پر دھرے تھے۔ان کی پلکوں میں جنبش ہوئی تو اس نے بے چینی سے ان کا بازو جھنجھوڑ ڈالا۔

''بابا.....بابا!'' عبداللہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر خدیجہ بیگم پر ایک نظر ڈالی۔پھر عبدالرحمٰن کو دیکھا۔

''اپنی اماں کا بہت دھیان رکھنا۔''

''بابا!'' عبدالرحمٰن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

اپنے ہوش میں پہلی بار وہ عبداللہ کو یوں دیکھ رہا تھا۔
اس طرح کہ آنکھوں میں نہ وحشت تھی اور نہ ہی لہجے سے دیوانگی کی جھلک۔

''جھلا نہ ہوتو۔'' وہ مسکرائے۔

''آنسو پونچھ' مہمان آئے ہیں تیرے۔' عبدالرحمٰن نے بے اختیار مڑ کر دیکھا۔ بیٹھک کا دروازہ کھلا تھا اور وہاں سے بیرونی دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ جہاں سے خسرو اور اژمیر اندر داخل ہو رہے تھے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور عبداللہ نے آنکھیں بند کرلیں۔ حکیم صاحب نے بے اختیار جھک کر ان کی نبض پر ہاتھ رکھا اور خدیجہ بیگم بے چینی سے پکارنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

یہ گھر اس کا تھا۔
خسرو گھر کی ایک ایک چیز کو تنقیدی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
اس گھر میں اس نے جنم لیا تھا۔ اسی گھر میں آمنہ بیگم بیاہ کر آئی تھیں۔ یہاں اس گھر میں اس کے ابو رہتے تھے۔ چپے چپے پر ان کی یادیں بکھری ہوئی تھیں۔ یہاں انہوں نے چلتے پھرتے اس کے لیے خواب دیکھے تھے۔ یہاں منتقل ہونے سے پہلے مازیہ' رابیل' ضویا سب نے مل کر گھر کو سیٹ کیا تھا۔ ضویا نے آمنہ بیگم کی شادی کی بڑی سی تصویر ان کے بیڈروم میں لگائی تھا۔ وہ چلتے چلتے بیڈروم میں گیا اور کتنی ہی دیر تک تصویر کے سامنے کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر وہاں سے ہٹ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ کمرے کا سارا فرنیچر اس نے اپنی پسند سے خریدا تھا۔

''اور ضویا۔'' اس نے سوچا۔

''کتنی تبدیل ہوگئی ہے۔ ممانی کا مزاج بھی بدلا بدلا سا ہے۔ ضویا۔ فطرتاً اچھی لڑکی ہے۔ کچھ ممانی کے مزاج کی وجہ سے گمان تھا کہ اسے وہ ہمیشہ مغرور سی لگتی تھی مگر اس روز اس پر انکشاف ہوا تھا کہ وہ اندر سے کتنی معصوم اور سادہ دل ہے۔''

وہ اسعد کے ساتھ قصور کے عامل سے ملنے گیا تھا۔ اس کا سر درد کسی صورت

ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔ کندھے ہر وقت کسی انجانے بوجھ سے ٹوٹتے رہتے تھے۔
اور کبھی کبھی تو اتنی گھبراہٹ ہوتی کہ اس کا جی چاہتا کہ زور زور سے چلائے۔
لاہور کے سارے اچھے ڈاکٹرز کے پاس وہ جا چکا تھا۔ سٹی اسکین کے علاوہ کئی اور ٹیسٹ بھی ہوئے تھے مگر سارے ٹیسٹ کلیئر تھے۔ پھر یہ درد کیسا تھا اور کیوں؟ تب سب اسے روحانی علاج کا مشورہ دینے لگے۔

پھر حوالدار محمد حنیف نے بڑے پرجوش انداز میں ایک بابے کا ذکر کیا۔ جو کالے عمل کا توڑ کرتا ہے۔

''دیکھ لیتے ہیں۔ اس بابے کو بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔''

اسعد نے مشورہ دیا تو وہ دونوں محمد حنیف کو جیپ کے پاس چھوڑ کر ادھر چل پڑے تھے اور ضویا کو وہاں دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا اور یہ جان کر کہ وہ اپنی فرینڈ کے ساتھ آئی ہے گو اسے اطمینان تو ہو گیا تھا لیکن پھر بھی اسے تجسس تھا کہ اس کی سہیلی بھلا کس لیے یہاں آئی ہے۔ یہ بابا اسے بہت پراسرار سا لگا تھا۔ کٹیا کے اندر کا ماحول ایسا تھا کہ انہیں یہ اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ یہ شخص کالا جادو یا سفلی عمل کرتا ہے۔ اس نے کالے جادو کا توڑ کر کے پچاس ہزار روپے مانگے تھے۔

''ٹھیک ہے۔'' اسعد نے کہا تھا کہ وہ جلد ہی پیسوں کا بندوبست کر کے آئیں گے۔

''میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ اگر اللہ نہ چاہے تو کوئی جادو مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ معمولی تکلیف بھی خود ہی دور ہو جائے گی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے یار! لیکن اس بندے کا بندوبست ہونا چاہیے۔'' اسعد نے کہا۔

''وہ تو خیر میں جاتے ہی کرلوں گا لیکن پہلے ضویا سے بھی پوچھ لیتا ہوں کہ اس کی سہیلی کا کیا مقصد تھا اور کتنی رقم دی اس نے۔ مجھے اس کی بات پر یقین نہیں آیا کہ وہ اپنی والدہ کی صحت کے بارے دعا کروانے آئی ہے۔ اگر دعا کروانی تھی تو کسی بزرگ کے پاس جاتی نہ کہ اس کالے علم کے ماہر کے پاس آتی۔''

گھر جاتے ہی اس نے ضویا کو اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

''ایک بات پوچھنا ہے آپ سے۔''

ضویا گھبرائی گھبرائی سی تھی۔

''ضویا پلیز' ریلیکس ہو کر بیٹھ جائیں۔ مجھے ایک بات پوچھنی ہے۔ عالیہ وہاں کیوں گئی تھیں؟''

''عالی نے بتایا تو تھا آپ کو؟'' ضویا کی آواز کی لرزش خسرو سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔

''لیکن وہ کوئی بزرگ نہیں بلکہ ایک کالا علم کرنے والا آدمی ہے۔ کیا عالیہ کسی پر جادو کروانا چاہتی تھی؟''

خسرو نے ضویا پر گہری نظر ڈالی۔ ضویا کا رنگ زرد پڑ گیا۔

''وہ دراصل.....''

''ضویا پلیز' سب سچ سچ بتا دو۔ گھبراؤ مت۔ مگر ہم آج کل ایسے ہی لوگوں کو گمراہ کرنے والوں کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ پلیز۔''

خسرو کے مہربان لہجے سے ضویا پگھل سی گئی اور پھر اس نے سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔

''پاگل لڑکی بھلائیوں بھی کبھی محبتیں ملتی ہیں۔'' خسرو کو دکھ ہوا۔

''میں عالیہ کو اتنا بیوقوف نہیں سمجھتا تھا۔''

تب ہی آمنہ آ گئیں۔ چائے کے ساتھ شامی کباب وغیرہ تھے۔

''لو بیٹا! یہ کباب لے لو۔''

''نہیں امی! بس چائے دے دیجئے۔''

اس نے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی اور کنپٹیوں کو دباتے ہوئے کہا۔

''مگر تم نے خود ہی تو کہا تھا؟'' آمنہ نے حیرت اسے دیکھا۔

''یہ ضویا ہے نا۔ اسے دیجئے۔''

اس نے تو محض آمنہ کو مصروف کرنے کیلئے کہا تھا کہ وہ آرام سے ضویا سے

بات کر سکے۔ ضویا کے چہرے سے ابھی تک پریشانی مترشح تھی۔

''ریلیکس ضویا! یہ چائے اور کباب لیں۔''

''بیٹا! تم گئے پھر مولوی صاحب کے پاس۔ کیا کہا انہوں نے؟''

''کچھ نہیں کچھ آیات بتائی ہیں پڑھنے کو۔''

ضویا نے سوالیہ نظروں سے آمنہ کی طرف دیکھا۔

''وہی' خسرو کے سر کا درد ٹھیک نہیں ہو رہا۔ میں تو بہت پریشان ہوں بیٹی۔ لوگ کہتے ہیں کسی نے کچھ کرنہ دیا ہو مگر ہمارا کون دشمن ہے۔ میں نے تو بھائی جان سے کہا ہے کہ باہر لے چلتے ہیں۔ خدانخواستہ۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''اوہ امی جان! آپ بھی بس خوامخواہ پریشان ہیں۔ کچھ نہیں ہوتا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاءاللہ۔''

ضویا نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے لب کانپے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو پھر اس نے سر جھکا لیا۔

ضویا سے اس شخص کی اصلیت جاننے کے بعد اگلے روز ہی اس نے وہاں ریڈ کیا تھا لیکن وہ شخص وہاں سے جا چکا تھا۔ کٹیا خالی تھی۔ اندر صرف ٹوٹی ہوئی مٹکیاں تھیں اور ایک ناگوار سی بو پھیلی تھی۔

ان ہی دنوں وہ کچھ کیسز کے سلسلے میں بے حد مصروف ہو گیا تھا۔ قریبی گاؤں میں ایک ہی خاندان کے گیارہ افراد کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔ سو وہ اتنا مصروف رہا کہ پھر ان مولوی صاحب کے پاس تعویذ لینے جا ہی نہ سکا۔ سر کا درد اور گھبراہٹ بدستور ویسا ہی تھا۔ علاج بھی جاری تھا۔ سب ہی دوائیں آزمائی جا رہی تھیں لیکن افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔ ایک روز مولوی ثناءاللہ سے فون پر بات ہوئی تو انہوں نے اسے راولپنڈی میں ایک بزرگ کا پتا بتایا اور بہت اصرار کیا کہ وہ وہاں جائے۔ وہ کچھ بے یقینی کے عالم میں ہی گیا تھا۔ اس سر درد کی وجہ سے اس کی کارکردگی متاثر ہو رہی تھی اور وہ بہر حال اس سے نجات چاہتا تھا۔

''شاید لوگ بھی میری طرح مایوس ہو کر ان عاملوں کے پاس بھاگتے ہوں گے۔'' اس نے سوچا تھا وہ اژمیر کے ساتھ آیا تھا۔ پرنور چہرے اور دمکتی پیشانی والے اس

شخص سے مل کر وہ متاثر ہوا تھا۔ انہوں نے اسے سات دن تک کچھ قرآنی آیات پڑھنے کے لئے اور نماز کی پابندی کیلئے کہا۔

اور حیرت انگیز طور پر ہولے ہولے اس کا سر درد ختم ہو گیا تھا اور اب وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا تھا۔ اور پھر ان بزرگ کے بتائے گئے اس کلام کو پڑھنے کے علاوہ عبدالرحمٰن کے بابا نے بھی تو دم کیا تھا۔ وہ ان بزرگ سے مل کر باہر نکلا تو اژمی نے بتایا کہ یہاں سے قریب ہی عبدالرحمٰن کا گاؤں ہے۔ اس کے بابا بیمار ہیں کیوں نہ ان کی مزاج پرسی کر لی جائے۔

اور پھر بعد میں وہ عبدالرحمٰن کے گھر پہنچے۔ عبدالرحمٰن انہیں بیٹھک میں لایا تو عبداللہ جو آنکھیں موندے لیٹے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

خسرو کو حیرت ہوئی۔ وہ پہلے بھی ان سے مل چکا تھا۔ لیکن اس وقت ان کی کیفیت بالکل مختلف تھی۔ چہرے پر عجیب سی چمک تھی اور وہ بالکل ہوش مند لگ رہے تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی انہوں نے خسرو کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا کتنی ہی دیر تک وہ خسرو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے اسے دیکھتے رہے۔ وہ ان کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ان کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ ہولے ہولے ان کے چہرے پر اذیت کے آثار نظر آنے لگے۔ آنکھوں میں وحشت سی اتر آئی تھی' لیکن انہوں نے خسرو کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ سب کی نظریں ان کی طرف تھیں۔ پھر ایک لمبا سانس لیتے ہوئے انہوں نے خسرو کا ہاتھ چھوڑا اور عبدالرحمٰن کا ہاتھ پکڑ کر خسرو کے ہاتھ میں دیا۔

خسرو اور عبدالرحمٰن دونوں نے ہی حیرت سے انہیں دیکھا۔

''اسے اپنا بنا لو۔ اپنے میں شامل کر لو۔'' خسرو ان کی بات نہیں سمجھا لیکن اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یہ ہمارا اپنا ہی ہے بابا جی! ہمیں اژمی کی طرح ہی بہت پیارا ہے۔''

لیکن عبدالرحمٰن کے اندر ایک تارا سا چمکا۔ بہت پہلے ایک روز جب اسعد اور خسرو رات گئے تک نہیں آئے تھے تو پریشانی میں اژمیرا سے اپنے ساتھ ہی گھر لے گیا تھا تو اس کی ایک غیر ارادی نظر روتی ہوئی مازیہ پر پڑی تھی اور پھر بعد میں ایک دن جب وہ سونے

کیلئے لیٹا تھا تو اچانک ہی مازیہ کا سراپا اس کی آنکھوں میں لہرایا تھا۔ بس لمحہ بھر کیلئے اس کے دل میں ایک خواہش کی کونپل پھوٹی تھی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ ڈر گیا۔

''نہیں..... یہ خیال میرے دل میں کیوں آیا۔''

نہیں۔ یہ بھلا کیسے ممکن ہے۔''

میں غریب سادہ یہاتی اور وہ لوگ۔

اور اب عبداللہ کیا کہہ رہے تھے۔

''بابا!'' بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کا جی چاہا زور زور سے روئے۔

عبداللہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرائے۔ اور دونوں کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ عبدالرحمٰن کے آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے تھے۔

عبداللہ پر پھر نقاہت سی طاری ہونے لگی تھی۔ ان کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ تب ہی باہر سے ٹی وی کی آواز آئی تھی۔ شمو کی عادت تھی کہ جب وہ کچن میں کام کر رہی ہوتی تو ٹی وی کی آواز بلند کر دیتی تھی۔

''دیوی جی! مجھے شما کر دیجئے۔''

عبداللہ لیٹتے لیٹتے ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھیں یکدم سرخ ہو گئی تھیں۔ چہرے پر وحشت برسنے لگی اور پورے وجود پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔

''بھگوان کی پرارتھنا۔'' پھر آواز آئی تو ان کا وجود پوری شدت سے کانپنے لگا تھا۔

''رحم!'' ان کے حلق سے آواز نکلی تھی۔

'اللہ..... رحم۔''

عبدالرحمٰن نے انہیں اپنے سینے سے لگا لیا تھا لیکن اس کے بازوؤں کے حلقے میں بھی ان کا جسم کانپ رہا تھا۔ خدیجہ بیگم تیر کی طرح باہر نکلیں۔

''شمو..... شمو بند کر اس کو۔ تیرا چاچا تکلیف میں ہے۔ ظالمے کچھ خیال کر۔''

عبداللہ کے حلق سے رحم رحم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ کبھی آواز بلند ہو جاتی تھی، کبھی یکدم آہستہ ہو جاتی۔

''بابا..... بابا.....'' عبدالرحمٰن ہولے ہولے انہیں پکار رہا تھا۔

ان کے جسم کی لرزش رکی تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ رو رہے تھے۔''

رحم..... اللہ رحم.....'' روتے روتے ان کی آنکھیں بند ہو گئیں تو حکیم صاحب کے اشارے پر عبدالرحمٰن نے انہیں نرمی سے لٹا دیا۔ حکیم صاحب کا ہاتھ ان کی نبض پر تھا۔

یکدم ان کا چہرہ پرسکون ہو گیا اور انہوں نے آنکھیں کھول کر بلند آواز میں السلام علیکم کہا۔ ہونٹوں اور آنکھوں میں مسکراہٹ سی چمکی اور دوسری بار پھر پہلے سے زیادہ بلند آواز میں السلام علیکم کہا۔ پھر ان کے ہونٹ ہلے۔ شاید وہ کچھ پڑھ رہے تھے آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہو گئیں۔ حکیم صاحب نے تھوڑے سے توقف کے بعد انا للہ و انا الیہ راجعون کہتے ہوئے نبض پر سے ہاتھ اٹھایا۔ وہ ساکت کھڑا تھا۔ عبدالرحمٰن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اژمی اسے تسلی دے رہا تھا لیکن وہ تو حیرت سے ان کے پرسکون چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ جنازے تک رکے تھے جنازے میں سینکڑوں افراد تھے۔ اس چھوٹے سے گاؤں میں اس سے پہلے اتنا بڑا جنازہ کسی کا نہیں ہوا تھا۔

اور پھر صاحبزادہ رحمت اللہ شاہ صاحب جو بڑے عالم، نیک اور اپنے علاقے میں موجود حضرت شاہ صاحب کی درگاہ کے سجادہ نشین تھے، کی اچانک آمد نے لوگوں کو حیران کر دیا تھا۔ انہوں نے عبداللہ کا جنازہ پڑھایا۔ جنازے کے بعد جب وہ گھر کی طرف پلٹ رہا تھا تو اس نے محسوس کیا جیسے اس کے کندھے پر دھرا بوجھ کم ہو گیا ہے اور سر جس میں مسلسل درد رہتا تھا، اس وقت بوجھل نہیں تھا۔ تو کیا بابا عبداللہ جو اس کا ہاتھ، ہاتھ میں لے کر اتنی دیر تک منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے رہے تھے اس وجہ سے یہ درد ختم ہو گیا تھا، بالکل اچانک۔ گو وہ کئی دن سے قرآنی آیات کا ورد بھی کر رہا تھا جو ان بزرگ نے بتائی تھیں۔ شاید دونوں ہی باتوں کا اثر تھا۔ اس سر درد نے کتنا خوار کیا تھا۔ ان بزرگ سے ملنے سے پہلے وہ کتنے ہی لوگوں سے ملا تھا۔ ایک روحانی سکالر نے اسے ''لوح'' بنوانے کے لیے کہا۔

''یہ ''لوح'' بنوالو۔ درد تو غائب ہو گا ہی اس کے اور بھی بہت سے فائدے ہوں گے اور اس کے لیے تین ہزار دے دو۔ لوح تیار کرنے کا خرچ ہو گا۔'' اور وہ دل ہی دل میں ہنس دیا۔

یا اللہ یہ تیرے بندے بھی کیسے کیسے طریقے ڈھونڈ لیتے ہیں پیسہ کمانے کے۔

یہ ''لوح'' کا کاروبار بھی اپنے عروج پر تھا اسے اسعد نے بتایا تھا کہ یہ روحانی پیشوا لاکھوں روپے دیتے ہیں میگزین والوں کو اپنا کالم چھپوانے کے لیے۔ اللہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے جب بندہ اسے پکارتا ہے تو وہ اپنے بندے کی فریاد ضرور سنتا ہے اور اسے جو دینا ہے بغیر لوح کے بھی دے دیتا ہے۔ اس نے وہاں سے آ کر اسعد کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں بھی تحقیق کر لے اور بتائے کہ اصل حقائق کیا ہیں۔

اور پھر وہ فیصل آبادی مولانا صاحب جنہوں نے جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر کچھ پڑھ کر پھونکا تو سامنے دیوار کے ساتھ پڑے ہوئے دیئے خود بخود جلنے لگے تھے اس سے اس نے از حد خوف محسوس کیا تھا۔

یہ شعبدہ تھا یا پھر وہ مولوی صاحب بھی کوئی ماہر جادو تھے۔ دیئے رک گئے تو انہوں نے بتایا تھا کہ اس پر جادو کا معمولی اثر ہے پھر انہوں نے بتایا تھا کہ جادو تین طرح کا ہے۔ حتر، منتر، دمتر۔ اس میں سے ایک سفلی اور شیطانی عمل ہے جو کہ ہم نہیں کرتے ہم تو صرف قرآن کی آیات سے توڑ کرتے ہیں۔

''خسرو..... خسرو بیٹا۔'' آمنہ نے اسے آواز دی تو وہ چونکا۔

''جی امی!''

''بیٹا! میں نے ضویا کو فون کر دیا تھا، وہ تیار ہے، جا کر لے آؤ۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ شاپنگ سے اگر وقت پر فارغ ہو گئی تو عفت کی طرف جاؤں گی ضویا کو ساتھ لے کر۔''

''جی بہتر امی!'' وہ اٹھا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا۔

''تھینک گاڈ۔ اس سر کے درد سے تو نجات ملی۔''

پتا نہیں اب یہ ان بزرگ کی کرامت تھی یا بابا عبداللہ کی وجہ سے ہوا تھا لیکن پچھلے کچھ عرصے سے اس کے سر میں بالکل درد نہیں ہوا تھا اور نہ ہی کندھوں پر کوئی بوجھ محسوس ہوتا تھا۔

''بیٹا! آتے ہوئے بھابھی جان کے لاکر سے زیور نکال لانا۔ میں چاہ رہی تھی اس میں سے جو عمارہ کو پسند ہو وہ رہنے دوں۔''

''جی اچھا۔'' وہ کمرے سے باہر نکلا۔

''او کے امی! میں جا رہا ہوں۔''

''اللہ حافظ بیٹا۔''

''اللہ حافظ۔''

وہ گاڑی کی چابی ٹی وی لاؤنج سے لیتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

بیگم ابرار علی ٹی وی لاؤنج میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھی تھیں۔ ضویا نے اپنے کمرے سے نکل کر انہیں دیکھا۔ کچھ دیر پہلے ہی خسرو اسے چھوڑ کر گیا تھا۔

''کیا بات ہے مام؟'' ضویا ان کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''ہاں۔'' انہوں نے ضویا کی طرف دیکھا۔

''کیسی ہیں تمہاری پھپھو؟''

''ٹھیک ہیں۔''

''ڈریس تیار تھا؟''

''جی لیکن ابھی لیا نہیں' کچھ چینج کروایا ہے پھپھو نے۔ پچاس ہزار کا بنا ہے۔ میچنگ جیولری بھی تیار ہو گئی ہے۔ تین لاکھ سے زیادہ کا ہی بنا ہے سیٹ بمع جھومر کے۔''

''ہاں بھئی' لے سکتے ہیں اس سے بھی مہنگا۔'' انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

وقت کیسے اور کتنی جلدی بدلتا ہے۔ خسرو کے دادا کی بہت ساری زرعی زمین تھی۔ گو دادا کی وفات سے پہلے ہی زمین خالی پڑی تھی۔ ظہیر حسین شاہ نے ایک بار سوچا بھی تھا کہ وہ یہ جگہ فروخت کر دیں لیکن جاب کی مصروفیت اور پھر زندگی نے ہی وفا نہ کی۔ چھوٹے سے بچے کا ساتھ تھا۔ آمنہ نے کبھی اس کے متعلق سوچا ہی نہ تھا۔ زمین پڑی تھی' پڑی رہے۔ خسرو بڑا ہو گا تو دیکھا جائے گا۔ ایک بار ابرار شاہ نے کہا بھی تھا کہ اس زمین کا کچھ کر لو۔ کہیں لوگ قبضہ ہی نہ کر لیں۔ تب آمنہ کو بتا کر انہوں نے چھ سات پلاٹ بنا کر اردگرد چار دیواری بنوا دی تھی۔ اب ایئر پورٹ بننے کی وجہ سے یکا یک جگہ کی قیمتیں بڑھ گئی تھیں۔ ایک کنال کے دس پلاٹ بنے تھے اور ایک ایک پلاٹ پچاس پچاس لاکھ کا فروخت ہوا تھا۔ ابھی کچھ زمین باقی بھی تھی اور خود خسرو۔ کتنا ہینڈسم اور خوبصورت ہے۔ کچھ دیر پہلے جب وہ ضویا کو چھوڑنے آیا تھا تو دونوں ساتھ ساتھ چلتے کتنے خوبصورت لگ رہے تھے لیکن وقت ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ کاش..... کاش انہوں نے ابرار شاہ کی بات مان لی ہوتی۔

جب سے ضویا نے بی ایس سی کا ایگزام دیا تھا۔ انہیں اس کی شادی کی فکر ہو رہی تھی۔ کتنے ہی لوگوں سے کہہ رکھا تھا انہوں نے۔ اس دوران رشتے کرانے والی مائی کتنے ہی رشتے لے کر آئی تھی لیکن جو لڑکے اچھے تھے' وہ سید نہ تھے اور جو سید تھے وہ لڑکے ان کے معیار پر پورے نہ اترتے تھے اور جب یہ ہی بات انہوں نے ابرار علی شاہ سے کہی تو انہوں نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

''یہ تمہارا ہیڈک ہے۔ تم نے آمنہ سے حسد کی وجہ سے خسرو کو ریجیکٹ کر دیا حالانکہ میری کتنی شدید خواہش تھی کہ خسرو..... ایک بات یاد رکھنا' لڑکا سید اور خاندانی ہو۔''

اور سامعہ ابرار علی شاہ بہت پریشان تھیں۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ جتنا جلدی ممکن ہو' وہ ضویا کی منگنی کر دیں خسرو کی شادی سے پہلے ہی۔ لیکن کوئی ڈھنگ کا رشتہ آ ہی نہیں رہا تھا۔ حالانکہ کیا کمی تھی ضویا میں' اتنی خوبصورت تھی وہ۔

''کاش خسرو اور وہ.....''

جب سے پچھتاووں نے ان کے دل میں پنجے گاڑے تھے خود بخود ہی ان

کا رویہ آمنہ کے ساتھ اچھا ہو گیا تھا۔ خسرو کی شادی کا سلسلہ جب سے شروع ہوا تھا' وہ بہت دلچسپی لے رہی تھیں۔ ہر معاملے میں مشورے دیتیں۔ ضویا' رابیل' زین کسی کو وہاں جانے سے نہ روکتیں۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ فطرتاً بری نہ تھیں۔ جب خسرو پیدا ہوا تھا اور ابرار شاہ' خسرو پر بہت زیادہ توجہ دینے لگے تھے بلکہ اکثر تو شام کو وہ باقاعدگی سے آمنہ کی طرف جانے لگے تھے۔ سامعہ چونکہ اس وقت تک بے اولاد تھیں' انہیں ابرار شاہ کا یوں ہر شام آمنہ کی طرف جانا کھلنے لگا تھا اور انہیں آمنہ اور خسرو سے چڑ سی ہو گئی تھی جو ضویا کی پیدائش کے بعد بھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

ضویا بغور ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ سامعہ کی کیفیات سمجھتی تھی اور ان کی خواہش بھی۔ کتنی ہی بار انہوں نے ضویا کے سامنے بھی دکھ کا اظہار کیا تھا کہ کتنا اچھا لڑکا انہوں نے ہاتھ سے گنوا دیا۔ ضویا کے دل میں بھی ہوک سی اٹھتی تھی۔

بظاہر اس نے دل کو سمجھا لیا تھا لیکن کبھی کبھی دل سے آہ نکل جاتی۔ ایک شخص کو دل سے نکالنا' بھول جانا اتنا آسان بھی نہیں ہوتا۔ شاید کچھ وقت لگے۔

اور کس قدر پاگل تھی وہ کہ عالیہ کے کہنے پر تعویذ وغیرہ کرنے لگی تھی۔ اس روز جب آمنہ نے بتایا کہ خسرو کے سر میں سخت درد رہتا ہے۔ شاید کسی نے کچھ کر دیا ہے تو اس کا دل کانپ سا گیا تھا۔ اگر خسرو کو کچھ ہو گیا تو..... اور تھوڑی سی کشمکش کے بعد اس نے خسرو کو سب کچھ بتا دیا۔ آنسو مسلسل اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ خسرو تاسف سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ضویا! تم بہت اچھی ہو' بہت پیاری ہو' یقیناً تمہاری رفاقت کسی بھی شخص کے لئے باعث فخر ہو سکتی ہے۔''

''آپ نے مجھے معاف کر دیا' کہیں میری وجہ سے تو یہ سر درد نہیں ہے۔ حالانکہ میں نے وہ تعویذ نکال لیا تھا۔''

''نہیں' کچھ نہیں ہوتا اس سے۔'' خسرو نے اسے بہت تسلی دی تھی۔

''پاگل لڑکی!'' کبھی کبھی وہ اسے چھیڑتا۔

''میں تو مغرور ہو گیا ہوں ضوئی! یعنی کوئی مجھے.....

اور وہ شرمندہ سی ہو جاتی لیکن دل میں ٹیسیں اٹھتی رہتی تھیں۔

یہ محبت کتنی ظالم شے ہوتی ہے' کبھی کبھی اسے پوری پوری رات نیند نہیں آتی تھی۔

''ضوئی!'' بیگم ابرار شاہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''جی مما!'' ضویا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''عالیہ کیسی ہے' خوش ہے نا اپنے گھر میں؟''

''جی..... ابتسام بھائی بہت اچھے ہیں اور آج کل وہ دونوں نیویارک گئے ہوئے ہیں۔''

''اچھا۔'' انہوں نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''اللہ تمہارا نصیب بھی اچھا کرے۔ عالیہ سے بھی کہا تھا میں نے کہ کوئی اچھا لڑکا ہو تو تمہارے لیے.....''

''مما پلیز.....'' ضویا نے انہیں ٹوک دیا۔

''میرے لئے پریشان نہ ہوا کریں' مجھے ابھی ماسٹرز کرنا ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اللہ تمہاری بھی عالیہ کی طرح قسمت کھولے۔''

''اور اب مما کو کیا پتا تھا کہ عالیہ نے ابتسام ملک کو کیسے اور کس طرح حاصل کیا ہے۔''

اس نے افسردگی سے سوچا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''پتا نہیں ابتسام ملک کو سچ مچ عالیہ سے محبت ہو گئی تھی یا یہ اس کالے جادو کا اثر تھا کہ اس واقعے کے بعد ایک روز عالیہ آئی تو بہت خوش تھی۔ ابتسام ملک نے مجھے پرپوز کیا ہے۔

اور پھر سب کچھ بہت جلدی ہوا تھا۔ عالیہ کے مما پپا کو ابتسام ملک بہت پسند آیا تھا۔ یوں چٹ منگنی پٹ بیاہ۔ عالیہ بے حد خوش تھی۔

''سچی ضوئی! ابتسام بہت اچھا ہے۔ بہت محبت کرنے والا۔ تم میرے لئے

دعا کرتی رہنا کہ وہ ہمیشہ مجھ پر اتنا ہی مہربان رہے اور اتنی ہی شدت سے محبت کرتا رہے۔''

اور اس نے عالیہ کی خوشیوں کے لئے بہت دعا کی تھی کہ اللہ اس کی خوشیوں کو ہمیشہ قائم رکھے۔

نیویارک سے بھی اس کے فون آتے رہتے تھے اور وہ ہمیشہ اسے اکساتی تھی کہ وہ خسرو کی محبت پانے کیلئے کچھ کرے۔ پیسوں کی فکر نہ کرے' وہ اسے ایک لاکھ روپیہ دے دے گی۔ لیکن ضویا نے اسے صاف منع کر دیا تھا۔

''نہیں یار! میں ان باتوں پر یقین نہیں کرتی اور پھر میں نے اپنے دل کو سمجھا لیا ہے۔''

''کیا واقعی؟'' عالیہ نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''ہاں۔''

''کیا بھولنا اور دل سے نکالنا آسان ہے ضوئی؟''

''مشکل ہو تب بھی۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

ایک عالیہ ہی تھی جس سے وہ اپنے دل کی بات کر سکتی تھی۔

''او کے' اس موضوع پر آ کر بات کریں گے۔''

''سچی ضوئی! اپنی محبت کو پالینا بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ زندگی میں جیسے یکدم رنگ ہی رنگ بکھر جاتے ہیں۔ میں آ کر دیکھوں گی کہ تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں۔''

وہ خاموش ہو گئی تھی لیکن جانتی تھی کہ عالیہ کے آنے سے پہلے ہی خسرو عمارہ کے ساتھ اپنی زندگی شروع کر چکا ہو گا لیکن وہ یہ بات ابھی عالیہ کو بتانا نہیں چاہتی تھی۔

''اور خسرو کتنا اچھا اور مہربان ہے میں کبھی بھی اس کیلئے برا نہیں سوچ سکتی وہ کتنا خوش ہے عمارہ کی رفاقت کے خیال سے۔''

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری' اندر کہیں دو آنسو ٹوٹ کر گرے اور گم ہو گئے۔

''ضویا..... ضوئی!'' بیگم ابرار شاہ کی آواز میں خوشی اور بے قراری تھی۔

''کیا ہوا ماما!'' وہ ہاتھوں کی پشت سے گیلی پلکیں پونچھتی ہوئی باہر آ گئی۔

''وہ..... وہ مسز امتیاز ہیں نا۔ وہی..... وہی جو اس روز آئی تھیں اپنے بھائی کے رشتے کیلئے' انہیں تم بہت پسند آئی ہو۔ ابھی ان کا ہی فون آیا تھا۔ وہ پوچھ رہی تھیں کہ کب آئیں مٹھائی لے کر۔ میں نے کہا کہ ابھی شاہ صاحب سے بات کر کے بتاؤں گی۔''

مسز ابرار کی آنکھوں سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔

''سید اور خاندانی لوگ ہیں۔ تمہارے پپا بہت اچھی طرح جانتے ہیں انہیں۔'' ضویا ساکت کھڑی تھی۔ اس کی سنہری آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

''تمہیں تصویر دکھائی تھی نا میں نے۔ بس ذرا عمر تھوڑی زیادہ ہے۔ دراصل ملک سے باہر رہ رہے ہیں' اس لئے شادی میں تاخیر ہوئی۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بنا بولے جا رہی تھیں۔

اور اس نے تصویر کب دیکھی تھی اور اگر دیکھی بھی ہوتی تو کیا فرق پڑتا تھا۔ دل پر تو پہلے ہی کسی کی تصویر بن چکی تھی اور ابھی اس تصویر کے نقش مدھم تو نہ پڑے تھے ابھی تو دل میں ٹیسیں اٹھتی تھیں اور آنکھوں میں درد پانی بن کر پھیل جاتا تھا' ابھی اتنی جلدی۔

''مما پلیز..... میں نے آپ سے کہا تھا کہ ابھی یہ سب کچھ مت کیجئے۔ مجھے ماسٹرز کرنا ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے پڑھنے کی۔ بیگم امتیاز کو بہت جلدی ہے۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ بس دو تین ماہ میں شادی کر دیں۔ مرتضیٰ کوئی خسرو جیسا تھوڑا ہی ہے جدی پشتی رئیس ہیں پھر باہر کی اتنی ڈگریاں ہیں اس کے پاس۔''

''بھلا خسرو کا یہاں کیا ذکر۔'' ضویا لب بھینچے کھڑی رہی۔

''میں تو تمہارے پپا سے بات کر کے فوراً ہی تاریخ دے دوں گی۔ آمنہ بیگم بھی سمجھ رہی تھیں کہ انہوں نے خسرو کا رشتہ اپنی نند کے ہاں کر لیا تو ضویا کو کوئی بر نہیں ملے گا اس جیسا۔''

''بھلا پھپھو نے ایسا کب سوچا ہے۔ یہ تو آپ تھیں مما! جو خسرو اور پھپھو کو ناپسند کرتی تھیں اور جنہوں نے ہمیشہ مجھ سے یہ کہا کہ پھپھو کی طرف زیادہ مت جاؤ۔''

وہ ایک ٹک پل پل بدلتی اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی۔ نم آنکھوں کے ساتھ۔

''ضویا! ایسا کرنا' کل صبح پارلر چلی جانا۔ میں رات تمہارے پپا سے بات کر کے کل شام کو مسز امتیاز کو بلالوں گی۔''

وہ اس سے بے نیاز اپنی ہی کہے جا رہی تھیں۔ ان کو ہمیشہ ہی ہر بات کی جلدی ہوتی تھی۔

''مما پلیز.....'' ضویا ایک قدم آگے بڑھ کر ان کے قریب آ بیٹھی۔

''ابھی نہیں ..... مما پلیز مجھے ماسٹرز کرنے دیں۔ مجھے ابھی شادی نہیں کرنا۔''

''وہ بہت اچھا لڑکا ہے ضویا!'' بیگم ابرار نے لہجے میں ذرا نرمی پیدا کی۔

''اور پھر اتنا پڑھا لکھا' سید فیملی کا۔ نہیں' میں اس رشتے کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گی۔ تم نہیں جانتیں بیٹا! آج کل ایسا رشتہ ملنا کتنا مشکل ہے اور رہی ماسٹرز کی بات تو شادی کے بعد کرتی رہنا۔ وہ خود اتنا پڑھا لکھا ہے' تمہیں پڑھنے سے نہیں روکے گا۔''

انہوں نے حتمی بات کی۔ ضویا جانتی تھی وہ اس کی کوئی بات نہیں سنیں گی اور وہی کریں گی جو انہوں نے ٹھان لی ہے لیکن پپا..... پپا ضرور اس کی بات سنیں گے وہ پپا سے بات کرے گی۔ اس نے سوچا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ بیگم ابرار اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ دل میں اک ہوک سی اٹھتی تھی۔ مرتضیٰ شاہ چھتیس اڑتیس سال کا تو ہوگا ہی اور ضویا کی عمر کیا تھی' صرف بیس سال لیکن عمر سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اچھا ہے' بہت خیال رکھے گا اور تو سب خوبیاں ہیں نا۔ وہ تو ایسا ہی رشتہ چاہتی تھیں ضویا کے لئے جو خسرو سے ہر طرح بہتر ہو اور مرتضیٰ شاہ تعلیم میں' دولت میں خسرو سے بڑھ کر ہی تھا۔

انہوں نے خود کو تسلی دی اور مطمئن سی ہو گئیں لیکن ضویا کو کسی پل چین نہیں تھا۔

''نہیں' ابھی نہیں
ابھی تو نس نس میں اک جلن ہے
کہ زہر غم خون بن کے رگ رگ میں دوڑتا ہے

ابھی گلابوں کی نیم وا آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی ہیں
شکستہ خوابوں کی کرچیاں سی
ابھی تو پوروں میں چبھ رہی ہیں
ابھی تو دلجوئی بھی گراں ہے
ابھی تسلی عذاب جاں ہے
ابھی نہ چھیڑو
ابھی سے تجدید غم کا مجھ میں نہ حوصلہ ہے' نہ آرزو ہے۔''

رات کا کھانا کھانے کے بعد سب حسب معمول ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے' تب ہی مسز ابرار نے مسز امتیاز کا ذکر چھیڑا تو ضویا اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب کارپٹ پر آ بیٹھی۔

''پپا! پلیز مما کو منع کر دیں' مجھے ابھی پڑھنا ہے۔ صرف دو سال..... پھر جہاں بھی کہیں گی.....''

وہ آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''تو پڑھیں بیٹا! آپ کو کس نے روکا ہے؟''

''وہ مما.....'' اس نے مڑ کر بیگم ابرار کی طرف دیکھا۔

''یہی بات تو کرنے لگی تھی آپ سے کہ بیگم امتیاز نے رشتہ دیا ہے ضویا کیلئے اور وہ دو تین ماہ کے اندر شادی بھی کرنا چاہ رہی ہیں۔''

''انہیں ایسی کیا جلدی پڑی ہے' ابھی تو ان کا بیٹا میرے علم کے مطابق بی ایس سی کر رہا ہے۔''

''اپنے بیٹے کیلئے نہیں، بھائی کیلئے۔''

''بھائی..... تمہارا مطلب ہے مرتضیٰ شاہ کیلئے۔'' ابرار شاہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''پپا..... پپا پلیز۔'' ضویا کے آنسو اس کے رخساروں پر پھسل آئے۔

''مما سے کہیں مجھے ماسٹرز کرنے دیں۔ اتنی جلدی مت کریں۔ مجھے تھوڑا

سا تو وقت دیں پپا! پلیز.....۔''

اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ ابرار شاہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''پپا پلیز.....تھوڑا سا وقت۔''

اس نے برستی آنکھوں سے انہیں دیکھا تو جیسے انہیں کوئی ادراک ہوا۔ اندر کہیں کسی احساس نے چٹکی لی۔ ضویا نے یہ کیوں کہا کہ تھوڑا سا وقت.....اور پھر خسرو کا چہرہ تصور میں مسکرایا۔

بے اختیار انہوں نے ضویا کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''ریلیکس بیٹا! ریلیکس۔''

''پپا! میں ماسٹرز کر لوں پھر جو چاہے' جہاں جی چاہے لیکن ابھی نہیں پلیز .....۔'' وہ ابھی تک سسک رہی تھی۔

''او کے.....او کے۔'' انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی

''جایئے جا کر منہ ہاتھ دھویئے بیٹا اور بے فکر ہو جائیں جو آپ چاہیں گی' ویسا ہی ہوگا۔''

''مگر شاہ صاحب! میری بات تو سنیں۔'' بیگم ابرار نے انہیں ٹوکا۔

''یہ کیا پاگل پن ہے۔ وہ تو بچی ہے' اتنا اچھا رشتہ ہے۔''

''سامعہ بیگم! یہ آپ سے کس نے کہا کہ اتنا اچھا رشتہ ہے۔'' انہوں نے بیگم ابرار کی طرف دیکھا۔

''کیوں' کیا میں نہیں جانتی ان کی فیملی کو اور پھر مرتضیٰ شاہ اتنے پڑھے لکھے ہیں۔ یورپ سے تعلیم حاصل کی.....۔''

''آپ کچھ نہیں جانتیں سامعہ بیگم!'' سید ابرار شاہ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

''مسز امتیاز نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ مرتضیٰ شاہ نے امریکہ میں ایک نہیں دو شادیاں کیں اور اب دونوں بیویوں کو چھوڑ کر یہاں پاکستان میں شادی کرنے آئے ہیں اور

اگر شادیاں کی ہیں تو بچے بھی یقیناً ہوں گے۔''

''نہیں۔'' بیگم ابرار نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

''مسز امتیاز نے تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔''

''کل فون کر کے پوچھ لیجئے گا۔'' ابرار شاہ کھڑے ہو گئے۔

''اور سن لیں' ضویا جب تک اپنا ماسٹرز مکمل نہ کر لے تب تک آپ اس سلسلے کو نہ چھیڑیں۔''

ضویا نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سنا اور مطمئن سی ہو کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

''امی اب اسعد بھائی کی بھی شادی کر دیں۔''

عمارہ بہت دنوں بعد گھر آئی تھی اور سب ہی اسے گھیرے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ پڑھاکو سی مازیہ بھی اس وقت پڑھائی چھوڑ کر ٹی وی لاؤنج میں عمارہ سے جڑی بیٹھی تھی۔

''ہاں' میں بھی سوچ رہی ہوں کہ اب اسعد کی شادی ہو جانا چاہیے۔'' عفت بیگم نے اسعد کی طرف دیکھا۔

''نہیں امی! اتنی جلدی بھی کیا ہے۔'' جھینپے جھینپے سے اسعد نے فوراً کہا۔

''واہ جلدی کیسی؟ خسرو تم سے چھوٹا ہے اور اس کی شادی ہو گئی ہے اور تمہیں جلدی لگ رہی ہے۔ عمارہ نہ بھی کہتی تب بھی تمہارے ابی جان سے میں نے کہہ دیا ہے کہ اب تمہاری شادی ہو جانا چاہیے۔''

''تاکہ ہماری باری بھی آئے۔ اب ظاہر ہے ہم بھی فارغ التحصیل ہو چکے اور خوش قسمتی سے جاب بھی مل گئی ہے۔'' اژمیر نے جو ایک طرف بیٹھا اپنے موبائل سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا' شرارت سے اسعد کی طرف دیکھا۔

''تمہاری بھی ہو جائے گی لیکن پہلے اسعد کی ہو گی۔ عمارہ بیٹا! تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہے۔'' وہ بات کرتے کرتے عمارہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''امی جان! لڑکیاں تو کئی ہیں۔ میری ایک کلاس فیلو رخشندہ بھی مجھے بہت

اچھی لگتی تھی لیکن میں جب بھی ضویا سے ملتی ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس لڑکی کو میری بھابھی ہونا چاہیے۔لیکن وہ تو بڑے لوگ ہیں' شاید.....۔''

اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''ہاں' ضویا اچھی بچی ہے۔ایک دو بار مجھے خیال آیا ضویا کا لیکن پھر یہی سوچ کر چپ ہوگئی کہ بھلا ابرار بھائی کا اور ہمارا کیا مقابلہ۔''

''دولت ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی امی جان! کیا پتا ابرار انکل صرف خاندانی شرافت دیکھیں۔'' مازیہ منمنائی۔

''پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔''

مازیہ کو بھی ضویا اچھی لگتی تھی۔

''ہاں پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔'' عفت بیگم نے عمارہ کی طرف دیکھا۔

''تم خسرو سے بات کرنا بلکہ ممانی سے کہنا وہ بھابھی کے کانوں میں بات ڈال دیں گی۔اگر ان کی مرضی ہوئی تو ہم پوچھ لیں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے امی جان! میں ممانی جان سے بات کرلوں گی لیکن اسعد بھائی سے بھی تو پوچھیں' ان کی کیا مرضی ہے۔''

عمارہ نے اسعد کی طرف دیکھا جو سر جھکائے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

''ارے بھائی سے کیا پوچھنا' مجھ سے پوچھ لیں۔ بھائی کو ضویا پسند ہے۔'' اژمیر نے موبائل آف کرکے پاکٹ میں رکھا اور اسعد کی طرف دیکھا۔

''کیوں بھائی! صحیح کہا نا میں نے؟''

''ہیں.....کیا؟'' اسعد چونکا۔

''یہی کہ آپ کو ضویا ابرار شاہ پسند ہے۔''

''ہاں' اچھی لڑکی ہے لیکن شادی.....'' اسعد نے دل ہی دل میں کوئی فیصلہ کرتے ہوئے عفت بیگم کی طرف دیکھا۔

''میں نے کسی سے وعدہ کرلیا ہے شادی کا۔''

''ارے واہ۔'' اژمیر نے چٹکی بجائی اور عمارہ کی طرف دیکھا۔

''دیکھا میں نا کہتا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔وہ شاعری.....وہ نظمیں.....بھئی کہاں ہے وہ.....۔

''تیرے لب کے یہ جو گلاب ہیں''

ضرور کسی کے لیے تھے۔جلدی سے بتائیں اسعد بھائی کون ہیں وہ محترمہ' جنہیں مستقبل میں ہماری بھابھی ہونے کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔''

عفت سمیت سب ہی اسعد کو دیکھ رہے تھے۔

''قانتا۔''

''قانتا۔'' عمارہ اور اژمیر کے لبوں سے ایک ساتھ نکلا۔

''لیکن آپ نے تو بتایا تھا کہ اس کا نکاح ہوچکا ہے۔''

''ہاں.....مگر اسے طلاق ہوگئی ہے رخصتی سے پہلے ہی۔اس کے شوہر نے امریکہ میں شادی کرلی اور اسے طلاق نامہ بھیج دیا۔'' اسعد بے حد سنجیدہ تھا۔اس وجہ سے اس کی والدہ کو انجائنا کا اٹیک ہوگیا تو میں نے اس کی والدہ سے وعدہ کرلیا کہ میں.....۔''

''یعنی ہمدردی کا کیس ہے۔'' اژمیر نے مایوسی سے سر ہلایا۔

''میں سمجھ رہا تھا کہ کوئی محبت وغیرہ کا چکر ہے۔''

''امی جان!'' اسعد نے عفت کو خاموش دیکھ کر آہستگی سے کہا۔

''امی جان! وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔سادہ' سچی اور مخلص۔اس طلاق میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے اور پھر اس کا خاندان بھی بہت معزز ہے۔'' عفت ہنوز خاموش تھیں۔

اژمیر اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس جا بیٹھا اور اپنا دایاں بازو ان کے گرد حمائل کرتے ہوئے چہرے کو تھوڑا سا جھکا کر ان کی آنکھوں میں جھانکا۔

''امی جان! پلیز آپ کا یہ بیٹا آپ سے درخواست کرتا ہے کہ آپ بڑے پن کا ثبوت دے کر ثابت کردیں کہ آپ ہمارے جیسے اعلیٰ ظرف بیٹوں کی ماں ہیں۔''

عفت بیگم اس کے بولنے کے انداز پر ہنس پڑیں اور ہولے سے اسے چپت لگائی۔

''پورے ایکٹر ہو تم۔'' اور پھر مسکرا کر اسعد کی طرف دیکھا۔

''میں تمہارے ابی جان سے بات کروں گی۔'' اور اژمیر کا بازو ہٹاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ضویا باجی اتنی اچھی لگتی تھیں مجھے۔'' مازیہ نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں نے تو تصور میں انہیں اپنے گھر دلہن بن کر آتے بھی دیکھ لیا تھا۔''

''تو ڈیر تم اپنا تصور خراب مت کرو۔'' اژمیر چہکا۔

''حاضر ہوں دل و جاں سے' کیڑا ہوں گرچہ میں ذرا سا۔''

''آپ!'' مازیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''ہاں میں' کیا تمہاری ضویا باجی کے قابل نہیں ہوں۔''

''میں بات کروں گی ممانی جان اور خسرو سے۔''

''تھینک یو ڈیئر سسٹر!'' اژمیر نے اس کے سامنے سر خم کیا۔

اندر ایک ساتھ بہت سے جگنو چمک اٹھے تھے جو ضویا کو دیکھ کر جھلملاتے تھے وہ ضویا کیلئے دل میں پسندیدگی کا جذبہ رکھتا تھا لیکن جب سے اس نے اسعد کی آنکھوں میں اس کے لئے پسندیدگی محسوس کی تو اس جذبے کو اندر ہی دبا دیا تھا لیکن اب جبکہ اسعد نے قانتا کا نام لیا تھا تو اس جذبے نے پھر اس کے اندر چراغاں کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

''ضوئی کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا؟'' آنکھوں میں آنسو بھرے ضویا کے دونوں ہاتھ تھامے عالیہ نے پوچھا تھا۔

''ہاں عالی! تم سچے دل سے توبہ کرو گی تو وہ ضرور تمہیں معاف کر دے گا۔ وہ دل سے کی جانے والی توبہ ضرور قبول کرتا ہے۔''

''ہاں' سب کہتے ہیں۔'' عالیہ نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔

''لیکن میرے دل کو اطمینان نہیں ہوتا ضوئی! میں نے کفر کیا' میں اسلام سے خارج ہو گئی ہوں نا۔''

''مگر وہ بہت رحیم و کریم ہے عالی! وہ اپنے بندوں کی فریاد سنتا ہے' جب وہ اسے سچے دل سے پکارتے ہیں۔''

''تم میرے لیے دعا کرتی ہو نا؟''

''ہاں۔'' ضویا نے سر ہلا دیا۔

''وعدہ کرو ضوئی! میرے بعد بھی تم میری مغفرت کی دعا کرتی رہو گی۔ مجھے قرآن پڑھ کر بخشا کرو گی۔''

''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے عالی!'' ضویا کی آنکھوں کی سطح نم ہو گئی۔

یہ وہ مکالمے تھے جو کم و بیش ہر روز ہی اس کے اور عالیہ کے درمیان ہوتے تھے۔ وہ تقریباً روز ہی عالیہ کو دیکھنے شوکت خانم اسپتال آتی تھی' جہاں پچھلے تین ماہ سے وہ ایڈمٹ تھی۔

وہ ابتسام ملک کے ساتھ بہت خوش اور پرسکون زندگی گزار رہی تھی۔ ابتسام ملک نے کبھی اس کی کوئی بات رد نہیں کی تھی اور اسے بے تحاشا چاہتا تھا۔

''ابتسام بہت لونگ اور کیرنگ ہے ضوئی! میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ ایسا ہو گا۔'' وہ اکثر ضویا سے کہتی تھی۔

''اور اس کے گھر والے بھی سب بہت محبت کرنے والے ہیں۔ اس کے ممی' ڈیڈی اور بھائی سب بہت خیال رکھتے ہیں میرا' بہت چاہتے ہیں۔ ہفتے میں ایک بار ضرور ممی ڈیڈی مجھ سے فون پر بات کرتے ہیں۔ میں نے جو چاہا پا لیا کتنا کہا تھا تم سے بھی..... لیکن تم نے میری بات نہیں مانی اور خسرو کو وہ لے اڑی' اس کی کزن۔ سچی وہ تمہارے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں ہے اور تم..... دکھ ہوتا ہے تمہیں دیکھ کر مجھے اگر ذرا سی ہمت کر لیتیں نا تم.....''

''نہیں عالی! میں خوش ہوں۔ مجھے کوئی دکھ نہیں ہے۔''

''تمہاری آنکھیں تو کچھ اور کہتی ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی۔

''عالی! ہم زبردستی کچھ نہیں چھین سکتے جو ہمارے نصیب میں ہوتا ہے' وہ ہمیں ضرور ملتا ہے' اور جو نصیب میں نہیں ہوتا' وہ نہیں ملتا' چاہے ہم کتنی ہی کوشش کریں۔''

''لیکن میں نے تو اپنی کوشش سے ابتسام ملک کو حاصل کیا ہے۔''

''نہیں عالی! ابتسام ملک کا ساتھ تمہارے نصیب میں تھا تو تمہیں یوں بھی مل جاتا۔ چاہے تم وہ سب کچھ نہ کرتیں۔'' عالیہ کو اس کی بات پر بے حد حیرت ہوئی تھی۔

''ضویا! یونیورسٹی جا کر تم کچھ بدل نہیں گئیں بڑی اوکھی اوکھی باتیں کرنے لگی ہو۔''

''میں پہلے بہت ناسمجھ تھی لیکن یونیورسٹی میں مجھے اچھے اساتذہ ملے' اچھی سہیلیاں بھی ملی ہیں۔ کچھ میں نے ان سے سیکھا، کچھ پھپھو اور خسرو سے۔ میں اپنے مذہب سے دور تھی۔ خسرو نے مجھے دین اور مذہب کے حوالے سے بہت سی کتابیں لا کر دیں۔ مجھے بتایا کہ جادو کرنے اور کرانے والا کافر ہے۔ یہ گناہ ہے۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے کہ

''بے شک ضرور انہیں یہ معلوم ہے کہ جس نے یہ سودا لیا آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں اور بے شک کیا بری چیز ہے وہ۔''

''لیکن میں نے سنا ہے کہ بابل میں دو فرشتے تھے' ہاروت و ماروت۔ جن سے لوگ جادو سیکھتے تھا گر یہ کفر ہے تو وہ فرشتے کیوں جادو سکھاتے تھے؟''

عالیہ کو بحث کرنے کی عادت تھی۔

''عالی! یہی تو ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم پورا علم نہیں رکھتے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ

''شیطان کافر ہوئے اور لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں اور وہ جادو جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اترا' وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے تھے کہ جب تک کہہ نہ لیتے تھے کہ ہم تو تیری نری آزمائش ہیں۔ تو اپنا ایمان نہ کھو۔''

''عالی! یہ میاں بیوی میں جدائی ڈالنے کے لئے جادو سیکھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''اس سے وہ ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر اللہ کے حکم سے۔''

''پتا نہیں یہ جادو کب اور کہاں شروع ہوا لیکن میں نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے لوگوں سے اس کے متعلق سن رہی ہوں۔ مما کہتی ہیں کہ بنگال میں جادو وغیرہ

بہت ہوتا تھا۔ ادھر پاکستان میں کچھ عرصہ پہلے یہ کاروبار شروع ہوا ہے۔''

''عالی میں نے تفسیر میں پڑھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل جادو سیکھنے میں مشغول ہوئے تو آپ نے انہیں روکا اور ان کی وہ کتابیں جن سے وہ جادو سیکھتے تھے لے کر اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیں۔ ان کی وفات کے بعد شیاطین نے وہ کتابیں نکال لیں اور لوگوں سے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی کے زور سے حکومت کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے علماء نے تو اس سے انکار کیا لیکن جہلا اسے سیکھنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وما کفر سلیمٰن ولکن الشیطین.....

اور سلیمان نے کفر نہ کیا ہاں شیطان کافر ہوئے۔

تو مائی ڈیئر..... جادو کفر ہے۔''

اور عالیہ خوف زدہ ہو گئی لیکن حیرت انگیز طور پر وہ گزرتے وقت کے ساتھ شاکر اور پرسکون ہوتی جا رہی تھی۔ گو عالیہ بہت خوش تھی لیکن کبھی کبھی ڈر جاتی۔

''ضویٰ! میری خوشیوں کے مستحکم رہنے کی دعا کرنا۔ کہیں مجھے میری اپنی نظر ہی نہ لگ جائے۔ سچی کبھی کبھی مجھے خود اپنی خوش نصیبی پر رشک آتا ہے۔ خدا کرے کہ ابتسام مجھے ہمیشہ یونہی چاہتا رہے۔''

لیکن اس کی خوش نصیبی کو سچ مچ نظر ہی لگ گئی تھی۔ ان دنوں وہ نئے مہمان کی آمد کی خبر پا کر بہت خوش تھی اور ابتسام تو خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔

لیکن پھر وہ مہمان جس نے دنیا میں آنا تھا اور جس کی آمد کی خبر پاتے ہی ابتسام اور اس نے اس کیلئے شاپنگ کرنا شروع کر دی تھی' وہ دنیا میں آیا اور شاید اسے یہ دنیا پسند نہ آئی تھی کہ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

''وہ بالکل صحیح تھا ضویٰ! میں نے اسے روتے سنا تھا اور جب نرس نے نہلا کر اس کو میری گود میں ڈالا تھا تو اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تھا لیکن پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں یکدم' کیوں ضویٰ! کیوں ہوا ایسا۔ لمحوں میں سب کچھ ختم ہو گیا۔'' وہ ان دنوں پاگل ہو رہی تھی۔

''کیا یہ میرے کئے کی سزا ہے ضوئی؟''

وہ سارا دن روتی رہتی تھی ابتسام اسے سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا۔

''وہ اتنی ہی زندگی لایا تھا۔ اللہ ہمیں ضرور اولاد دے گا۔''

''لیکن وہ ..... وہ کیوں نہیں رہا سامی! وہ بالکل تمہارے جیسا تھا۔ تم نے دیکھا تھا نا؟'' اور پھر ایسے ہی جذباتی لمحوں میں ایک روز اس نے ابتسام ملک کو سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ وہ حیرت سے سنتا رہا۔

''تم..... تم عالی! تم نے ایسا کیا۔ تم تو ایک پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہو۔''

وہ روتی رہی۔

''میں تو سچ مچ تم سے محبت کرنے لگا تھا عالی!'' ابتسام کو بے حد دکھ ہوا تھا۔

''تم جیسی لڑکی سے کیا بعید کہ اگر کل تم نے مجھے حاصل کرنے کیلئے جادو کروایا تھا تو آج تم مجھے مارنے کیلئے بھی ایسا ہی کر سکتی ہو۔''

''نہیں سامی! ایسا مت کہو۔ پلیز' میں تم سے بہت بے حساب محبت کرتی ہوں۔ اللہ نے میرا بچہ مجھ سے لے کر مجھے سزا دی ہے نا۔ تم اب مجھے کوئی سزا نہ دینا۔''

ابتسام بالکل خاموش ہو گیا تھا اور وہ پریشان سی سارے گھر میں چکراتی پھرتی یا ضویا کی طرف چلی آتی۔

''عالی! تم کچھ دنوں کیلئے دوبئی چلی جاؤ۔ وہاں جا کر تمہاری طبیعت بہل جائے شاید۔'' ضویا نے اسے مشورہ دیا تھا۔

''ہاں۔ مما پپا بھی بلا رہے ہیں اور ابتسام بھی یہی چاہتا ہے کہ میں کچھ دنوں کیلئے دوبئی چلی جاؤں۔ ضوئی! اب سامی مجھ سے پہلے جیسا پیار نہیں کرتا۔ اس کے رویے میں یکدم ہی سرد مہری آ گئی ہے۔ ٹھیک ہے میں نے غلط کیا لیکن اسے ہی پانے کیلئے کیا نا۔'' وہ روئے چلی جاتی۔

''ابتسام کو شاک لگا ہے تمہارے اس عمل سے' پھر بیٹے کی موت کا غم اسے بھی تو ہے نا۔ کچھ وقت لگے گا نا اسے سنبھلنے میں۔'' ضویا اسے سمجھاتی۔

پھر وہ دوبئی چلی گئی۔ اس کی مما خود آ کر اسے لے گئی تھیں۔ شاید ابتسام نے

ہی انہیں فون کیا تھا۔ دوبئی سے بھی کبھی کبھی اس کے فون آتے۔

''ضویا! ابتسام مجھے مس نہیں کرتا' ایسے جیسے میں اسے کرتی ہوں۔ وہ مجھے پہلے جیسی بے تابی سے فون نہیں کرتا۔ لگتا ہے اس جادو کا اثر ختم ہو گیا ہے۔ ضویا پلیز' میری خاطر تم ایک بار اس بابے کے پاس جاؤ اور وہ جتنے پیسے مانگے دے دو۔''

''پاگل ہو گئی ہو عالیہ!''

''ہاں' شاید میں پاگل ہی ہو گئی ہوں۔ اسے کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔''

''تم شاید بھول رہی ہو عالیہ! کہ کل تک تم یہ سمجھ رہی تھیں کہ تمہارا بیٹا اس دنیا سے اس لئے چلا گیا کہ تم نے غلط کام کیا تھا' اب پھر تم ویسا ہی کرنا چاہتی ہو۔''

''میں کیا کروں عالیہ! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

وہ رونے لگی تھی پھر ایک دن اچانک وہ ابتسام ملک کے ساتھ ملنے چلی آئی۔

''ارے عالی! تم کب آئیں؟'' ضویا کو اسے ابتسام کے ساتھ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھی۔

''کل شام کو۔'' اس کی رنگت ماند پڑ گئی تھی اور وہ پہلے کے مقابلے میں بہت کمزور لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑے تھے۔

''تم ٹھیک تو ہو نا؟''

''ہاں کچھ دنوں سے کمزوری بہت محسوس ہوتی ہے لیکن اب ٹھیک ہو جاؤں گی ضوئی! سامی نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہم ایک بار پھر نئے سرے سے زندگی شروع کریں گے اور میں کوشش کروں گا کہ یہ بات اپنے ذہن سے نکال دوں۔''

اس نے سرگوشی میں اسے بتایا تھا۔ اس روز وہ بس آدھا گھنٹہ ہی بیٹھے تھے۔

ضویا کو حقیقتاً بہت خوشی ہوئی تھی اور اس نے سچے دل سے دعا کی تھی کہ خدا کرے اب عالیہ اور ابتسام ملک خوش رہیں لیکن کچھ دعائیں قبول نہیں ہوتیں' چاہے کتنے ہی جذبے سے کیوں نہ مانگی جائیں۔ اچانک انکشاف ہوا تھا کہ عالیہ کو بلڈ کینسر ہو گیا ہے جانے کب سے

یہ خونی مرض اندر چھپا تھا۔ روز بروز اس کی گرتی صحت کے پیش نظر جب ابتسام ملک چیک اپ کیلئے اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا تو خون کے ٹیسٹ سے پتا چلا کہ اسے بلڈ کینسر ہے۔ چند ماہ تک تو ابتسام اسے مختلف جگہوں پر لیے لیے پھرا۔ امریکہ بھی لے کر گیا لیکن کہیں سے کوئی امید نہ بندھی۔ پھر دھیرے دھیرے وہ بیزار سا ہوتا گیا۔ ان دنوں وہ اپنے والدین کے پاس امریکہ گیا ہوا تھا اور ان چھ ماہ میں اس نے ایک آدھ بار ہی عالیہ کو فون کیا تھا عالیہ اپنی نانی کے گھر میں تھی جہاں اس کے مما' پپا' بھائی سب آئے ہوئے تھے اور اس کے والدین نے اسے اسپتال میں ایڈمٹ کروادیا تھا' جہاں اس کا علاج ہو رہا تھا۔

ایک بار اس کی تھراپی ہو چکی تھی' اب دوسری تھراپی ہونا تھی۔ ضویا چونکہ ایم اے فائنل کے ایگزام کے بعد فارغ تھی' اس لئے تقریباً روز ہی عالیہ کو دیکھنے جاتی تھی۔ اب وہ خود ہی گاڑی ڈرائیو کر لیتی کبھی کبھی رابیل بھی آجاتی تو عالیہ اسے کہتی۔

''یار رابی! میں نے تو تم سے وعدہ لیا تھا کہ اگر کبھی میں بیمار پڑی اور تمہارے کلینک میں داخل ہوئی تو تم میرا مفت علاج کرو گی لیکن موت نے تمہارے ڈاکٹر بننے سے پہلے ہی مجھے دبوچ لیا ہے۔ ویسے سچ بتاؤ' میں اگر بیمار ہو کر تمہارے اسپتال میں آتی تو تم مفت علاج کرتیں نا!''

اور رابیل رو پڑتی۔

''آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی اور بڑھاپے میں میرے ہاسپٹل میں آئیں گی' تب میں آپ سے ایک روپیہ بھی وصول نہیں کروں گی۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے' آپ بھی اپنا وعدہ یاد رکھنا کہ آپ کو میرے ہاسپٹل میں آنا ہے۔''

''وہ وعدہ ہی کیا رابی! جو وفا ہو گیا۔'' ایک زخمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ٹھہر جاتی۔

کبھی کبھی وہ حیرت انگیز طور پر پرسکون ہو جاتی اور کبھی بہت بے چین۔

''کیا سوچنے لگی ہو ضویٰ؟''

عالیہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''کیا تم..... تمہیں یقین ہے کہ اللہ مجھے معاف کر دے گا؟''

''ہاں' وہ بہت رحیم و کریم ہے عالی!'' ضویا نے ایک جذبے سے کہا۔

''ضویٰ! تمہاری شادی کب ہے؟''

عالیہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''پتا نہیں' ابھی تاریخ طے نہیں ہوئی لیکن اسی ماہ کے اینڈ تک۔ دراصل اژمیر ہائر ایجوکیشن کے لئے باہر جا رہا ہے اور پپا چاہتے ہیں کہ اس کے جانے سے پہلے شادی ہو جائے۔''

''وہ کیسا ہے ضویا؟'' عالیہ کی آنکھوں میں اشتیاق تھا۔

''کیا خسرو جیسا۔''

''شکل و صورت میں کچھ کچھ خسرو سے ملتا لیکن عادتاً مختلف۔ خسرو جیسا سنجیدہ نہیں' بہت ہنس مکھ اور بے تکلف سا ہے۔''

''تم نے کہا تھا نا ضویا! کہ شاید تمہارے نصیب میں خسرو جیسا یا اس سے اچھا شخص لکھا ہو تمہاری بات صحیح نکلی اور میں.....'' اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''ابتسام ملک میرے نصیب میں لکھا تھا اگر میں وہ سب کچھ نہ بھی کرتی تو بھی مجھے اس کی رفاقت ملنا تھی' ایک دن مل جاتی۔ تب شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ میرا بچہ مجھ سے نہ بچھڑتا' میں.....'' آنسو اس کی پلکوں کے کناروں پر آ کر ٹھہر گئے۔

''عالی پلیز' رونا نہیں۔'' ضویا نے التجا کی۔ وہ روتی تو پھر اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔

''میں تو نہیں رو رہی۔'' وہ مسکرانے کی کوشش کرتی۔

''ضویٰ! میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہاری شادی میں شریک ہوں' اژمیر کو دیکھوں لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ تھراپی کے بعد شاید نہ بچ سکوں۔''

''تم میری شادی میں ضرور شریک ہو گی' پہلے بھی تو تمہارے تھراپی ہوئی تھی' تم نے برداشت کر لی۔''

''لیکن اب' اب مجھے لگتا ہے شاید برداشت نہ کر پاؤں۔''

''کچھ نہیں ہو گا عالی! تم دیکھنا' تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔''

ضویا نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر تسلی دی۔

''ضوئی! تم ممی سے کہو نا مجھے کچھ دن کیلئے گھر لے چلیں۔ یہاں کے ماحول سے میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔''

''لیکن ڈاکٹرز شاید اجازت نہ دیں۔''

''میں نے ڈاکٹرز سے بات کی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ میں ایک دو روز کے لئے جا سکتی ہوں لیکن ممی شاید ڈرتی ہیں۔ میں ممی کو بالکل تنگ نہیں کروں گی ضوئی! مجھے تکلیف ہوئی بھی تو نہیں بتاؤں گی تم پلیز ممی کو منا لو۔''

''اچھا!'' ضویا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ''میں تمہاری ممی سے بات کروں گی۔''

''کون سی بات بیٹا؟'' عالیہ کی ممی ہاتھ میں باسکٹ لیے اندر آ رہی تھیں۔

''کچھ نہیں آنٹی! عالیہ گھر جانا چاہتی ہے کچھ دنوں کیلئے۔''

''جانتی ہوں لیکن گھر میں اس کی طبیعت خراب ہو جائے تو میں کیا کروں گی اس کے ڈیڈی بھی چلے گئے ہیں' کچھ ضروری کام تھا۔ ایک دو روز تک آ جائیں گے پھر چلیں گے گھر۔''

''ممی! آپ نے ابتسام سے بات کی تھی' بتایا تھا اسے؟'' عالیہ نے اچانک پوچھا۔

''ہاں بیٹا! وہ تمہارے لئے بہت پریشان تھا۔''

''اچھا!'' عالیہ کے ہونٹوں پر بے یقین سی مسکراہٹ ابھری۔

''پھر وہ مجھے فون کیوں نہیں کرتا' بیس دن ہو گئے ہیں اسے مجھ سے بات کیے۔'' اس کی آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔

''وہ کہہ رہا تھا ایک دو روز میں پاکستان آ رہا ہے۔ تمہاری تھراپی سے پہلے آ جائے گا۔''

''سچ ممی! یہ کہا تھا ابتسام نے۔'' اس کی آنکھیں یکدم چمک اٹھی تھیں۔

''میں نے دعا کی تھی کہ موت سے پہلے ایک بار سامی کو دیکھ لوں۔ شاید اللہ

نے میری دعا سن لی ہے۔''

اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔ ممی نے اپنے آنسو چھپانے کیلئے چہرہ موڑ لیا۔

''عالی! تم تھک گئی ہو' اب لیٹ جاؤ نا۔'' ضویا کی آنکھوں میں بھی آنسو مچل رہے تھے۔

اس نے بازوؤں سے تھام کر اسے لٹایا۔ تکیے پر سر رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں۔

''ضویا! ابھی نہ جانا' کچھ دیر بیٹھنا میرے پاس۔ ابھی ڈاکٹر آئے گا تو اس سے میرے گھر جانے کی بات ضرور کرنا۔'' اس نے آنکھیں موندے موندے کہا۔

''میں بیٹھی ہوں تمہارے پاس۔ تم آرام سے سو جاؤ۔''

''میں گھر جا کر ابتسام سے بات کرنا چاہتی ہوں' بہت دیر تک۔'' وہ آنکھیں بند کیے ہولے ہولے بول رہی تھی۔

''پھر اپنے بیٹے کی قبر پر جاؤں گی۔ اسے بتاؤں گی کہ وہ مجھ سے روٹھ کر چلا گیا تھا لیکن میں اب اس کے پاس آ رہی ہوں اسے منانے۔''

''اور میں..... میں اپنے خدا سے معافی مانگوں گی' سجدے میں گر کر..... رو رو کر' گڑگڑا کر۔''

ممی سے ضبط نہ ہوا تو وہ آنسو پونچھتے ہوئے باہر نکل گئیں اور ضویا ہونٹ دانتوں تلے بھینچے عالیہ کو دیکھنے لگی جس کی رنگت زرد ہو رہی تھی اور ہونٹ دھیرے دھیرے ہل رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

''اف..... آنکھیں نیند سے بند ہو رہی ہیں یار! ایک کپ چائے تو بنا دو۔'' خسرو نے کرسی پر گرتے ہوئے کہا۔

''آپ کچھ دیر سو جائیں۔''

''نہیں' سونے کا وقت کہاں ہے۔ ساڑھے سات بج رہے ہیں۔ چائے پی کر ذرا فریش ہو جاؤں گا۔ آٹھ بجے تو مجھے تھانے کیلئے نکلنا ہے۔''

''خسرو نے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

آج اژمیر اور ضویا کی فلائٹ تھی چار بجے کی۔ گھر سے وہ دو بجے نکلے تھے لیکن پوری رات سب ہی جاگتے رہے تھے۔ عمارہ' وہ اور آمنہ بیگم رات ہی کو عفت بیگم کے ہاں چلے گئے تھے اور اب ائیر پورٹ سے واپسی پر وہ گھر آ گیا تھا جبکہ آمنہ بیگم ادھر ہی تھیں۔

''آج چھٹی کر لیں۔'' عمارہ نے مشورہ دیا۔

''نہیں' چھٹی تو نہیں کر سکتا آج۔ ایک مجرم کا ریمانڈ لینا ہے لیکن کوشش کروں گا جلدی آ جاؤں۔ تم میرے جانے کے بعد سو جانا تمہارے لئے آرام بہت ضروری ہے۔''

عمارہ کے رخساروں پر رنگ سے دوڑ گئے اور وہ چائے بنانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ خسرو نے اس کے چہرے پر بکھرتے رنگوں کو دیکھا اور اپنی خوش قسمتی پر رشک کیا۔

اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں سو نیند بھگانے کیلئے اس نے قریب پڑی ٹیبل سے ایک دن پرانا سنڈے میگزین اٹھا لیا۔ عمارہ چائے لے کر آئی تو اس کے لب بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں سے گہری افسردگی جھلک رہی تھی۔

''کیا ہوا خسرو! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

وہ یکدم پریشان ہو گئی۔

''ہاں۔'' وہ افسردگی سے مسکرایا۔ ''یہ میگزین دیکھ رہا تھا' تم نے دیکھا۔''

''یہ دیکھو۔'' اس نے میگزین کھول کر اس کی طرف بڑھایا۔ ایک معروف اخبار کا سنڈے میگزین تھا۔ عمارہ اس میں چھپنے والے آرٹیکل بڑے شوق سے پڑھا کرتی تھی۔

''کیا کوئی خاص مضمون ہے؟''

''نہیں یہ اشتہارات دیکھو۔'' پورے صفحے پر اشتہار تھا۔

''جوگی بشیر ناتھ بنگالی' اسی سالہ تجربہ' جو میرے کاٹ کیے ہوئے علم پر علم کر سکے اس کے لئے پانچ لاکھ نقد انعام' تین دن میں سب کچھ ٹھیک' محبوب آپ کے

قدموں میں۔''

عمارہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''میں تو کئی دنوں سے یہ اشتہارات دیکھ رہی ہوں بلکہ اس روز کیبل پر بھی آ رہا تھا اور جب ایسے اشتہارات دیکھتی ہوں تو مجھے ضویا کی دوست عالیہ یاد آ جاتی ہے۔''

''میں نے ضویا سے وعدہ کیا تھا کہ کبھی کبھی اسے دیکھنے جایا کروں گا۔''

''ساری محنت رائیگاں گئی۔'' خسرو نے چائے کا کپ اٹھایا اور ایک گھونٹ لے کر واپس رکھ دیا۔

''اس ساری بھاگ دوڑ کا حاصل کچھ بھی نہیں۔ کتنی گرفتاریاں ہوئیں۔ کتنے چھاپے پڑے۔ اخبارات پر پابندیاں لگیں مگر سب بے فائدہ۔ کچھ عرصہ کی روپوشی کے بعد ان کا کاروبار پھر شروع ہو گیا تھا اور اخبارات میں اشتہارات بھی پھر سے آنے لگے۔ عمارہ! یہ جھوٹے روحانی عامل اور جادوگر' کالے جادو کا کاروبار کرنے والے، انہوں نے زندگیاں غارت کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ یہ سب معاشرے کا سرطان ہیں اور ارباب اختیار کی چشم پوشیوں سے یہ سرطان پھیلتا جا رہا ہے اور ہم بے بسی سے معاشرے میں پھیلتے اس سرطان کو دیکھ رہے ہیں مگر کچھ نہیں کر سکتے۔''

خسرو کو اپنی آنکھوں میں ریت سی چبھتی ہوئی محسوس ہوئی اور اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ یکدم ہی پورے وجود میں تھکن غالب آ گئی۔

پورا ایک سال مسلسل اس نے اور اسعد نے ان کے خلاف کام کیا تھا۔ لیکن سب بے سود' سب رائیگاں گیا تھا۔

''کیا ہم کبھی اپنے عوام کو اتنا ایجوکیٹ کر سکیں گے کہ وہ جان سکیں کہ دین سے دوری اور لاعلمی نے ان کی رگوں میں کیسا زہر اتار دیا ہے۔ کیا کبھی وہ اس سرطان کو جڑ سے اکھاڑ دینے میں کامیاب ہو پائیں گے۔''

ٹھنڈی ہوتی چائے پر نظریں جمائے عمارہ سوچ رہی تھی اور خسرو کی آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی۔

خوبصورت سا معصوم کا کا۔

میڈیکل کالج میں ایڈمیشن نہ لے سکنے والی لڑکی۔
جوان بیٹی کی موت پر روتی ہوئی ماں۔
سادہ سا اسلم جو مجرم بن گیا تھا۔
ہر لمحہ ہونے والے نقصانات سے پریشان اژمیر کے دوست کے والد۔
تیزی سے موت کی سمت بڑھتی ہوئی عالیہ۔
کٹیا میں نادیدہ پرندوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ۔
غیر مرئی قوتوں سے خوفزدہ معصوم لڑکی۔
سارے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے اور اس کے اندر دور تک افسردگی پھیلتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

۞ سرطان کی مانند معاشرے میں سرایت کر کے دین الٰہی کو مسخ کرنے، کمزور عقائد کے مالک سادہ لوح، ان پڑھ اور توہم پرست عوام کو گمراہ کرنے والے جادو، ٹونے اور اخباری اشتہار بازی کے ذریعے دولت بٹورنے والے عاملوں کے گھناؤنے کارناموں اور عبرت ناک انجام کی داستان ہے

۞ عالیہ، ضویا کے ساتھ اپنے محبوب پانے کے لیے قصور کے ویران علاقے میں تعویز لینے گاؤں میں پہنچی تو خوفناک قسم کے عامل کے سامنے مورتیاں، ہانڈیاں اور دیویاں دیکھ کر جان گئی کہ وہ کالا جادو کرنے والے ہندو عامل کے پاس پھنس گئی ہے ضویا نے سر پر پرندے پھڑ پھڑاتے محسوس کیے مگر سر پر کوئی پرندہ نہ تھا۔

۞ بابا جی نے کہا ہے اگر اس تعویز سے معاملہ نہ سلجھا تو اپنے مرشد کا پتہ دوں گا وہ ہر طرح کا عمل کر سکتے ہیں ان کے عمل کا کوئی توڑ نہیں۔ شرطیہ خواہش پوری ہوگی لیکن وہ ایک لاکھ روپیہ لیں گے۔ آدھی رقم پہلے اور آدھی کام ہو جانے کے بعد۔۔۔۔۔

۞ میں اس روز ان کے ہاں گیا ہوا تھا تو اچانک چیخوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ اس قدر بھیانک چیخیں تھیں اور اتنی کرب ناک کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ ساتھ والے گھر میں ایک صاحب جو شاہ جی کے نام سے مشہور تھے، کئی دنوں سے عالم نزع میں ہیں۔ یہ چیخیں ان کی تھیں۔ شاہ جی کالا جادو کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے قبضے میں موکل تھے۔ محلے کے کئی گھروں کی تباہی میں ان کا ہاتھ تھا۔ مہینہ بھر پہلے اس شخص کو فالج کا اٹیک ہوا تھا اور اب جانکنی کے عذاب میں مبتلا ہے پورے محلے پر عجیب سی فضا طاری ہے اور اس شخص کے گھر میں تو قدم رکھنا محال ہے۔ اس قدر بدبو ہے اور عجب رونگٹے کھڑے کر دینے والا ماحول ہے۔ نہ دکھائی دینے والا خوف سا طاری ہو جاتا ہے۔ جیسے آس پاس بہت سی ان دیکھی چیزیں ہوں۔ سارے گھر والے بہت خوفزدہ ہیں ہر گھر میں سورۃ یٰسین پڑھی جا رہی ہے تاکہ وہ اس جانکنی کے عذاب سے نجات پائے۔

''ظاہر ہے برے کاموں کا برا ہی نتیجہ ہونا ہے۔ اہل بابل کا انجام بھول گئے ہیں لوگ۔'' خسرو نے افسردگی سے کہا۔

۞ ملازمت کے حصول کے لیے جوگی سائیس نے کیسے معصوم کاکے کا اسلم کے ہاتھوں خون کرایا۔

۞ انسپکٹر خسرو اور کالم نویس آسعد نے قلم اور قانون کے ذریعے جھوٹے عاملوں کے خلاف علم بلند کیا اور اس جرم میں اغوا اور تشدد کا نشانہ بننا پڑا۔

۞ یہ سب، جانے کے لیے گھر گھر کی پریشانی اور تباہی کی المناک کہانی ہے۔ آگاہی کے لیے سرطان پر پڑھیے اور اپنے گرد و نواح کے علاوہ اپنا جائزہ لیجیے کہیں آپ بھی تو اس سرطان کے مریض نہیں؟؟؟